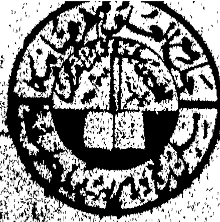
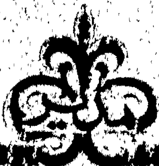
4-9718



حضرت خطیب اعظم مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں صاحب قادری علیہ الرحمہ

ضیاء وجیہ





وجاہت اللہ خاں قادری وجیہی

صوبۂ آسام کا مشہور کتاب گھر

صوبۂ آسام کا مرکزی کتب خانہ جو ۱۹۷۵ء سے قائم ہے اب تک مختلف علوم وفنون پر بہت سی کتابیں شائع کرچکا ہے۔ یہ کتابیں اردو، عربی اور بنگلہ زبانوں میں ہیں۔

ہماری مطبوعات

(۱)	علم وفن کی کنجی	جملہ علوم مشرقیہ کا تعارف اور مصنفین کے حالات (اردو)	۲۰/=
(۲)	دعائے حزب البحر	(اردو، عربی)	۲/=
(۳)	یسرنا القرآن	(عربی)	۳/=
(۴)	مولود برزنجی	(مترجم اردو) مرتبہ عبد المحیط قادری وجیہی	۱۰/=
(۵)	فرقانیہ نماز	(بنگلہ)	۸/=
(۶)	تعلیم الاسلام	(بنگلہ)	۵/=
(۷)	میلاد شریف	(بنگلہ)	۴/=
(۸)	وہابی پرچے	( )	۱/=
(۹)	فتاوی قبور		۱/=
(۱۰)	عورتوں کی پاکی کے مسائل	(بنگلہ)	۵/=
(۱۱)	سوانح شاہ جلال مجرد یمنی سلہٹی		۶/=
(۱۲)	شکوہ جواب شکوہ		۵/=
(۱۳)	فرقانیہ غزل یا روحانی سبق		۵
(۱۴)	برہم دوشیزہ		۱٫۵۰
(۱۵)	فیوضات وزیریہ		۳۰/
(۱۶)	حالات مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں قادریؒ	(بنگلہ)	۲٫۵۰
(۱۷)	حج وقربانی		۶-
(۱۸)	وید اور پران میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم		۴/
(۱۹)	سلاسل طیبہ		۴/

اس کے علاوہ ہر قسم کی درسی وغیر درسی مطبوعات قرآن مجید، سپارے، تسبیح، ٹوپیاں اور عطریات ہر وقت دستیاب رہتی ہیں۔ شمال مشرقی ہندوستان کے حضرات آج ہی رابطہ قائم فرمائیں۔

مالک: عبد المحیط قادری

فرقانیہ کتب خانہ بدرپور ضلع کریم گنج ۷۸۸۸۰۶ – آسام

ماہنامہ ضیاءِ وجیہ رام پور

اِس دَورِ پُر فتن میں جانبداری اور تنازعات سے پاک سُنّی حنفی اعتدالی مزاج کا حق گو رسالہ جس میں دینی، علمی، ادبی، تاریخی اور معاشرتی مضامین شائع ہوتے ہیں۔

سرپرست حضرات
حضرت مولانا شاہ محمد اللہ خاں صاحب
نقشبندی مجدّدی عنایتی
حضرت مولانا نصرت اللہ خاں صاحب
الحاج صفدر علی خاں صاحب

خصوصی سرپرست
حضرت مولانا مفتی محبوب علی صاحب
قادری وجیہی شیخ الحدیث و پرنسپل
جامع العلوم فرقانیہ
رام پور

مُدیر
وجاہت اللہ خاں قادری وجیہی

معاون مُدیران
مولانا سید احمد علی چشتی نظامی فرقانی
مولانا مظاہر اللہ خاں صاحب قادری وجیہی
ڈاکٹر محمد شعائر اللہ خاں وجیہی فرقانی

زرِ تعاون کی تفصیل
فی شمارہ ـــــ آٹھ روپے
سالانہ ـــــ نوے روپے
لائف ممبرشپ ـــــ ڈھائی ہزار روپے

بیرونی ممالک سے
پاکستان ـــــ تین سو روپے سالانہ
دیگر ممالک ـــــ
سولہ امریکی ڈالر

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کا سالانہ چندہ ختم ہوگیا ہے۔ براہ کرم پہلی فرصت میں رسالہ کی ترسیل کو باقی رکھنے کے لیے سالانہ چندہ مبلغ -/۹۰ اس پتہ پر ارسال فرمادیں۔

ایڈیٹر۔ ضیاءِ وجیہ۔ مدرسہ جامع العلوم فرقانیہ۔ مستن گنج۔ رام پور۔ یوپی۔ پن کوڈ۔ ۲۴۴۹۰۱

جلد نمبر ۵ ـ شمارہ نمبر

ماہنامہ ضیاءِ وجیہ رامپور ـ یوپی

جنوری ۱۹۹۴ء رجب ۱۴۱۴ھ

پرنٹر پبلشر صابر رضا خاں نے جامع العلوم فرقانیہ رامپور کے لیے لبرٹی آرٹ پریس پٹودی ہاؤس نئی دہلی ۲ میں چھپوا کر دفتر ضیاء وجیہ مسٹن گنج رامپور سے شائع کیا۔

خصوصی اداریہ

ہر خزاں کے غبار میں ہم نے کاروانِ بہار دیکھا ہے

اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر و احسان ہے کہ ملک کے چار صوبائی انتخابات میں جہاں ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد کی شہادت کے وقت تک فاشزم اور فسطائیت کی علامت بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومتیں تھیں اور جنھیں بابری مسجد کی شہادت کے بعد مرکزی حکومت نے ان حکومتوں کو برطرف کر دیا تھا اور صدر راج نافذ کر دیا گیا تھا، ان صوبوں کے انتخابی نتائج بڑے حوصلہ افزا، اطمینان بخش اور مسرت کا باعث ثابت ہوئے۔ ملک میں پہلی بار الحمد للہ ظلم و ستم اور بربریت کے مارے لوگ اتحاد کی لڑی میں ایک ہو کر متحد ہوئے۔ مسلمانوں، دلتوں اور پس ماندہ ذاتوں کے ووٹ متحد ہو کر سیکولر جماعتوں کو ملے۔ مسلم دلت اتحاد بڑی خوش آئند علامت ہے۔ برہمن بنیاواد، ٹھاکر، جاٹ واد کے خلاف یہ لہر مستقبل کے ہندوستان کے سنہرے خواب کا پتہ دے رہی ہے۔ چار صوبائی انتخابات میں بی۔جے۔پی کا تقریباً صفایا ہو گیا۔ اتر پردیش، مدھیہ پردیش اور ہماچل پردیش میں تو غیر بی۔جے۔پی پارٹیوں کی حکومتوں کا قیام عمل میں آ گیا، البتہ راجستھان میں معاملہ برعکس رہا، حالانکہ بی۔جے۔پی کی ساکھ کو وہاں بھی زبردست دھکا لگا ہے، کانگریس حکومت بنانے کے لیے مطلوبہ سیٹیں حاصل کرنے میں کچھ پیچھے رہ گئی، لہٰذا فرقہ پرست بھارتیہ جنتا پارٹی اپنی حکومت آزاد ممبروں کی بیساکھیوں پر بنانے میں کامیاب ہو گئی۔

دہلی میں اسمبلی انتخابات میں جو نقشہ سامنے آیا اس کے خطرات ہمیں پہلے سے معلوم تھے۔ کیونکہ مسلمانوں اور پسماندہ ذاتوں کے ووٹ کچھ سیاسی بازی گروں کے داؤں پیچوں کی بدولت تقسیم ہو گئے جس کے نتیجے میں فاشزم اور سب سے بڑی ظالم اور تنگ نظر جماعت بی۔جے۔پی نے کامیابی حاصل کر کے دہلی کی صوبائی وزارت کے تخت کو حاصل کر لیا، یہ اہل ملک کے لیے بڑی بدنصیبی کی علامت ہے۔

الحمد للہ اتر پردیش کے مسلمانوں نے خصوصاً، مدھیہ پردیش اور ہماچل پردیش کے مسلمانوں نے عموماً بہت کچھ عقل و ہوش سے کام لے کر اپنی عقل مندی، فراست اور بصیرت کا ثبوت دیا، جس کی وجہ سے ان صوبوں میں بالآخر سیاہ دور کے بعد حق و انصاف کی روشنی کی کرن نمودار ہوئی اور ان صوبوں کے سیاسی حالات تبدیل ہوئے۔ اسلام اور مسلمان دشمن اور دلتوں اور پسماندہ ذاتوں کے حریف فرقہ پرست فاشسٹ عناصر کو کراری شکست ہوئی، اور ان صوبوں میں سیکولر جماعتوں کی حکومتیں قائم ہو گئیں۔

یو۔ پی میں سماجوادی پارٹی اور بہوجن سماج پارٹی کا اتحاد فرقہ پرستوں، برہمنوں اور بنیا برادری کو بڑا ہی شاق گزر رہا ہے اور اس کے لیے ان کے آئندہ عزائم کے بارے میں فی الحال کوئی پیشین گوئی کرنا مشکل ہے۔ کانگریس اگرچہ قومی اعتبار سے سیکولرزم کا ڈھنڈورا ضرور پیٹتی ہے لیکن اس کا عملی کردار سیکولرزم کے منافی ظاہر ہوتا ہے ــــــ ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو اللہ جل جلالہٗ کے مقدس گھر ۴۶۵ سالہ قدیم تاریخی بابری مسجد کی مسماری کی براہِ راست ذمہ داری تو بی۔ جے۔ پی، وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل وشیوسینا کے غنڈوں اور بدمعاشوں کے سر ہے، لیکن مرکز کی کانگریسی نرسمہا راؤ حکومت کی جان بوجھ کر ڈھیل اور لیت ولعل کی پالیسی اور پھر صدر راج کے دور میں ۴۸ گھنٹہ مسلسل اس مقدس جگہ پر کچے رام مندر کی تعمیر اور اس میں بتوں کا رکھا جانا اور پھر ہندو غنڈوں کو آرام کے ساتھ ایرکنڈیشنڈ بسوں میں واپس بھیجا جانا اس کے سیکولرزم کے جھوٹے دعووں کی قلعی کھول کر رکھ دیتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بی۔ جے۔ پی کے ظالمانہ عزائم کی تکمیل میں کانگریس کی مرکزی حکومت کا بالواسطہ عمل دخل ضرور رہا ہے۔

البتہ اترپردیش میں سماجوادی پارٹی کی حکومت کا قیام بہت ہی معنی خیز اور انتہائی خوشی ومسرت کی علامت ہے۔ اس لیے کہ یہی وہ صوبہ ہے جس میں اجودھیا واقع ہے اور یہاں کانگریس کی سابقہ غلطیوں کی وجہ سے فرقہ پرستوں کے حوصلوں کو کافی تقویت ملی۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۰ء میں جب گیارہ لاکھ ہندو غنڈوں نے بابری مسجد پر یلغار کی تھی تو اس وقت بھی جناب ملائم سنگھ یادو صوبہ کے وزیر اعلیٰ تھے، جنھوں نے انتہائی جرأت کے ساتھ قانون، آئین، شرافت، انسانیت، عدل اور رواداری کے جذبہ سے سرشار ہوکر اللہ رب العزت کے مقدس گھر بابری مسجد کو سولہ شرپسندوں کی جانوں کے عوض بچایا تھا، ان کے اس منصفانہ اقدام کو ساری دنیا نے سراہا تھا، لیکن مسلمان اپنے محسن کے احسان کو بھول گئے اور ۱۹۹۱ء کے الیکشن میں اپنے ووٹوں کو تقسیم کر بیٹھے، ملائم سنگھ یادو سکتہ میں رہ گئے اور بی۔ جے۔ پی ہندو ووٹوں کے اتحاد سے اقتدار پر قابض ہوگئی، پھر جو کچھ ہوا وہ ہمارے سامنے ہے کہ ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو فرقہ پرستوں نے کتنی آسانی کے ساتھ بابری مسجد کو مسمار کر ڈالا۔ بابری مسجد کی شہادت کے بعد ملائم سنگھ یادو نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ مسلمانو! آپ کی سیاسی کمزوری نے ہی یہ بُرا دن ہمیں اور آپ کو دکھایا، نہ آپ ووٹوں کو تقسیم کرتے نہ بی۔ جے۔ پی آتی اور نہ یہ سیاہ دن دنیا کو دیکھنا نصیب ہوتا۔ سوچیے غور کیجیے ایک ہندو کے منھ سے یہ بات نکلے اور ہم پھر بھی خوابِ غفلت میں پڑے رہیں۔ یہ تو ایک عجوبہ تھا کہ ۳۰ اکتوبر ۹۰ء کو ایک ہندو نے ہی مسجد بچائی تھی، ہم نے اس کے احسان کا بدلہ کیا احسان کے ساتھ دیا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ ہم نے تو اسے ۱۹۹۱ء کے الیکشن میں اپنی بے وقوفی، کم عقلی کے ذریعہ اس کے ساتھ احسان فراموشی کرکے اسے ہرا دیا، پھر تو یہ حقیقت ہے کہ اس کے بعد جو ہونا چاہیے تھا وہی ہوکر بھی رہا۔ ملائم سنگھ یادو کی جماعت کے ہار جانے کے بعد ان کے رفیقِ خاص ہمدردِ ملت جناب اعظم خاں صاحب نے

ان سے سوال کیا تھا کہ کیا اب بھی آپ کو مسلمانوں پر اعتماد ہے، تو اس شریف النفس انسان نے کہا تھا ہاں! اعظم خاں مجھے اب بھی مسلمانوں پر اعتماد ہے۔ وہ بھولے بھالے ہیں سیاسی حکمت کو نہ سمجھ سکے اور اپنی سیاسی قوت کو اپنے ووٹ تقسیم کر کے ضائع کر بیٹھے۔ ہم انھیں سمجھائیں گے، ان کے پاس جائیں گے، وہ ہماری بات آئندہ ضرور مانیں گے۔ غور کیجیے سوچیے اور فیصلہ کیجیے کتنے درد بھرے دل کی یہ آواز ہے، جو ایک شریف، انسانیت نواز ہندو کے دل کی آواز ہے

اتر پردیش کے وسط اور مشرقی حصہ کے مسلمانوں نے اس بار پسماندہ ذاتوں کے اتحاد سے جس ذہانت وفراست کا ثبوت دیا' اس کی وجہ سے سماجوادی/بہوجن سماج پارٹی کی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ البتہ مغربی اتر پردیش کے مسلمان اپنی کم عقلی کا مظاہرہ کر بیٹھے اور جنتا دل اور کانگریس دونوں کے خیموں میں ووٹ تقسیم کرا کر انہوں نے براہ راست بی' جے' پی کو فائدہ پہنچایا۔ جس کی وجہ سے بی' جے' پی کو کافی سیٹیں حاصل ہوگئیں' اور جنتا دل کا مکمل صفایا اور کانگریس کو بہت بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ کاش! مغربی یو' پی کے مسلمان بھی مشرقی یو پی کے مسلمانوں کے نقش قدم کو اختیار کر لیتے تو فرقہ پرستوں کے حوصلے اور پست ہو جاتے اور اُن کی پارٹی کو زبردست شکست سے دوچار ہونا پڑتا۔ لیکن ایسا کیوں ہوا ؟ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے' جو حشر مغربی یو' پی کا ہوا' وہی دہلی کا بھی ہوا۔

بڑے افسوس کا مقام ہے کہ کانگریس کے منافقانہ سابقہ طرز عمل کو دیکھتے ہوئے بھی علماء نے اور جنتا دل کے سابق وزیراعظم وی' پی سنگھ کے مُسلم دشمن رویّہ کو جس نے ایل' کے ایڈوانی کی رتھ یاترا کو نکلوانے میں ڈھیل سے کام لیا تھا' اسے مخصوص امام صاحبان نے نظر انداز کر دیا' اور جس شخص نے بابری مسجد کی حفاظت کی تھی' اس کیساتھ دغابازی کو اپنا شعار قرار دیا۔ کاش یہ دینی رہنما سیاسی ریشہ دوانیوں میں نہ پڑتے' اپنے دینی اُمور میں مشغول رہتے تو زیادہ اچھا ہوتا' اور اگر سیاست کا اتنا ہی شوق تھا، تو پھر حق وانصاف کا ساتھ دیا ہوتا' اس سے گریز اب تک ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ لیکن بڑی خوشی کی بات ہے کہ ان اماموں اور سیاسی علماء کے بیانات کو مشرقی یو' پی کے مسلمانوں نے صاف نظر انداز کر دیا۔ ہمارا ان حضرات سے مطالبہ ہے کہ وہ اپنی اس نامناسب روش پر نظر ثانی کریں' اسی میں مسلمانوں کی بھلائی ہے۔

اتر پردیش کی ریاست میں مسٹر ملائم سنگھ یادو کی قیادت میں جس سیکولر اور انصاف پسند حکومت کا قیام عمل میں آیا ہے خدا کرے کہ وہ اپنی سیاست کی پانچ سالہ مدت پوری کرے اور صوبہ میں امن وامان' ہندو مسلم رواداری اور کچلے ہوئے اور پسماندہ افراد کے ساتھ منصفانہ عمل میں پوری اترے۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری آرزو کو خداوند کریم انشاءاللہ پوری فرمائے گا۔ یوپی میں نچلی ذاتوں اور پسماندہ طبقوں کا یہ اتحاد بہت معنیٰ خیز ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ جو لوگ اسے اپنے مفاد کے لئے خطرہ سمجھتے ہیں' آئندہ ان کی سیاست کا رخ کیا ہوتا ہے۔ وہ مزید جارح بن کر ہمارے سامنے آتے ہیں یا اپنی حکمتِ عملی میں تبدیلی لائیں گے۔ بہرحال ۶/دسمبر ۱۹۹۲ء کو اللہ جل جلالہٗ کے مقدس گھر بابری مسجد

کی شہادت کے بعد مسلمانوں، نچلی ذاتوں اور پسماندہ طبقوں کا یہ اتحاد ملک کے مستقبل کو تابناک بنائے گا، ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان تدبیر، حکمت، عقل و ذہانت سے کام لے کر آگے بڑھیں اور اسلامی تعلیمات کی بابرکت اور نورانی روشنی میں اپنی پالیسی وضع کریں اور برہمن واد کی جارحانہ اور فرقہ پرستانہ تحریکوں کا ہمت و حوصلہ کے ساتھ مقابلہ کریں اور یہ اتحاد جو دیکھنے میں آیا ہے، اس میں مزید پختگی کی ضرورت ہے، کیونکہ برہمن واد بڑا بے چین ہوگیا ہے۔ مسلم دلت اتحاد سے، اور وہ اپنی حکمتِ عملی میں ضرور کوئی تبدیلی کرنے میں بڑی چالاکی اور مکاری کے ساتھ کوئی بھی دھماکہ کسی بھی وقت کر سکتا ہے، اس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے ــــ وقت آگیا ہے کہ ہم دلت اور پسماندہ ذاتوں سے تعلق رکھنے والوں سے میل جول بڑھائیں اور انہیں اسلامی تعلیمات کی روشن راہوں سے بھی آراستہ کرنے کی طرف توجہ کریں۔ ساتھ ساتھ پندرہ ۱۵ فیصد برہمن واد کے ملک دشمن، مسلم، دلت دشمن اقدامات سے آگاہ کریں، اور ان سے ایسا مساویانہ طرزِ عمل اختیار کریں کہ وہ آئندہ برہمن واد کے جارحانہ عزائم سے دوبارہ متاثر نہ ہو سکیں۔

جناب ملائم سنگھ یادو نے وزارتِ اعلیٰ کا حلف لینے کے فوراً بعد جن اچھے اقدامات کا اعلان کیا ہے، ان میں بی جے پی حکومت کے دور کا وہ کالا قانون نقل مخالف ایکٹ بھی واپس لے لیا ہے، جس کے مضر اثرات طلبہ پر پڑ رہے تھے۔ ڈاکٹر امبیڈکر اور ہریجن رہنما کے پیدائشی دن پر تعطیلات کا اعلان۔ کسانوں کو ایک صوبے سے دوسرے صوبہ میں غلہ لانے، لیجانے پر سے پابندی کا اختتام، دیہات کو مسلسل ۱۶ گھنٹے بجلی، اردو کو صوبے کی دوسری سرکاری زبان بنانے کی حمایت اور سب سے بڑھ کر ان کا یہ جرأت مندانہ اعلان کہ آئندہ صوبہ میں کہیں بھی جھگڑا فساد ہوا تو اس کی براہِ راست ذمہ داری ضلع مجسٹریٹ اور ایس پی پر ہوگی۔ ان کے منصفانہ مزاج اور قانون پر سختی کے ساتھ عملداری کا پتہ دیتا ہے۔ خدا کرے کہ وہ اپنے ان نیک مقاصد میں کامیاب ہوں اور پروردگارِ عالم انہیں اور زیادہ اچھے کاموں کو انجام دینے کی توفیق اور فرقہ پرستوں کے عزائم سے محفوظ و مامون رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اس مسرت کے موقع پر وزیر اعلیٰ اتر پردیش جناب ملائم سنگھ یادو اور ان کی کابینہ کے باصلاحیت اور سیکولر وزراء کو ہم تہنیت پیش کرتے ہوئے ان کی کامیابی و کامرانی کی دعا کرتے ہیں۔

رام پور شہر اسمبلی حلقہ

اس حلقہ سے مسلسل چار بار کامیاب ہونے کے بعد اب پانچویں بار سماجوادی پارٹی کے قومی جنرل سکریٹری اور بابری مسجد ایکشن کمیٹی کے کنوینر عالمی شہرت یافتہ شخصیت، ہمدردِ ملت جناب محمد اعظم خاں الحمد للہ اپنے حریفوں سے سخت مقابلہ کے بعد کامیاب ہوئے ــــ ان کی کامیابی مسلمانوں اور پسماندہ ذاتوں کی خوشی کا باعث ہوئی۔ ہم جناب اعظم خاں کو پانچویں بار نمایاں کامیابی پر اور انہیں یوپی کا دوسری بار محکمہ امدادِ باہمی، حج اور اوقاف کا وزیر بننے پر تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتے ہیں اور ان کی صحت و سلامتی کی دعا کرتے ہیں ــــــــ

محمد اسعد کمال دریابادی

حضرت خطیب اعظم وجیہ
رامپوری

نعت شریف

سج گیا جہانِ فلک شانِ میزبانی سے
چل دیا جو اک مہماں بیتِ اُمِّ ہانی سے

سنتے ہیں کہ رُوحِ قدس لائے مرکب برقی
تھا وہ تیز رو قطعًا برقِ آسمانی سے

راکبِ عرب نوری مرکبِ فلک بجلی
اس لیے تعجب ہے منکرِ روانی سے

پہلے تو سمجھ لیں ہم وقت کی حقیقت کو
پھر کریں گے بحثیں ہم سُرعتِ زمانی سے

اے مکانِ شاہِ دیں تجھ پہ رحمتِ رب ہے
سلسلہ ملا تیرا حدِّ لامکانی سے

کیا ہے وہ شبِ اسریٰ کیا ہے لیلۃ معراج
مل گئیں حدودِ فنا ملکِ جاودانی سے

پھول رحمتِ حق کے ہوں نثار اُس گُل پر
بن گئے ہیں دل گلشن جس کی گل فشانی سے

آمدِ شہِ دیں کا بس ہے ماحصل اتنا
عیشِ آخرت ہو بلند زندگیِ فانی سے

روضۂ شہِ دیں پر اے وجیہ خوش قسمت
پھول کچھ نچھاور کر باغِ زندگانی سے

خطیبِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ　　قسط ۲۳

مسلکِ اربابِ حق

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ وعم نوالہٗ ہم پر اور جملہ مسلمین پر کرم فرمائے کہ وہ ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ عدمِ تقلید کی راہ کدھر جا رہی ہے اور تقلیدِ حضراتِ ائمۂ کرام رضی اللہ عنہم میں کس قدر احتیاط اور امن و عافیت ہے۔

میں پہلے تحریر کر چکا ہوں کہ حضرت امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ باوجود جلالتِ قدر و علوِ شان کے ایک انسان تھے، اُن سے سہو ممکن ہے، لیکن تیرہ صدیوں سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہے کہ بڑے بڑے ائمۂ وقت، محدثین اور مجتہدین ان کے مذہب کو ناقدانہ نظر سے دیکھتے رہے، اور بعض مسائل میں حضرت امامِ اعظم کے قولِ مبارک کو چھوڑتے ہوئے دوسرے ائمۂ کی تحقیق پر فتویٰ دے چکے ہیں، کیا ایسی حالت میں اس زمانہ کے کم مایہ آدمی کی یہ ہمت ہے کہ وہ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے منہ آئے۔

آفریں باد بریں ہمتِ مردانہ اُو

باوجود اس کے کہ ہم عدمِ تقلید کو بُرا اور تقلید کو ضروری جانتے ہیں، اس لیے ہماری نظر میں غیر مقلدین کا گروہ اچھا نہیں، لیکن فتویٰ تکفیر میں حق پرست جمہور علماء اور اپنے مشائخِ عظام اور اساتذہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے مطابق ہم کافر نہیں کہتے ہیں ـــــــ ہاں اگر کوئی دربارِ خداوندی یا دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخانہ قول کرے تو اس کلمہ کو کفریہ کہتے ہیں۔ اور اگر قائل تاویل کر کے اپنی جان کو بچانے کی کوشش نہ کرے تو اُسے کافر سمجھتے ہیں حفظنا اللہ تعالیٰ من سوء الادب)۔

عقائد متعلقہ بہ اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم

اولیا جمع ولی کی ہے۔

وَلی اس مومن کو کہتے ہیں جو کبائر سے پرہیز کرے اور احکامِ الٰہی کی حتی الوسع پابندی کرے، لذاتِ دنیا میں منہمک نہ ہو، رُوحی لطافت، کثرتِ عبادت و ریاضت سے پیدا ہو چکی ہو، اس لیے اُسے رُویائے صالحہ

کی دولت حاصل ہو یا اس کے حق میں دوسروں کو اچھے خواب نظر آتے ہوں۔ اس کی صحبت یادِ الٰہی کی طرف مائل کرے۔

اس ولایت کے مراتب میں پہلا مرتبہ یہ ہے کہ رُوحِ ولی رُوحِ نبی کے ساتھ اس قدر وابستہ ہو گئی ہو کہ بلا تامّل اس کی رُوح اُن امور کو فوراً مان لے جو نبی کی ذاتِ گرامی کا علم ہو۔ یہ مرتبۂ ولایت تمام ولایتوں میں سب سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اِس قسم کے ولی کو شریعت کی زبان میں صدّیق کہتے ہیں۔

امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بکثرت صدیقین گزرے ہیں۔ سب سے بہتر اور افضل خلیفہ اوّل رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اس لیے ان کو صدیق اکبر کہتے ہیں۔

یہ رتبہ بعض عورتوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم کے متعلق فرمایا ہے:

وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ اُن (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی والدہ صدیقہ تھیں۔

صدیقیت سے نیچا رتبہ شہادت ہے۔

شہید کی مشہور تعریف یہ ہے کہ جو شخص اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے جان دے دے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا تھا کہ اے رسولِ کریم! کوئی شخص مال کے لیے لڑتا ہے، کوئی عزت و آبرو کے لیے، اس میں سے فی سبیل اللہ کام کرنے والا کون ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا جو مقابلہ کرے اس غرض سے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو جائے۔

دوسرے مقام پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دریافت فرمایا کہ اے صحابہ تم شہید کس کو سمجھتے ہو؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ حضور! جو جنگ میں مارا جائے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس بنا پر تو میری امت کے لوگ بہت کم ہوں گے، جن کو شہید کہا جائے، بلکہ جو جل کر مرے شہید، جو کسی چیز سے دب کر مرے شہید، پانی میں ڈوب کر مرے شہید، طاعون سے مرے شہید، ہیضہ سے موت واقع ہو شہید، بچّہ کی ولادت کے ہونے میں عورت کا انتقال ہو جائے شہید، نمونیہ کے مرض سے جو ہلاک ہو شہید۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا جو اپنے دین کی حفاظت میں مارا جائے شہید۔ جو عزت و آبرو کی حفاظت میں مارا جائے شہید، جو اپنی جان کی حفاظت میں مارا جائے شہید۔

ایک موقع پر حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جبلِ اُحد پر تشریف فرما تھے اور آپ کی معیت میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ پہاڑ میں لرزہ پیدا ہوا۔ رسولِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبلِ اُحد پر ایک ٹھوکر ماری اور فرمایا اُحد قائم و ساکن رہو۔ تیرے اوپر ایک نبی ہے، ایک صدّیق اور ایک شہید ــــ نبی کے لفظ سے تو حضور کی ذاتِ گرامی

مراد تھی۔ صدیق سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد تھے اور شہید سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ حالانکہ حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اس وقت تک شہید نہیں ہوئے تھے۔ ان تمام احادیثِ مبارکہ پر نظر فرماتے ہوئے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر "فتح العزیز" میں لکھا ہے کہ شہید وہ مؤمن ہے جو ہر وقت اپنا سر ہتھیلی پر لیے پھرے اور رضائے الٰہی میں جان دینے سے اسے بالکل تامل نہ ہو۔

وبالِ دوش ہے اس ناتواں پہ سر لیکن
لگا رکھا ہے ترے خنجرِ دستاں کے لیے

یہ رتبہ اسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جو دنیا کو اپنی نظر میں حقیر اور آخرت کو وقیع سمجھ چکا ہو، رضائے الٰہی کے مقابلہ میں اسے اپنی جان، اپنے مال، اپنے اقارب، اپنی اولاد کی کوئی حقیقت نہ معلوم ہوتی ہو۔ عموماً حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور خاصانِ خدا و مقربانِ بارگاہِ الٰہی کا یہی حال تھا

دولت و شوکت و ثروت سے گزر جاتے تھے
وقت جب آتا تھا اسلام پہ مر جاتے تھے

الغرض شہید کی روحِ مبارک کو روحِ صدیقی کا قرب ہوتا ہے، لیکن روحِ نبوت سے اُسے وہ وابستگی حاصل نہیں ہوتی جو صدیق کو حاصل ہوتی ہے۔

شہادت سے نیچا رتبہ صالحیت کا ہے ــــــ صالح وہ بزرگ ہے جو احکام الٰہی کی پابندی کرے، کبائر سے پرہیز کرے، لیکن روح کو وہ مراتب حاصل نہ ہوں جو صدیق و شہید کو حاصل ہوتے ہیں۔ علمائے کرام اور صوفیائے عظام نے یہ ترتیب قرآن عظیم کی اس آیت مبارکہ سے حاصل کی ہے:

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ
وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا

اس مبارک آیت سے جس طرح ترتیب ولایت ثابت ہوتی ہے، اسی طرح ان کی رفاقت اور محبت کی خوبی و حسن بھی واضح ہوتا ہے، اور مسئلہ بھی صاف ہو جاتا ہے کہ معیتِ خاصانِ خدا ایک نعمت عظیمہ ہے، جس کی بنا طاعتِ خدائے تعالیٰ اور اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ قربِ خداوندی جس کی طلب ہر صاحبِ مذہب کے دل میں ہے اس کا بہترین اور صحیح ذریعہ یہی ہے کہ ان چار گروہوں میں سے کسی ایک کی رفاقت نصیب ہو۔

(جاری)

اے ایمان والو! صبر سے کام لو، باطل پرستوں سے مقابلے میں پامردی دکھاؤ، اللہ سے خوف کھاؤ، فلاح پاؤ گے
(قرآن کریم)

مولانا مفتی محبوب علی صاحب وجیہی
شیخ الجامعہ مدرسہ ہذا

درسِ حدیث

اللہ تعالیٰ کفر اور گناہوں پر ناراض اور ناخوش ہوتا ہے اور اس پر سزا دیتا ہے۔ یہ سارے عالم اسی کی ملک ہیں۔ اس کے حکم اور مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ اس تقدیر کے مسئلہ پر بحث کرنا اور غور و خوض کرنا منع ہے۔ یہ اللہ کے رازوں میں ایک راز ہے جس پر اللہ نے کسی کو مطلع نہیں فرمایا ہے۔ ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے تقدیر کا سوال کیا۔ آپ نے فرمایا تاریک اور خطرناک راستہ ہے، تو اس پر چل نہیں سکتا۔ اس نے پھر سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ گہرا سمندر ہے تو اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس نے پھر سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ کے بھیدوں میں ایک بھید ہے تو اس پر آگاہ نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کو فلسفیوں کی کج بحثوں اور فلسفیانہ خیالات سے دور رہنا چاہیے خصوصاً تقدیر کے مسئلہ میں کہ یہ عقلِ انسانی کی دسترس سے باہر ہے۔

تقدیر کی دو قسمیں ہیں: (۱) مُعلّق (۲) مبرم۔ تقدیرِ معلق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مثلاً لوحِ محفوظ میں لکھا ہے کہ اس کی عمر ۴۰ سال کی ہوگی اور اگر اس نے حج کیا تو اس کی عمر ۲۰ سال بڑھا دی جائے گی۔ پھر خدا تعالیٰ کے علم میں یہ بھی ہے کہ یہ حج کرے گا یا نہیں اور اس کی عمر بڑھے گی یا نہیں۔ پھر یہ فیصلہ جو علمِ باری میں ہے لوحِ محفوظ میں کبھی نہیں لکھا جاتا ہے مگر جب وہ آدمی وہ کام کر لیتا ہے تو لوحِ محفوظ پر پہلا لکھا ہوا مٹا دیا جاتا ہے اور وہ جو علمِ باری میں ہے ظاہر ہو جاتا ہے مثلاً زیادتی عمر یا اضافۂ مال وغیرہ۔ اس کو معلق شابہ بالمبرم کہا جاتا ہے۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ۔ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیریں لوحِ محفوظ میں آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دی تھیں اور اس وقت مخلوقات میں سوائے پانی کے اور کچھ نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ پچاس ہزار سال کا ذکر بظاہر تحدید کے لیے نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اپنے فیصلے جو ازل میں تھے سب کا اظہار کائنات کے پیدا کرنے سے بہت پہلے کر دیا تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی سب سے پہلے پیدا ہوا ہے، پھر عرش پیدا ہوا ہے اور پانی سے سب اجسام خواہ لطیفہ ہوں یا کثیفہ وہ پیدا ہوئے ہیں۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلے کون سی مخلوق پیدا ہوئی اس میں مختلف روایات ہیں لیکن تحقیق یہ ہے کہ ان سب میں سب سے پہلے نور پیدا ہوا۔ اس نور سے اللہ تعالیٰ نے ذاتِ محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کو پیدا فرمایا۔ پھر پانی پھر عرش پھر قلم واللہ اعلم بحقیقۃ الحال وعلمہ اتم۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ حَتَّى الْعَجْزُ وَالْكَيْسُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر چیز اللہ تعالے کے اندازہ اور تقدیر کے مطابق ہے یہاں تک کہ عاجزی اور سمجھداری۔

کَیس کاف کے فتحہ کے ساتھ ہے سمجھداری کے معنی ہیں اور عجز عاجز ہونے کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عالم کی ہر چیز تقدیر الہی سے ہے یہاں تک کہ بندوں کے کام بھی تقدیر الہی سے ہیں۔ اس سے قدریہ کے مذہب کا باطل ہونا ثابت ہوا جو کہتے ہیں بندے اپنے کاموں میں خود مختار ہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَّ اٰدَمُ وَمُوْسٰى عِنْدَ رَبِّهِ فَحَجَّ اٰدَمُ مُوْسٰى قَالَ مُوْسٰى اَنْتَ اٰدَمُ الَّذِيْ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ وَنَفَخَ فِيْكَ مِنْ رُّوْحِهٖ وَاَسْجَدَ لَكَ مَلٰٓئِكَتَهٗ وَاَسْكَنَكَ فِيْ جَنَّتِهٖ ثُمَّ اَهْبَطْتَ النَّاسَ بِخَطِيْئَتِكَ اِلَى الْاَرْضِ قَالَ اٰدَمُ اَنْتَ مُوْسَى الَّذِي اصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِرِسَالَتِهٖ وَبِكَلَامِهٖ اَعْطَاكَ الْاَلْوَاحَ فِيْهَا تِبْيَانُ كُلِّ شَيْءٍ وَقَرَّبَكَ نَجِيًّا فَبِكَمْ وَجَدْتَ اللّٰهَ كَتَبَ التَّوْرَاةَ قَبْلَ اَنْ اُخْلَقَ قَالَ مُوْسٰى بِاَرْبَعِيْنَ عَامًا قَالَ اٰدَمُ فَهَلْ وَجَدْتَ فِيْهَا فَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى قَالَ نَعَمْ قَالَ اَفَتَلُوْمُنِيْ عَلٰى اَنْ عَمِلْتُ عَمَلًا كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيَّ اَنْ اَعْمَلَهٗ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَنِيْ بِاَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَجَّ اٰدَمُ مُوْسٰى رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت آدمؑ اور حضرت موسیٰؑ کا باہم مناظرہ ہوا (کہاں ہوا؟) ایک قول یہ ہے عالم روحانیت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو زندہ کیا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو خصوصی زندگی عطا فرمائی اور دونوں اللہ کے دربار میں حاضر ہوئے وہاں ان میں یہ گفتگو ہوئی۔ پہلا قول قوی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت آدم دلیل میں غالب آئے حضرت موسیٰ پر کیونکہ حضرت آدم نے فرمایا کہ مجھ کو اختیار کامل اس کے ترک میں نہ تھا اور میں اس کے ترک پر قادر نہ تھا بلکہ خدا کی طرف سے قضا و قدر کا یہ فیصلہ بہت پہلے ہو چکا تھا جس کی وجہ سے یہ چیز صادر ہوئی پھر اللہ تعالیٰ نے میری توبہ و استغفار پر مجھ کو معاف کر دیا اس لیے اب اس پر ملامت یا گفتگو

بے کار ہے ۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر اپنی رُوح پھونکی یہ اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف حضرت آدم کی بزرگی اور خصوصیت ظاہر کرنے کے لیے ہے اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمانا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے سجدہ کرایا یہ بھی جناب آدم علیہ السلام کی بزرگی اور تعظیم ظاہر کرنے کے لیے تھا ۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ مسجود اللہ تعالیٰ ہے اور آدم علیہ السلام مثلِ قبلہ ہیں یا یہ سجدہ تعظیمی ہے جو اُس وقت جائز تھا ۔ یہ واقعہ جنت کا ہے، شریعتِ مطہرہ کے نازل ہونے سے پہلے کا ۔

حضرت ابنِ عباس کا قول ہے کہ فرشتے صرف جھکے تھے، زمین پر نہیں گرے تھے اسی کو سجدہ کہا گیا ہے ۔ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے فرشتو تم آدم علیہ السلام کی اقتدا کرو ۔ اُس وقت حضرت آدم نے اللہ کو سجدہ کیا ۔ ان کی اقتدا میں فرشتوں نے بھی سجدہ کیا ۔ یا لام وقت کے معنی میں ہے یعنی جس وقت حضرت آدم سجدہ کریں اسی وقت تم بھی سجدہ کرو ۔ حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ سجدہ کے معنی خشوع و خضوع کے ہیں یعنی حضرت آدم کی فضیلت کا اقرار کرو اس صورت میں سجدہ لغوی معنی میں ہوگا واللہ اعلم ۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت میں ٹھہرایا ۔ اس میں معتزلہ کے قول کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ جنت سے مُراد دُنیا کا کوئی باغ ہے کیونکہ ان کے نزدیک جنت قیامت کے دن پیدا ہوگی اس وقت نہیں ہے تم نے سب لوگوں کو دنیا میں اتروا دیا یعنی نہ آپ شجرِ ممنوعہ کھاتے اور نہ جنت سے آتے اس لیے تمھاری اولاد بھی دنیا میں نہ آتی مگر آپ شجرِ ممنوعہ (وہ درخت جس کا پھل کھانے سے ممانعت تھی) کھا کر سب کے دنیا میں آنے کا سبب بن گئے اور سب کو ان نعمتوں سے محروم کر کے جو آپ کی کمر میں ہونے کی وجہ سے ان کو حاصل تھیں . . . . اور دنیا میں آکر مشقت اور مصائب میں وہ مبتلا ہوئیں ۔ اس کا جواب حضرت آدم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس طرح دیا آپ وہی موسیٰ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغامات اور مراتبِ عالیہ کے لیے انتخاب کیا اور دنیا میں بلا واسطہ فرشتہ ان سے گفتگو کی اور آپ وہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے توریت کتاب عطا فرمائی جس میں ہر ضرورت کا بیان ہے ۔ آپ وہی موسیٰ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی سرگوشی کے لیے منتخب کیا ۔ اس میں اشارہ ہے کہ اگر میں جنت سے دنیا میں نہ آتا تو آپ میری کمر میں ہی رہتے پھر یہ مراتبِ عالیہ اور فضائلِ جلیلہ آپ کو کیسے ملتے ۔ یہ آپ کے مراتبِ عالیہ میرے جنت سے نکلنے کی وجہ سے ہی آپ کو حاصل ہوئے ۔ پھر یہ آنا مفید ہوا یا مضر؟ بسا اوقات اوّلاً چیز بُری معلوم ہوتی ہے مگر نتیجہ کے اعتبار سے بہت مفید ہوتی ہے ۔ ہمارے صفدر حسین صاحب صفدر مرحوم کا مصرع ہے ایک آپ کے نکل آنے سے صدہا جانے والے نکل آئے ۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے قضا و قدر کے فیصلہ سے ان کو جواب دیا ۔ آپ نے فرمایا اے موسیٰ اللہ تعالیٰ نے میرے پیدا کرنے سے کتنے سال پہلے توریت لکھی تھی؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا چالیس سال پہلے ۔ تب آپ نے

فرمایا کہ کیا اس میں آپ نے اس میں یہ لکھا ہوا پایا فعصیٰ آدم ربہ فغویٰ یعنی حضرت آدم سے غلطی ہوئی اور وہ ٹھیک راستہ سے بھٹک گئے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ جی ہاں توریت میں یہ مضمون پایا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے موسیٰ مجھے ایسے کام پر ملامت کر رہے ہو جس کا واقع ہونا اللہ تعالیٰ نے میری تخلیق اور پیدائش سے بھی چالیس سال پہلے لکھ دیا تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم حجت و دلیل کے اعتبار سے حضرت موسیٰ پر غالب آگئے کیونکہ علم باری کا خلاف ممکن نہیں اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو زمین پر اپنی خلافت کے لیے پیدا کیا تھا۔ پس حضرت آدم کا زمین پر جنت سے آنا ضروری تھا اس لیے حضرت موسیٰ کا اس سے صرف نظر کرنا اور زمین پر آنے کے سبب پر حضرت آدم کی گرفت کرنا حقیقت کے خلاف ہے۔ مرقات میں ملا علی قاری نے علامہ تورپشتی سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم کا کتبہ اللہ علی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت آدم سے کسب و اختیار بالکل چھن گیا تھا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں میرے پیدا ہونے سے پہلے ہی اس واقعہ کا ہونا لکھ دیا تھا پس مجھ سے یہ عمل ہونا ہی تھا کیونکہ علمِ باری کے خلاف ہونا ممکن نہیں۔ حضرت آدم نے فرمایا کہ اے موسیٰ آپ تو منتخب بندوں میں ہیں اور اسرارِ الٰہی سے واقف ہیں پس آپ نے صرف کسب کا ذکر کیا ہے جو اس عمل کا سببِ ظاہری ہے اور اس کا سبب باطنی جو اصل ہے اس سے آپ غافل ہیں جو تقدیرِ الٰہی ہے۔ یہ بھی یاد رکھیے کہ کسی قصور کی معافی کے بعد اس کا ذکر بطورِ الزام درست نہیں ہے۔ اس میں جبریہ اور قدریہ دونوں کا رد ہے کیونکہ جبریہ تقدیرِ الٰہی کو ثابت کرتے ہیں اور بندہ کی قدرت کی نفی کرتے ہیں اور معتزلہ تقدیرِ الٰہی کے منکر ہیں اور صرف بندہ کی قدرت ثابت کرتے ہیں۔ اہلِ سنت و جماعت درمیانی راستہ اختیار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تقدیرِ الٰہی جو اصل ہے وہ بھی ثابت ہے اور کسب بھی ضروری ہے اور ان دونوں کا ثبوت قرآن شریف سے ہے وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

ڈاکٹر ماجد علی خاں
نئی دہلی

پیغمبرِ اسلام
معجزے اور حقائق

وہ مافوق الفطرت باتیں جو اللہ کے حکم اور اس کی عنایت سے اس کے بھیجے گئے انبیاء علیہم السلام سے صادر ہوتی ہیں، اسلام کی اصطلاح میں معجزے کہلاتی ہیں۔ قرآن مجید میں بہت سے پیغمبروں کے معجزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری آسمانی کتابوں میں بھی پیغمبروں کے معجزے کا ذکر کیا گیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اللہ کے دوسرے خاص بندوں یعنی اولیاء اللہ کے ہاتھ پر بھی بعض مافوق الفطرت باتوں کا صدور ہو سکتا ہے، لیکن وہ معجزات نہیں کہلاتے، بلکہ انکو کرامات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، تاکہ نبی اور غیر نبی میں صادر ہونی مافوق الفطرت باتوں میں فرق ہو سکے، لیکن اگر کوئی مافوق الفطرت بات اللہ کے کسی نافرمان کے ہاتھ پر صادر ہو جائے تو اس کو استدراج کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں معجزہ کے لئے آیت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جس کا مطلب ہے نشانی، قرآن کریم میں اس کے لئے ایک دوسرا لفظ 'برہان' یعنی دلیل بھی ملتا ہے۔

معجزہ، سحر یا جادو میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ سحر یا جادو ایک علم و ہنر ہے، جسے سیکھا اور سکھایا جا سکتا ہے، لیکن معجزہ کسب و اختیار کی چیز نہیں ہے۔ جس طرح نبوت محض ایک عطیۂ ربانی ہے۔ معجزہ بھی کسی نبوت کی دلیل کے طور پر اللہ کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بیشمار معجزانہ واقعات ملیں گے۔ سیرت نگاروں نے دوسو سے زیادہ ایسے واقعات لکھے ہیں، جن کا شمار معجزوں میں ہوتا ہے۔ ان میں سے تقریباً ۱۵ معجزات کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے اور باقی احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں۔ ان میں چند خاص خاص معجزات یہ ہیں۔ شقِ القمر، معراج، غلبۂ روم کی پیشین گوئی، بنو نضیر کی سازش کی اطلاع، قبائلِ عرب و قریش کی شکست، اور فتح مکہ کی پیشین گوئیاں، فتح بدر و خیبر و حنین کی پیشین گوئی، روم و کسریٰ کے لوٹ جانے کی اطلاع، شرح صدر، شفائے امراض، کھجور کے سوکھے تنے کا جدائی کے غم میں گریہ وزاری کرنا، قلیل المقدار اشیاء میں کثیر برکت کا ظاہر ہونا، آپ کی انگلیوں سے پانی جاری ہو جانا، استجابتِ دعا، باوجود امّی ہونے کے یہود و نصاریٰ کے سوالات کے صحیح جواب دینا، درختوں کا چلنا وغیرہ ان تمام معجزات کے علاوہ تا قیامت رہنے والا ایک معجزہ قرآن کریم ہے۔ قرآن خود اپنے بارے میں یہ دعویٰ کرتا ہے۔

وَاِن کُنتُمْ فِی رَیبٍ مِّمَّا نَزَّلنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهٖ وَادْعُوا شُهَدَآءَكُم مِّن دُونِ اللّٰهِ اِن كُنتُم صٰدِقِینَ ۝ فَاِن لَّم تَفعَلُوا وَلَن تَفعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِی وَقُودُهَا النَّاسُ وَالحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّت لِلكٰفِرِینَ ۝

"اور اگر تم کچھ شک میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے، اپنے خاص بندے پر تو اچھا پھر تم سورت جو اس کے ہم پلہ ہو بنا لاؤ اور بلا لو اپنے حمایتیوں کو خدا کے علاوہ اگر تم سچے ہو، پھر اگر تم یہ کام نہ کر سکے اور ہرگز نہ کر سکو گے تو بچو دوزخ کی اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو تیار کی گئی ہے کافروں کے واسطے۔"

علماء اسلام نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق یہ بتایا ہے کہ قرآن مجید کی وجہ اعجاز کیا ہے۔ کچھ حضرات کے مطابق قرآن مجید کا نظم کلام اور اسلوب ایک معجزہ ہے۔ علماء کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ قرآن مجید کا اعجاز اس کی فصاحت و بلاغت ہے۔ یعنی بڑے سے بڑا فصیح و بلیغ متکلم بھی قرآن جیسا فصیح و بلیغ کلام نہیں بول سکتا۔ بعض کے نزدیک قرآن کریم کا یہ اعجاز ہے کہ وہ ایک نبی اُمی کی زبان سے ادا ہوا ہے۔ بعضوں کی رائے یہ ہے کہ قرآن مجید میں گزشتہ اقوام اور امتوں کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں اور بعض آئندہ واقعات کے بارے میں جو پیشین گوئیاں کی گئیں ہیں، وہ سب حرف بحرف پوری ہوئی ہیں۔ اس لئے اس لحاظ سے قرآن ایک معجزہ ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ قرآن کا اعجاز یہ ہے کہ وہ شروع سے آخر تک ایک ہی اسلوب اور ایک ہی اسٹائل میں ہے۔ علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اعجاز قرآن کا اصل راز اس کے احکام و تعلیمات میں ہے کہ کوئی انسانی دماغ اس طرح کے معتدل اور حکمت و ہدایت سے پر احکام نہیں بنا سکتا۔ کچھ حضرات کی رائے ہے کہ قرآن مجید کا اعجاز اس کی حیرت انگیز تاثیر ہے۔ جس سے عربی کا ذوق نہ رکھنے والے بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ دراصل یہ تمام خصوصیات ہی قرآن مجید کے اعجاز کا باعث ہیں۔ مختلف علماء نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق قرآن مجید کے حسن و کمال کے کسی ایک رُخ کو نمایاں کیا ہے، ان میں باہمی کوئی تعارض و تضاد نہیں ہے۔

بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ معجزانہ کتاب آج بھی ایک حقیقت ہے اور آپ کی سیرت کے تمام گوشے آج بھی تاریخ کے اوراق میں من و عن محفوظ ہیں اور یہی دونوں چیزیں آپ کی نبوت و رسالت کے لئے بہترین دلائل فراہم کرتی ہیں۔ آخر میں یہ بات بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ گو کہ معجزے سے نبوت کی نفسیاتی دلیل کی حیثیت سے منصب نبوت کے لئے معین و مددگار ضرور ہیں پھر بھی وہ بذات خود مقصود ہیں نہ مطلوب اس اعتبار سے قرآن کی تعلیمات۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندہ جاوید سیرت آج بھی ہمارے لئے ہدایت ہے۔

نعتیں

ابراہیم علی خاں تہر رامپوری

نصیب اس کا ہے جس نے روئے ختم المرسلین دیکھا
زلیخا تو نے کیا دیکھا جو یوسف سا حسیں دیکھا

کلیم اللہ موسیٰ ہیں، حبیب اللہ حضرت ہیں
انھوں نے طور دیکھا آپ نے عرش بریں دیکھا

کیا خالق نے یکتا خلق ان کو دونوں عالم میں
نہ ان سا چرخ نے پایا نہ بالائے زمیں دیکھا

ہزاروں انبیاء کے پاس تم آئے گئے برسوں
ہمارا سا نبی بھی تم نے اے روح الامیں دیکھا!

درِ حضرت سے پھرتا ہی نہیں خالی کوئی سائل
وہی ہے وہ کہ جس کو رحمۃ للعالمیں دیکھا

نکالو تہر کو اب تو مصیبت سے شہِ والا
کہ اس نے رنج دیکھے جتنے، عیش اُتنا نہیں دیکھا

غلام احمد تمیز رام پوری (م: ۱۸۹۹ء)

عشقِ نبی میں روح جو تن سے نکل گئی
ہم جان سے گئے مگر عقبیٰ سنبھل گئی

تصویر کس کی ہے مرے سینہ میں باخدا
جو مرتے دم بھی دم مرا بھرتی چلی گئی

کس غیرتِ مسیح کی یارب نظر پڑی
جو دم میں اب مریض کی صورت بدل گئی

گردوں پہ آفتاب بنا یا قمر بنا
یثرب کی خاک جس سے صبا منہ کو مل گئی

شق کر دیا نبی نے قمر کو سپہر پہ
انگشت کے اشارے سے تلوار چل گئی

روضہ نبی کا آنکھ سے دیکھا تمیز نے
شکر خدا کہ دل کی تمنا نکل گئی

عرفان زیدی بدایونی

جگہ تو ہو گی گنہ گار کی بھی دفتر میں
چھپا لے مجھ کو بھی داور! رضا کی چادر میں

ترے ہی حُسن سے یہ کائنات ہے روشن
ترے ہی نُور کی جگ مگ ہے ہر مقدر میں

تری ہی حمد سے تر ہے زبان خلائق کی
ترے ہی نام کی تابانیاں ہیں ہر گھر میں

ترے ہی نُور کی ایک چھوٹ ہیں مہ و انجم
تری ہی رحمت بے انتہا سمندر میں

ترے ہی حکم کی تابع ہے جنبشِ اعضا
ہے تو ہی قلب کی دھڑکن تری ہی دُھن سر میں

میں جانتا ہوں کہ رحمت ہے تیری بے پایاں
نگاہِ لطف ہو عرفان پر بھی محشر میں

مولوی نور محمد فرقانی
متعلم مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ

قسط ۳

رام پور کے باکمال اطباء

حکیم سید محمد یحییٰ آپ کے والد کا نام سید کاظم علی تھا۔ رام پور میں پیدا ہوئے آپ نے زندگی کا اکثر حصہ طلبِ طب میں گزارا پچیس سال تک حکیم محمد ابراہیم خاں سے پڑھا اور ان کے مطب میں رہے۔ حکیم ابراہیم خاں کو آپ کی لیاقت پر ناز تھا۔ اٹھاون سال کی عمر میں ۱۳۱۶ھ میں انتقال ہوا۔

حکیم محمود خاں والد کا نام محمد اکبر خاں تھا۔ رامپور میں پیدا ہوئے۔ علوم عربی و فارسی و طب یہاں کے علماء سے حاصل کئے۔ ریاست بھوپال میں پانچسو روپئے ماہانہ تنخواہ تھی ۱۲۴۳ھ میں بھوپال میں انتقال ہوا۔

مولوی حکیم مرتضیٰ مرتضیٰ والد کا نام علی حسین تھا۔ رام پور میں پیدا ہوئے۔ علوم عربیہ مولوی فضل حق خیرآبادی وغیرہ سے پڑھے۔ طب حکیم محمد ابراہیم خاں سے پڑھی۔ آپ اعلیٰ درجہ کے خوش نویس بھی تھے۔ خوشنویسی میں آپ کے بہت سے شاگرد ہوئے۔ آپ نے فنِ طب میں ایک کتاب "علاج الاطفال" بھی لکھی۔ ۱۹۰۶ء میں انتقال ہوا۔

حکیم مظہر علی آپ مرادآباد میں پیدا ہوئے۔ عربی، فارسی، طب علماء رامپور اور مفتی سعد اللہ سے حاصل کی۔ آپ کی ذہانت اور علمیت بے مثل تھی۔ مدرسہ عالیہ رامپور میں بھی مدرس رہے — ریاست اندور میں سو روپئے ماہانہ پر اطبائے خاص میں ملازم تھے۔ رام پور اور باہر کے اکثر طلبہ کو آپ نے پڑھایا۔ ۱۲۹۸ھ میں انتقال ہوا۔

حکیم مظہر احسن خاں احسن والد کا نام حکیم مجتبیٰ خاں۔ فارسی اور عربی کی تعلیم مولوی عبد المجید خاں سید علی حسین سے حاصل کی۔ آپ طبیبِ حاذق تھے۔ بہت بڑا مطب تھا۔ لکڑی کی تجارت بھی کرتے تھے۔ درس کا شغل بھی تھا۔ ۱۸۹۱ء میں انتقال ہوا۔

حکیم سید مہدی علی کمال والد کا نام سید ضامن علی جلال تھا۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ فارسی، عربی کی تکمیل کے بعد طب پڑھی۔ مطب بہت عمدہ تھا۔ رام پور آئے۔ ریاست نے پچاس روپئے مقرر کئے۔ نہایت خلیق بے حد متین تھے۔ ۱۳۲۹ھ میں رام پور میں انتقال ہوا۔

حکیم علامہ نجم الغنی خاں
آپ کے والد کا نام مولوی عبد الغنی خاں تھا۔ آپ ۱۰ ربیع الاول ۱۲۷۶ھ میں رامپور میں پیدا ہوئے۔ آپ نے علومِ عربیہ مولانا عبد الحق خیر آبادی اور مولوی ارشاد حسین صاحب وغیرہ سے مدرسہ عالیہ رام پور میں حاصل کئے۔ فنِ طب اپنے ماموں حکیم محمد اعظم خاں وغیرہ سے حاصل کیا۔ آپ بین الاقوامی شہرت کے حامل تھے۔ آپ کچھ مدت ریاست اودے پور رہے لیکن رامپوری دوستوں کے اصرار پر اس ملازمت کو چھوڑ کر پھر رام پور چلے آئے۔ آپ شعبۂ تاریخ کے منصرم، یونانی شفاخانوں کے انچارج میونسپلٹی کے ممبر اور نواب حامد علی خاں کے درباری تھے۔ آپ رضا لائبریری رام پور کے ناظم (ڈائریکٹر) بھی رہے۔ آپ نے فن طب میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں جنھیں خواص الادویہ، خزائن الادویہ اور خزینۃ الادویہ کافی مشہور ہوئیں۔ یکم جولائی ۱۹۳۲ء کو بریلی سے رام پور آتے ہوئے انتقال ہوا۔ شاہ درگاہی صاحب کے مزار میں مدفون ہیں۔

حکیم نیاز احمد خاں
والد کا نام دوست محمد خاں تھا۔ مولوی عبد المجید خاں رامپوری سے طب پڑھی۔ ۱۳۰۰ھ میں انتقال ہوا۔

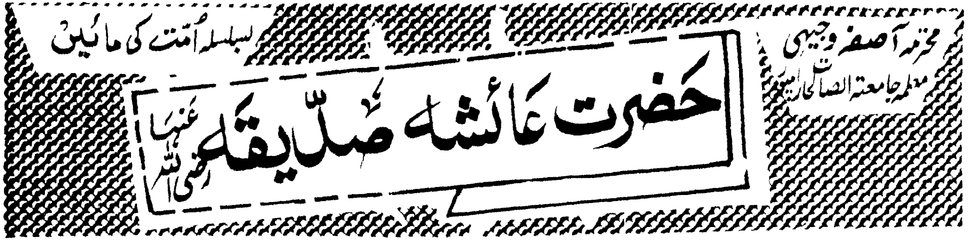
حکیم محمد ہادی رضا خاں ماہر
والد کا نام حکیم محمد حسین رضا خاں تھا۔ ۱۸۸۸ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں اُردو فارسی انگریزی پڑھی۔ طب اپنے والد سے حاصل کی۔ جب آپ کے والد کا انتقال ہوا تو مطب کو خوب ترقی دی۔ طاعون کے علاج میں بہت شہرت ہوئی۔ آپ کا اخلاق نہایت عمدہ تھا۔ جذبۂ ایثار بھی بہت تھا۔ جون ۱۹۴۳ء میں انتقال ہوا اور لکھنؤ میں مدفون ہوئے۔

حکیم یعقوب خاں
والد کا نام یوسف خاں تھا۔ عربی پر کامل دستگاہ تھی۔ فنِ طب میں تو ماہر تھے۔ مطب بھی کرتے تھے۔ پڑھاتے بھی تھے۔ ۱۳۰۰ھ میں انتقال ہوا۔

حکیم مولوی محمد یعقوب خاں
آپ کے والد کا نام حکیم محمد فیاض خاں تھا۔ کچھ دنوں آپ حیدر آباد دکن میں رہے پھر بلاسپور آگئے اور گھر پر ہی مطب کرنے لگے۔ تاریخ انتقال معلوم نہیں ہو سکی۔

حکیم محمد یوسف خاں یوسف
والد کا نام حکیم فیاض خاں تھا بلاسپور میں پیدا ہوئے۔ صرف و نحو اور طب اپنے بھائیوں سے پڑھی۔ شیخ احمد علی رامپوری سے کتبِ درسیہ پڑھیں۔ آپ متقی، پرہیزگار اور علومِ عربیہ کے خوب ماہر تھے۔ دلکش تقریر اور تحریر میں جاذبیت تھی۔ آپ اپنے عزیزوں سے بے حد محبت کرتے تھے۔ آپ کے سینکڑوں شاگرد ہوئے۔ نظم فارسی اور اُردو کا بھی شوق تھا۔ ۱۳۳۹ھ میں انتقال ہوا۔

باقی صـ ۳۹ پر



جناب فاطمہ اور عائشہ میں فرق ہے اتنا
کہ وہ جنت کی شہزادی تو یہ جنت کی رانی ہیں

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خلیفہ اوّل ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی اور سرور کائنات رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیوی ہیں۔ یہ وہی خاتون ہیں جن کی حضور سے شادی ہوئی تو آپ کنواری تھیں۔ تمام ازواج مطہرات میں آپ کو ایک شان حاصل ہے۔

آپ حسن عمل کی پیکر اکمل تھیں نیک سیرت نیک صورت پر وقار تھیں، دنیائے اسلام میں آپ کی ذہانت بہت مشہور ہے، علمائے کرام کا کہنا ہے اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہ ہوتیں تو علم احادیث آدھا ضائع ہوجاتا۔ صحاح کی تمام احادیث میں آپ کی نقل کی ہوئی احادیث کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ آپ حضور کی بہت مطیع وفرماں بردار تھیں میاں بیوی کے جو آپسی حقوق ہیں ان کی کامل طریقے پر آپ نے ادائیگی کی ہے حضور نے جس کام کو منع کیا رک گئیں اور جب حکم دیا بجالائیں۔ حدیث میں آیا ہے جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت وصال آیا تو آپ کے آرام کرنے کی باری دوسری بیوی کے گھر پر تھی مگر آپ کی قلبی خوشی یہ تھی کہ اس علالت میں عائشہ صدیقہ کے یہاں پہونچ جاؤں۔ تمام ازواج مطہرات کو حضور نے جمع کیا اور فرمایا۔ تم تمام عورتوں کی اس بارے میں کیا خوشی ہے کہ میں عائشہ صدیقہ کے یہاں جاکر آرام کروں تمام ازواج مطہرات نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول جہاں آپ کا دل چاہے وہاں آرام فرمالیں۔ ہم راضی ہیں۔ آپ حضرت عائشہ صدیقہ کے یہاں پہونچ گئے۔ مرض بڑھتا گیا۔ وقت وصال قریب آگیا۔ اس موقع پر حضرت عائشہ صدیقہ کے زانو پر حضور کا سر اقدس رکھا ہوا تھا۔ زبان مبارک سے آپ بار رفیق الاعلیٰ کی صدا بلند فرمارہے تھے اس دوران حضور نے عائشہ صدیقہ کی طرف دیکھا۔ عائشہ صدیقہ نظر کے اشارہ کو سمجھ گئیں کہ حضور مسواک طلب کررہے ہیں آپ نے اپنے منہ سے چبا کر حضور کو مسواک عطا کی آپ نے مسواک کی اس کے بعد حدیث میں آتا ہے مَالَا یَدَ یٰہِ۔ آپ کے ہاتھ بے دم ہوگئے آپ بارگاہ خداوندی میں پہونچ گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مذکورہ واقعہ حدیث یہ بتارہا ہے کہ تمام ازواج مطہرات

میں حضرت عائشہ صدیقہ کا سب سے زیادہ بلند مرتبہ ہے حضور اِس وقت جہاں آرام فرما ہیں وہاں پر گنبد خضریٰ کی سنہری جالیوں سے نور چھن کر دُنیا میں پھیل رہا ہے یہی حضرت عائشہ صدیقہ کا حجرہ ہے یہی جائے وصال اور یہی آرام گاہِ رسول ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بہت فضائل و مناقب مذہبی کتابوں میں درج ہیں آپ کی زندگی بڑی سادہ تھی ہمیشہ کم قیمت موٹے کپڑے پہنتی تھیں ہاتھوں میں سونے چاندی کی انگوٹھی بھی کبھی پہن لیتی تھیں ایسے باریک کپڑے جن سے جسم دکھنے لگے۔ بہت نفرت کرتی تھیں۔ ایک بار عائشہ صدیقہ کی بھتیجی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آپ کے سامنے ایک باریک اوڑھنی اوڑھ کر آگئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ بڑی ناراض ہوئیں اور ان کے سر سے اوڑھنی کھینچ لی۔ اور اپنے پاس سے رکھی ہوئی موٹے کپڑے کی اوڑھنی ان کو لاکر دی فرمایا یہ اوڑھو۔ اور کہنے لگیں اے حفصہ خدائے تعالیٰ نے سورہ نور میں ارشاد فرمایا ہے وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ۔ عورتیں اپنی زینت کو چھپائے رکھیں اس پر ہمیشہ نظر رکھو۔ حضرت صدیقہ پردے کی بہت پابند تھیں۔ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں اسحٰق نامی نابینا آپ کے پاس شرعی مسائل پوچھنے کے لیے آئے آپ نے ان سے پردہ فرمایا۔ اسحٰق رضی اللہ عنہ کو بڑا تعجب ہوا۔ کہنے لگے۔ ام المومنین مجھ سے کیوں پردہ کررہی ہیں میں تو نابینا ہوں آپ نے فرمایا۔ آپ نابینا ہیں تو کیا ہوا۔ میں تو نابینا نہیں ہوں۔ یہ تھا کردار جنت کی رانی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا۔ آپ کی زندگی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ ہم ذرا غور کریں آج ہمارا کردار کیا ہے، گھروں میں رہنے والی پردہ نشین خواتین باہر نکلتی ہیں، گلیوں بازاروں میلوں میں جس طرف نظریں اٹھتی ہیں عورتوں کا ہجوم نظر آتا ہے بے پردگی اور بے حیائی عام ہوتی چلی جارہی ہے شوہروں کی نافرمانی عروج پر ہے۔ ہم نے اپنے اُس سبق کو بھلا دیا جو عائشہ صدیقہ نے ہم کو دیا تھا۔ اگر امت مسلمہ کی خواتین کا یہی حال رہا تو ہم ناکامی کے گہرے غار میں جا گریں گے۔

الغرض عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور کے ساتھ نو سال تک ازدواجی زندگی بسر کی۔ حضرت عائشہ آپ پر جان چھڑکتی تھیں اور حضور عائشہ صدیقہ سے پوری زندگی بہت خوش رہے آنحضرت کے وصال کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ ۴۸ سال زندہ رہیں ۱۷ رمضان المبارک ۵۸ھ میں آپ کا وصال ہوگیا۔ آپ کی نماز جنازہ مشہور صحابی رسول حضرت ابو ہریرہؓ نے پڑھائی۔ جنت البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔ رب العٰلمین ان پر اپنی لاکھوں رحمتیں برسائے اور امّت مسلمہ کی تمام خواتین کو ان جیسی دینداری، اطاعت اور شرم و حیا عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

پروفیسر نثار احمد فاروقی
نئی دہلی

حضرت شاہ عبدالہادی چشتی امروہوی

ھندوستان میں تصوف اور صوفیاء کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ یہاں چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ، نقشبندیہ، شطاریہ کئی سلسلے پھلے پھولے ہیں اور ان سب کی مختلف شاخوں نے صوفیاء کی تعلیمات کے اثرات اور فیضان کو قصبات اور دیہات تک پہنچا دیا ہے۔ بعض سلسلوں کی تاریخیں اور اولیاء کے تذکرے یا ان کے ملفوظات بڑے اہتمام سے لکھے گئے ہیں۔ لیکن بہت سی شخصیات وہ ہیں جن کا اثر تو بہت دور تک پہنچا ہے اور دیر سے قائم ہے، لیکن ان کے حالات منظرِ عام پر نہیں آسکے، اس لئے وہ زیادہ مشہور یا متعارف نہیں ہیں۔

ایسی ہی ایک بلند شخصیت حضرت خواجہ شاہ عبدالہادی چشتی امروہوی قدس اللہ سرہ کی ہے۔ وہ مغربی یوپی کی مردم خیز زمین امروہہ میں ۱۴/ رجب ۱۰۸۴ھ یعنی ۱۵/ اکتوبر ۱۶۷۳ء کو بدھ کے دن پیدا ہوئے۔ یہ اورنگ زیب کی تخت نشینی کا سولہواں سال تھا۔ آپ نسباً صدیقی ہیں۔ آپ کے جدامجد قاضی نظام الدین قریشی عہد سلطنت میں عہدۂ قضا پر فائز تھے۔ ان کی اولاد میں امروہہ کے شمال مغرب میں پورا ایک محلہ بسا ہوا ہے جو قریشیان کہلاتا ہے۔ اس خاندان کے ایک فرد مفتی محمد طاہر کو ۹۷۷ھ میں جلال اکبر نے پرگنہ دھام پور میں کچھ معافی عطا کی تھی، اس سے دو تین پشتوں تک یہ خاندان بوا پور تھن میں اور شیر کوٹ ضلع بجنور میں بھی مقیم رہا۔

حضرت شاہ عبدالہادی کے جدامجد شیخ عبدالسمیع پھر امروہہ آکر آباد ہوئے تھے۔ ان کے فرزند شیخ محمد حافظ ہوئے۔ یہ حضرت شاہ عبدالہادی کے والد بزرگوار ہیں۔ ان کے پاس زراعت کے لئے زمین تھی، کچھ معافیاں بھی تھیں، اس لئے آرام سے بسر ہوتی۔ جب حضرت شاہ عبدالہادی نے ہوش سنبھالا تو رواج کے مطابق تعلیم کا آغاز ہوا۔ کبھی ایک معمولی لمحہ میں بظاہر کوئی نہایت معمولی واقعہ ایسا ہوتا ہے جس کے نتائج اور اثرات نہایت عظیم الشان ہوتے ہیں۔ آپ ایک دن مکتب میں تنہا بیٹھے ہوئے پڑھ رہے تھے کہ ایک مجذوب صفت درویش، اُدھر آنکلے اور انہوں نے کھانے کی کوئی چیز اپنے منھ سے نکال کر اصرار کر کے انہیں

کھلادی، اسی وقت سے طبیعت میں جذب کے آثار پیدا ہوگئے۔ تعلیم کی طرف رغبت نہیں رہی، دنیا اور اہلِ دنیا سے بھی وحشت پیدا ہوگئی اور آپ بواپور کے جنگل میں جا کر رہنے لگے۔ والدین نے کوشش کر کے کھیتی باڑی کے کام میں لگایا تو جتنی پیداوار تھی، وہ غریب کسانوں میں تقسیم کر کے آگئے۔ آپ کو خانہ داری کی زندگی میں اُلجھانے کے لئے شادی کردی گئی۔ ایک صاحبزادے شیخ ظہور اللہ پیدا ہوئے، لیکن آپ کی صحرانوردی اور دشت پیمائی بدستور جاری رہی۔ مدتوں امروہہ کے اطراف میں جنگلوں میں رہ کر عبادت کرتے رہے۔ ایک طویل زمانہ سنبھل کے قریب موضع۔ راہی اور حاذق پور کے جنگل میں بسر کیا۔ برسوں تک صرف جنگلی پھل اور پتے آپ کی غذا رہے۔ بریلی، پیلی بھیت روڈ پر ایک گاؤں کھائی کھیڑا ہے، آخری زمانے میں وہاں مقیم تھے کہ ۴ر رمضان ۱۰۹۰ھ مطابق ۱۷ر اکتوبر ۱۶۷۷ء کو آپ کا انتقال ہوگیا۔ وہاں چند روز جسد مبارک کو بطورِ امانت رکھا گیا۔ پھر آپ کے صاحبزادے شیخ ظہور اللہ وہاں سے تابوت لے کر آئے اور ۸ر شوال کو امروہہ کے شمال میں ایک نہایت کشادہ اور خوبصورت تعمیر شدہ درگاہ میں دفن کیا گیا۔ یہیں ۸ر شوال کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔

جس زمانے میں آپ جنگلوں میں خلوت نشین تھے، ایک مجذوب درویش شاہ یتیم صحرائی سے ملاقات ہوئی اور ان سے بیعت کی۔ ان کا سلسلہ چار واسطوں سے حضرت نظام الدین بلخی تک پہنچتا ہے۔ حضرت شاہ یتیم کے انتقال کے بعد آپ نے حضرت شاہ محمد عضدالدین جعفری علیہ الرحمۃ سے سلوک طے کیا۔ ان کا سلسلہ بھی حضرت شاہ محب اللہ الٰہ آبادی کے واسطے سے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی تک پہنچ جاتا ہے اس طرح جذب وسلوک دونوں مرحلوں میں آپ کو چشتی صابری سلسلے کے باکمالوں سے فیض حاصل ہوا۔

آپ کے پیر و مرشد حضرت شاہ عضدالدین متوکل امروہوی کا مختصر تعارف بھی ضروری ہے۔ آپ کا خاندان ہرگام ضلع سیتاپور اودھ کا تھا۔ یہاں سے آپ کے نانا حضرت شاہ محمدی فیاض نے حضرت شیخ محب اللہ الٰہ آبادی کی خدمت میں برسوں حاضر رہ کر منازل سلوک طے کی تھیں اور پھر آگرہ کو اپنا مستقر بنا لیا تھا۔ شہزادہ دارا شکوہ بھی آپ کی خانقاہ میں عقیدت سے حاضر ہوتا تھا۔ بعد کو بدخواہوں نے اورنگ زیب کو آپ سے بدگمان کردیا۔ اس نے کہلا بھیجا کہ یا تو اپنے شیخ کی کتاب "تسویہ" کے بعض مضامین کو شرعی دلائل سے ثابت کرو، ورنہ اس کتاب کو نذرِ آتش کر کے ان کی بیعت سے توبہ کرو۔ حضرت شیخ محمدی نے جواب دیا کہ میں ابھی ان مضامین کو سمجھنے کے لائق نہیں ہوں اور کتاب کو جلانا ہی ہے تو فقیر کے جھونپڑے سے زیادہ آگ تو شاہی مطبخ میں ہوگی۔ میں بیعت سے توبہ نہیں کروں گا۔ اورنگ زیب نے پہلے ان کو قلعہ گوالیار میں، پھر اورنگ آباد میں قید رکھا۔ حضرت شاہ محمدی کے بھائی شاہ حامد ہرگامی بھی

اُن کے مرید تھے، مگر خلافت انہوں نے ان کے بیٹے یعنی اپنے بھتیجے شاہ عضدالدین کو عطا فرمائی تھی۔ وہ علوم شریعت کے علاوہ عربی فارسی کا بہت اچھا علم رکھتے تھے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ کی تصانیف کے علاوہ سنسکرت میں ویدانت وغیرہ کا اور ہندی فلسفہ کا بہت گہرا مطالعہ کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بارہ سال تک بھیس بدل کر ایودھیا میں رہے اور وہاں کے پنڈتوں سے یہ علم حاصل کیا تھا۔ انہوں نے ایک کتاب مقاصد العارفین تصنیف کی جو فارسی میں وحدت الوجود کے مباحث اور تصوف کے موضوعات پر ایک لاجواب کتاب ہے۔ سنسکرت میں ایک کتاب ساوسرودر لکھی تھی، مگر اب یہ ناپید ہے۔ آپ نے ۱۱۷۲ھ یعنی ۱۷۵۹ء میں انتقال فرمایا اور امروہہ میں مدفون ہیں۔

حضرت شاہ عبدالہادی چشتی آپ ہی کے خلیفہ اوّل تھے۔ روہیل کھنڈ میں ان کے مرید بکثرت تھے۔ حاجی رفیع الدین خاں مراد آبادی جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے شاگرد اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، آپ ہی سے بیعت تھے۔ اسی طرح حضرت شاہ محمد مکمل مراد آبادی، نزہت علی شاہ بریلوی، سید نثار علی بخاری بریلوی اور متعدد دوسرے خلفاء ہوئے۔ سید نثار علی بخاری فارسی کے مسلم الثبوت انشا پرداز تھے۔ جن کی تصنیف انشائے دلکشا مدرسوں میں پڑھائی جاتی رہی ہے۔ انھوں نے ۱۲۲۶ھ (۱۸۱۱ء) میں حضرت شاہ عبدالہادی کے حالات و ملفوظات پر مشتمل ایک کتاب "مفتاح الخزائن" لکھی تھی۔

حضرت شاہ عبدالہادی کے ایک ہی فرزند تھے، جن کے چھ بیٹے ہوئے اور حضرت نے اپنے دو بیٹوں کو خلافت عطا فرمائی۔ ایک حضرت شاہ عبدالباری چشتی (متوفی ۱۲۲۶ھ) اور دوسرے حضرت شاہ محمد دوست جن کا مزار سنبھل کے قریب موضع براہی میں واقع ہے۔

حضرت شاہ عبدالہادی کو خلافت حضرت شاہ عضدالدین متوکل کے صاحبزادے حضرت شاہ معزالدین عرف میاں موج سے بھی حاصل ہوئی اور طریقہ نقشبندیہ میں وہ حضرت مظہر مرزا جان جاناں کے خلیفہ تھے۔ حضرت شاہ عبدالہادی کی خانقاہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔ یہاں تربیت سلوک کے علاوہ علوم ظاہر و باطن کے پیاسوں کی سیرابی کا پورا پورا سامان تھا۔ اُن کا فیض دُور دُور تک پہنچا۔ شاہ عبدالرحمن موحد لکھنوی بھی اس خانقاہ میں آکر چھ ماہ تک مقیم رہے۔ بعض تو وہ تھے جنھوں نے پوری زندگی اسی آستانے کے لئے وقف کردی تھی۔ ان میں سے ایک شاہ عبدالرحیم ولایتی تھے۔ ان کے مریدوں کی خاصی تعداد مظفر نگر، سہارن پور وغیرہ اضلاع میں تھی۔ میاں جی نور محمد جھنجھانوی انہیں سے بیعت تھے۔ شاہ عبدالرحیم ولایتی حضرت سید احمد شہید کی تحریک جہاد میں شامل ہوگئے تھے اور بالاکوٹ کے میدان میں ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۱ء) میں آپ نے شہادت پائی۔ میاں جی نور محمد کے خلفاء میں سب سے

ممتاز شخصیت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ کی ہے، جنھوں نے انگریزی سامراج کے خلاف شاملی کے میدان میں جہاد کیا تھا اور برطانوی غلبہ ہونے کے بعد چھپتے چھپاتے کراچی کے راستے سے مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے تھے وہاں آپ کا وصال ہوا۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے سیکڑوں خلفاء اور ہزاروں مریدین تھے، جن کا سلسلہ آج ہندوستان کے علاوہ تمام عرب ممالک میں بھی پھیلا ہوا ہے۔

یہ حضرت شاہ عبد الہادی چشتی کے سلسلہ کا مختصر سا تعارف ہے۔ اس سلسلہ کے ہزاروں لاکھوں مرید آج بھی دنیا بھر میں موجود ہیں، مگر خود حضرت کی خانقاہ کے آثار اب نہیں ہے۔ اگرچہ انہوں نے باضابطہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی، مگر ذاتی مطالعہ سے علوم شریعت اور فارسی و عربی زبان سے اچھی واقفیت پیدا کر لی تھی۔ علم نجوم و ہیئت، طب اور جیوتش سے بھی واقفیت تھی۔ آپ نے موضع اسمولی ضلع مراد آباد کے پنڈت کرپارام کی فرمائش پر فارسی میں ایک کتاب "مقصود الطالبین" بھی لکھی تھی۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستانی جیوتش پر آپ کی گہری نظر تھی۔ آپ کے مریدوں میں اس علاقے کے ہندوؤں کی بھی بڑی تعداد شامل تھی۔ اور عقیدت مندوں کا حلقہ تو بہت وسیع تھا۔ کرپارام اسمولی بھی آپ کے مرید بتائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہندی میں کبت اور دوہے بھی کہتے تھے۔ چنانچہ مفتاح الخزائن میں آپ کے متعدد دوہے نقل ہوتے ہیں۔ آپ اوراد و اعمال میں بھی ہندی کے الفاظ یا دوہے تجویز کر دیا کرتے تھے۔ ایک بار سوکھا پڑا، خلق خدا پریشان تھی۔ آپ سے دعا کی درخواست کی گئی، آپ نے چند دوہے لکھ کر چھوٹے بچوں کو دیدیئے اور فرمایا کہ چیخ چیخ کر گاؤ۔ کہتے ہیں کہ اسی روز خوب زوردار پانی برسا۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں سے آپ سے گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ چنانچہ مرزا صاحب دوبار موضع براہی میں آپ سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے تھے اور کئی بار امروہہ میں اتفاق ہوا ___ شاہ عالم ثانی بھی آپ سے عقیدت رکھتا تھا اور دعا کے لئے درخواست کیا کرتا تھا۔ اس سے آپ کی خط و کتابت بھی ہوئی، جس کا کچھ نمونہ مفتاح الخزائن میں محفوظ ہے۔ ایک خط میں آپ نے بادشاہ کو لکھا ہے کہ اگر میری نصیحتوں پر عمل کروگے تو معاملات سلجھ جائیں گے اور سلطنت میں استحکام پیدا ہوگا۔ حال و مال درست ہو جائیں گے، اگر غفلت برتوگے تو اس سے بھی زیادہ تباہی اور پریشانی آنے والی ہے۔

بریلی میں حافظ رحمت خاں کا خاندان، پیلی بھیت بسولی وغیرہ میں نواب دوندے خاں اور فتح خاں وغیرہ رام پور میں افغان اُمراء اور سہارن پور، نجیب آباد میں نجیب الدولہ کے خاندان والے آپ سے عقیدت کا تعلق رکھتے تھے۔

حضرت شاہ عبد الہادی چشتی کے سلسلہ تصوف کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ مجذوب سالک

باقی ص ۳۲ پر

محمد ریحان خاں فرقانی
متعلم درجۂ فاضل
سال آخر

فضول مشغلے اور انکی اصلاح

ہمارے سماج میں آج کیسی کیسی خرابیاں پائی جاتی ہیں اور ہم ان کی اصلاح کے بارے میں ذرا بھی توجہ نہیں کرتے جبکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اسلام نے فضول رسموں کی کتنی سختی سے ممانعت کی ہے۔ مثلاً کبوتر بازی ہے اس کی نسبت حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ ایک کبوتر کے پیچھے دوڑا جارہا ہے آپؐ نے فرمایا کہ ایک شیطان دوسرے شیطان کے پیچھے پیچھے جارہا ہے۔ روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد اور ابن ماجہ اور بیہقی نے پھر کبوتر بازوں کی عادت دوسروں کے کبوتر پکڑنے کی بھی ہے۔ یہ سراسر ظلم وغصب ہے۔ جس کی نسبت حدیثوں میں آیا ہے کہ اگر کسی کا حق کسی کے ذمہ رہ گیا ہوگا تو قیامت کے روز ظالم کی نیکیاں مظلوم کو اور مظلوم کے گناہ ظالم کو دیئے جائیں گے پھر ظالم دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ اور اگر کوئی کبوتر بازیوں کہے کہ دوسرے بھی ہمارا کبوتر پکڑ لیتے ہیں۔ ہم نے ان کا پکڑ لیا تو کیا مضائقہ ہے۔ تو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ مبادلہ شرعاً اس وقت صحیح ومعتبر ہے جب باہمی رضامندی کے ساتھ ہو اور تمام شرائط انعقاد وبیع کی موجود ہوں جس طرح تمام دنیا میں خرید وفروخت ہوتی ہے اور یہ چھینا جھپٹی کا مبادلہ سراسر ظلم ہے۔ کبھی ایک شخص ظلم میں بڑھ گیا کبھی دوسرا، اور جس پر ظلم کیا اس کی بھی نیت تو آخر خراب ہی رہتی ہے کہ جس قدر زیادتی ہوسکے دریغ نہ کروں گا۔ قابو نہ پانے کی وجہ سے مجبور ہے۔ سو جب ظلم زائد کی نیت کرلی اس کا گناہ لکھا گیا خواہ اس فعل پر قادر ہوا یا نہ ہوا۔ حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دو مسلمان ناحق آپس میں لڑیں اور ایک دوسرے کو قتل کردے تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں کسی نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاتل کا دوزخ میں جانا تو سمجھ میں آگیا مگر مقتول کے جانے کی کیا وجہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ جی اس کا بھی یہی چاہتا تھا کہ اپنے مقابل کو قتل کرے۔ اور اگر کوئی کہے کہ کبوتر بازوں کا گروہ اس مبادلہ پر رضامند ہے کہ جس کے ہاتھ آئے لے جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ رضامندی تسلیم بھی کرلی جائے تو جوئے میں داخل ہے، جوا رضامندی سے حلال نہیں ہوتا۔ اس کا حرام ہونا قرآن مجید میں منصوص ہے۔ غرض کسی طرح اس میں جواز کی صورت نہیں ہے۔ پھر اس میں جو مشغولی ہوتی ہے جس میں نہ نماز کی خبر رہتی ہے نہ اہل حقوق کے حقوق ادا کرنے کی نہ اہل وعیال کی خدمت گذاری کی خود ایک مستقل وجہ اس شغل کے حرام ہونے کی ہے۔ کیونکہ عبادت وحقوق مذکورہ واجب ہیں۔ اور ترکِ واجب حرام ہے اور یہ شغل اس حرام کا سبب ہوجاتا ہے اور حرام کا سبب حرام ہے چنانچہ سب مقدمات ظاہر ہیں اور ان لوگوں کا بیدھڑک چھتوں پر چڑھ جانا اور پردہ داروں کی بے پردگی پر کچھ پرواہ نہ کرنا اور کبوتروں کو

ڈھیلے مارنا اس سے پڑوسیوں کا پریشان ہونا یہ ایک معمولی بات ہے جس کا قبیح اور موجب بے غیرتی ہونا محتاج بیان نہیں درمختار میں اسی صورت کی نسبت لکھا ہے کہ اگر منع کرنے سے باز نہ آئے تو محتسب کو چاہیے کہ ان کبوتروں کو ذبح کر ڈالے۔ الغرض جس چیز میں اس قدر مفاسد ہوں کسی طرح جائز نہیں ہوسکتی ہے۔

دوسری چیز پتنگ بازی ہے جس کا آج کل بہت زور ہے

(۱) اس کی نسبت بھی سن لیجئے۔ جس قدر خرابیاں کبوتر بازی میں ہیں، قریب قریب پتنگ بازی میں بھی موجود ہیں پتنگ کے پیچھے دوڑنا جس میں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دوڑنے والے کو شیطان فرمایا ہے۔

(۲) دوسرے کی پتنگ کو لوٹ لینا جس کی ممانعت حدیث شریف میں صراحۃً وارد ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں لوٹا گیا کوئی شخص ایسا لوٹنا جس کی طرف لوگ نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہوں اور پھر بھی وہ مومن رہے روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے، یعنی یہ خصلت ایمان کے خلاف ہے۔ اس حدیث کے خواہ کچھ ہی معنی ہوں مگر ظاہر ا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو خارج از ایمان فرمایا۔ اگر کوئی شخص کہے کہ اس لوٹنے میں تو مالک کی اجازت ہوتی ہے تو اس کے ساتھ وعید متعلق نہیں ہے جواب اس کا یہ ہے کہ یہ بالکل غلط ہے مالک کی ہرگز اجازت نہیں ہوتی۔ چونکہ عام رواج اس چیز کا ہو رہا ہے اس لئے خاموش ہو جاتا ہے، دل سے ہرگز رضامند اور خوش نہیں۔ اگر اس کا بس چلے تو خود دوڑے اور پتنگ ہرگز بھی دوسرے کو نہ لینے دے یہی وجہ ہے کہ جب پتنگ کٹ جاتی ہے تو وہ بڑی کوشش سے جلدی جلدی ڈور کھینچتا ہے کہ جو ہاتھ لگ جائے غنیمت ہے

(۳) ڈور کو لوٹ لینا، بلکہ اس میں ایک اعتبار سے پتنگ کے لوٹنے سے بھی زیادہ قباحت ہے کیونکہ پتنگ تو ایک ہی کے ہاتھ آتی ہے سو ایک ہی آدمی گنہگار ہوتا ہے اور ڈور بیسیوں کے ہاتھ لگتی ہے بہت سے آدمی گناہ میں شریک ہوتے ہیں اور باعث ان تمام آدمیوں کے گنہگار ہونے کے وہی پتنگ اڑانے والے ہیں تو حسب وعدہ مذکورہ ان سب کے برابر اس کے لئے اڑانے والے کو گناہ ہوتا ہے۔

(۴) ہر شخص کی نیت کہ دوسرے کی پتنگ کو کاٹ دوں اور اس کا نقصان کر دوں سو کسی مسلمان کو ضرر پہنچانا حرام ہے۔ اس حرام فعل کی نیت سے دونوں گناہ گار ہوتے ہیں۔

(۵) نماز سے غافل ہو جانا جس کو اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوے کے حرام ہونے کی علت فرمائی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے۔

(۶) اکثر چھتوں پر کھڑے ہو کر پتنگ اڑانے سے آس پاس والوں کی بے پردگی ہونا۔

۷. بعض اوقات پتنگ اڑاتے اڑاتے پیچھے کو ہٹتے جاتے ہیں اور چھت سے نیچے آگرتے ہیں چنانچہ اخبارات میں اس قسم کے واقعات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس میں صریح اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا ہے جو کہ آیت قرآنی سے حرام ہے اور حدیث میں ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا ہے جس پر آڑ نہ ہو اس کی

باقی صفحہ ۳۲ پر

فرقانیہ ہمارا

جناب صفدر حسین صفدر رامپوری

سار ی زمیں ہماری اور آسماں ہمارا
ہندوستاں کے ہم ہیں ہندوستاں ہمارا

ہر ملک کو خدا نے بخشی ہے کوئی خوبی!
مجمع ہے خوبیوں کا یہ بوستاں ہمارا

کانیں یہاں بکثرت، دریا ہیں، ندیاں ہیں!
جاتا ہے تا سمندر آب رواں ہمارا

مسلم ہنود سکھ بھی بھارت کے ہیں یہ جائے
شاہد ترنگا جھنڈا ملکی نشاں ہمارا

فرقانیہ ہمارا جامع علوم ٹھیرا
کھلتا ہے اس میں پڑھ کر سود و زیاں ہمارا

داخل ہے اس میں ہندی اردو بھی فارسی بھی
تازی زباں بھی جس میں آیا قرآں ہمارا

ہر قسم کا مرتبہ پائیں گے آپ اس میں
دائم رہے الٰہی یہ مرتباں ہمارا

تشریف آج لائے تعلیم کے افیسر
قدرت نے اور بھیجا اک قدرداں ہمارا

فرقانیہ میں صفدر اُن کے قدم قدم کا
کرتا ہے خیر مقدم پیر و جواں ہمارا!

بہار

یٰسین احمد خاں وجیہی ناطق نعمانی رامپوری

قائم رہے ہمیشہ فرقانیہ ہمارا
کردے بلند اس کو اے باری تعالےٰ

مسلم کا بچہ بچہ پڑھ کر بنے مہذب!
بہتا رہے یہاں سے علم و عمل کا دھارا

توحید کا ہو چرچا مٹ جائے شرک و بدعت
ہو اس طرح مبلّغ، ہر نوجواں ہمارا

کوئی بنے محدث، کوئی بنے مفسّر
کوئی ادیب و فاضل ہو نوجواں ہمارا

باطل پرست سارے پا جائیں راہ سیدھی
اسلام کی وہ عظمت، ہو ان پہ آشکارا

مجبوب ہوں کہ یوسفؔ یا ہوں وہ شہر قاضی
یہ سب کے ہیں معلّم یہ مدرسہ ہمارا

قاری ریاض احمدؔ سردار ہوں کہ اختر
ان عالموں میں نازاں ہے مدرسہ ہمارا

احمد علی کا سایہ ہم پر رہے ہمیشہ!
یہ خانقاہ ہے ان کی، ہے مدرسہ ہمارا

فیض خطیب اعظم جاری رہے ہمیشہ
ہے مرکز ہدایت، یہ مدرسہ ہمارا

ناطق کی یہ دعا ہے کرلے قبول یارب
بچ جائے قوم و ملّت ہونے سے پارہ پارہ

ڈاکٹر شعائر اللہ خاں وجیہی

حضرت مولانا شروانی

علم وحلم کا مجسم پیکر

آج کے سائنسی دور نے علم کی گہرائی کو محدود کر دیا ہے خصوصاً وہ صاحبان علم جو اپنے اپنے فن اور میدان میں کامل ہوا کرتے تھے اب مفقود ہوتے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مغفرت کرے حضرت مولانا عبدالشاہد خاں صاحب شروانی کی۔ اب اُن جیسی متدین ہستیاں کہاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔

پہلی بار میں نے مولانا کو ۱۹۷۰ء کے آس پاس دیکھا تھا جب کہ خانقاہ احمدیہ میں ولی العزلت حضرت سیدنا شاہ احمد علی خاں صاحب احمد رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۵ء) کا عرس ہو رہا تھا، خانقاہ احمدیہ کا یہ عرس آج بھی منفرد انداز سے صاف شرعی طریقے پر ہوتا ہے۔

مولانا کھدر کی شیروانی میں ملبوس رونق افروز محفل تھے، معلوم ہوا کہ یہ شاہد صاحب شروانی ہیں جو علی گڑھ سے ہر سال آتے ہیں اور ابا زنانا جان علیہ الرحمۃ حضرت مولانا وجیہ الدین احمد خاں صاحب کے شاگرد رشید ہیں۔

۱۹۷۴ء میں مولانا شروانی کا عقد ثانی رام پور میں ہو گیا اور وہ جناب منشی عبدالسلام خاں صاحب کے داماد ہو گئے تو مزید شناسائی ہو گئی۔

مولانا شروانی وضعدار طبیعت کے انسان تھے وہ ہر سال رام پور تشریف لاتے اور خانقاہ احمدیہ کے عرس کی محفل منعقدہ ۱۷ تا ۱۹ ارشوال میں پابندی سے شرکت فرماتے تھے۔ ۱۷ ارشوال کی صبح میں مدرسہ جامع العلوم فرقانیہ کا سالانہ جلسۂ دستار بندی منعقد ہوتا تھا اس میں صدر محفل بنائے جاتے اور اپنے ہاتھ سے فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی کرتے تھے۔

۱۹۷۵ء میں جامع العلوم فرقانیہ کی انجمن کلامیہ نے خطیبِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ (حضرت وجیہ رامپوری) کے اُن مضامین کو یکجا شایع کرنے کا منصوبہ بنایا جو قرآنیات سے متعلق تھے۔ ان مضامین کو مرتب کرنے کا کام مولانا شروانی نے انجام دیا اور اُس پر ایک بسیط مقدمہ لکھا جس میں نزول قرآن کی تاریخ ترتیب اور مختلف سورتوں کا اشاریائی تجزیہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب تفسیری اصول کے نام سے ۱۹۷۶ء میں مکتبہ وزیریہ رامپور سے شائع ہوئی۔

مولانا شروانی علی گڑھ سے شائع ہونے والے عشرہ وار اخبار جمہور کے نگراں بھی تھے۔ اخبار جمہور وہی اخبار ہے جو تقسیم ہند کے بعد مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ کرنے کے لیے ہمیشہ کمربستہ رہتا تھا اس اخبار میں مسلم رہنماؤں کے بیانات، تاریخی تقریریں اور پارلیمنٹ میں مسلمانوں کی حمایت میں ہونے والی تقاریر کے خلاصے شائع ہوتے تھے۔ امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد کی پارلیمنٹ میں ہونے والی تقاریر کو یہ اخبار مکمل طور پر چھاپتا تھا۔ چونکہ مولانا شروانی اس کے نگراں تھے اس لیے نانا جان کو بھی اس اخبار کی ایک کاپی بھیجی کرتے تھے۔

اس اخبار میں مولانا شروانی رام پور کے اپنے سفر کی روداد بھی شائع کرتے تھے جس میں مدرسہ جامع العلوم فرقانیہ اور اس کی تعلیمی ترقی کا تذکرہ ہوتا تھا۔ فارغ التحصیل طلبہ کی تعداد اور اساتذہ کے مجموعی کاموں کا جائزہ پیش کیا جاتا ــــــــ ۶ر جون ۱۹۵۹ء کے اخبار جمہور میں نانا جان علیہ الرحمۃ کی تصنیف حدیثی اصول پر مفصل تبصرہ کیا گیا ہے حدیثی اصول نخبۃ الفکر کا آزاد اردو ترجمہ ہے اور الہ آباد بورڈ کے امتحان عالم میں شامل نصاب ہے۔

مولانا شروانی کا ۱۸ر فروری ۱۹۸۴ء کو جب انتقال ہوا تو نانا جان علیہ الرحمۃ کو بے حد افسوس ہوا ــــ انتقال کی پہلی خبر محترم غلام السبطین خاں صاحب شروانی عرف افضال میاں صاحب نے علی گڑھ سے اپنے خط ۱۸ر فروری ۱۹۸۴ء میں اس طرح دی۔

مکرمی محترم معظم حضرت مولانا وجیہ الدین احمد خاں صاحب ! السلام علیکم
خدا کرے آپ بخیر ہوں اہلیہ اور بچے آپ کے بخیر اور خوش و خرم ہوں میں علیل رہا اب الحمد للہ بخیر ہوں۔

عزیز مکرم جناب حضرت مولانا عبد الشاہد خاں شروانی صاحب آج مورخہ ۱۸ر فروری ۱۹۸۴ء کو قبل مغرب عرصہ دراز کی علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ میرا دل ان کی یوں جدائی کے غم سے لبریز ہے پھر میں مرحوم کی دیرینہ شفقتوں، خدمات عالیہ پرخلوص مشوروں اور ایسے بزرگ دیرینہ خادم مدرسہ عربیہ دادوں سے اس طور پر محروم ہوگیا۔ کس درجہ رواداری اور انکساری کے حامل اور شہر کے مدارس کے سرگرم رکن! آہ یوں چل بسے۔ خدا آپ حضرات اور ان کے تمام اعزا کو صبر دے اور ان کی بے حساب بخشش فرمائے کل یعنی ۱۹ر فروری کو قبرستان شاہ جمال میں تدفین ہونا طے پایا ہے۔

سوگوار۔ خادم افضال

محترم افضال میاں صاحب کے اس خط کو پڑھ کر ناناجان بہت افسردہ ہوئے اور اپنی شام کی محفل میں مولانا مرحوم کے بارے میں اِن خیالات کا اظہار فرمایا ؛

"مولوی عبدالشاہد خاں صاحب کا پرسوں علی گڑھ میں انتقال ہوگیا وہ تقریباً ۱۹۱۵ء کی پیدائش تھے اور ہمارے شاگرد تھے۔ مدرسۂ دادوں میں انھوں نے ہم سے عربی کی ابتدائی کتب دروس الادب اور میزان الصرف وغیرہ پڑھی تھیں۔

وہ ذہن کے بڑے اچھے اور قوت استعداد خوب تھی۔ مولانا معین الدین اجمیری کے مخصوص شاگرد تھے۔ معین الدین صاحب مولانا برکات احمد ٹونکی کے اور وہ مولانا عبدالحق خیرآبادی کے شاگرد رشید تھے۔

شاہد صاحب سلسلۂ طریقت میں مولوی ہادی علی خاں سیتاپوری کے مرید تھے جو چشتیہ نظامیہ سلسلے کے بزرگ ہیں اور ان کا سلسلۂ طریقت مولانا شاہ فخر صاحب دہلوی سے ملتا ہے۔ ہادی علی خاں صاحب میلاد مبارک اور محرم کی مجالس بہت اچھی پڑھتے۔ دہ مجلس اور دوازدہ مجلس ان کی مخصوص کتب ہیں۔

شاہد صاحب نے باغی ہندوستان نامی جو کتاب لکھی ہے اس میں خیرآبادی خانوادہ کا مفصل حال ملتا ہے ـــــــــــــ

مرحوم ہمارے یہاں کی خانقاہ احمدیہ میں عرس کی محافل میں پابندی سے شریک ہوتے تھے البتہ پچھلے سال ناغہ ہوگیا تھا۔"

(خطیب اعظم کی ۲۰۔ فروری ۱۹۸۴ء کی محفل)

مولانا شروانی نے خیرآبادی خانوادہ کے حالات پر مشتمل جو کتاب باغی ہندوستان لکھی ہے وہ اردو کے سوانحی ادب میں اپنی مثال آپ ہے، اس کتاب میں شاہد صاحب نے مولانا فضل حق خیرآبادی کے تاریخی قصیدے الثورۃ الہندیہ کا اردو ترجمہ بھی شامل کیا ہے جو ان کی اسیری انڈمان کی یادگار ہے۔

مولانا کی دوسری کتابوں میں کاروان خیال اور زبدۃ الحکمہ ہیں۔ زبدۃ الحکمہ جو مولانا عبدالحق خیرآبادی کی تصنیف ہے اس کو مولانا شروانی نے بڑی محنت سے ایڈٹ کیا اس کتاب کو مولانا کی کوششوں کی بدولت الہ آباد بورڈ کے مولوی اور کامل کے نصاب میں شامل کیا گیا۔

عمر کے آخری حصے میں نانا جان علیہ الرحمۃ کی تصوف پر نادر تصنیف فیوضات وزیر یہ پر تبصرہ تیار کرنا شروع کیا تھا لیکن بیماری نے اتنا موقع ہی نہیں دیا کہ وہ یہ کام مکمل کر لیتے تا آنکہ وقت موعود آگیا ـــــ اور مولانا شروانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عالم فانی سے دار بقا کی جانب کوچ فرمایا ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

بقیہ شاہ عبد الھادی چشتی

تھے جو اس راہ میں سب سے اعلیٰ درجہ سمجھا جاتا ہے۔ آپ کی نسبت چشتیہ کے تمام واسطے بہت اعلیٰ اور عظیم الشان ہیں۔ آپ کے مرشد حضرت شاہ عضد الدین کی نانیہال میں شطاری نسبت تھی اور شیخ محمد غوث گوالیاری نے ہندوستانی یوگ اور فلسفہ سے ہٹ کر کے ریاضات و مجاہدات کا جو نظام بنایا تھا، اس کا صالح عنصر بھی اس سلسلۂ طریقت نے اخذ کر لیا۔ پھر اس میں حضرت مرزا مظہر کے واسطے سے نقشبندی سلوک کے اجزا بھی شامل تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی سے علم شریعت ہی نہیں، بلکہ اشغال بھی سلسلۂ قادریہ میں پہنچے اور شریعت و طریقت میں جامعیت پیدا ہوگئی۔ جو برصغیر کے دوسرے سلاسل میں کم دیکھی گئی ہے۔

غرض امروہہ بھی بدایوں کی طرح مدینۃ الاولیا رہا ہے۔ ہر سلسلہ کے باکمال اولیاء اس سرزمین میں موجود ہیں۔ سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں میں حضرت شاہ عضد الدین متوکل کا ہے، اور ان کے خلیفہ حضرت شاہ عبدالہادی چشتی کی درگاہ پر آج بھی انوار و برکات اسی طرح عام ہیں، اور خلق خدا ان پر عقیدت سے حاضر ہوتی ہے۔

بقیہ حضرت امام اعظم اور ان کا پڑوسی

ـــ دیکھو بھئی! ہم نے تمہیں اپنے ہاتھوں سے نہیں کھویا۔

موچی کیا کہتا سر جھکا کر بولا کہ ـــ آپ نے اپنے نالائق پڑوسی کا خوب خیال رکھا اور ہمسائیگی کا خوب حق ادا کر دیا۔

وہ اللہ کا بندہ گھر پہنچا تو اس کا دل شراب و کباب سے پھر گیا۔ امام صاحب کی عنایت اور التفات نے اس کی زندگی کا رنگ ہی بدل دیا۔ کچھ زیادہ دن نہیں گزرے کہ لوگوں نے دیکھا وہ امام صاحب کے درس میں بیٹھنے لگا۔ اور نماز کا پابند ہوگیا۔ امام صاحب کے احسان کا اس سے بہتر کیا جواب ہو سکتا تھا۔

بقیہ فضول مشغلے

وجہ یہی احتمال ہے کہ شاید گر پڑے سبحان اللہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر کس قدر شفیق ہیں کہ ایسے ایسے احتمالات مضرت سے ہمیں روکیں اور ہم ان کے احکام کی ایسی بیقدری کریں۔ افسوس صد افسوس۔۱۱

سمجھدار حضرات کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو ان فضول رسموں کے مضر اثرات سے آگاہ کریں اور بلا وجہ گناہ میں مبتلا ہونے سے باز رکھیں۔

ڈاکٹر سید اشفاق علی
لکھنؤ

رامپور میں اوقاف کا نظام

رامپور ہندوستان کی قدیم ترین آبادجگہ ہے۔ جس کی آبادی کا ذکر مہابھارت اور ۶۳۸ء کی تصنیف شدہ کتابوں میں ملتا ہے۔ یہ شمالی ہند میں صوبہ یو۔پی کا ایک حصہ ہے۔ دہلی سے اس کا فاصلہ ۱۸۸ کلومیٹر ہے۔ اس کے مشرق میں بریلی مغرب میں مرادآباد۔ جنوب میں بدایوں اور شمال میں نینی تال ہے۔ رقبہ لمبائی میں ۵۰ میل اور چوڑائی میں ۲۱ میل تقریباً۔ آب و ہوا مرطوب ہے۔[1]

یہ ریاست اپنی علمی سرپرستی، کارخیر کے عظیم الشان کارناموں اور اپنے غیور فیاض اور مخیر فرمانرواؤں کی بدولت بہت شہرت کی مالک رہی ہے۔ چنانچہ اس کی شان میں غالب اس طرح قصیدہ خواں نظر آتے ہیں ؎

رام پور اہل نظر کی ہے نظر میں وہ شہر
کہ جہاں ہشت بہشت آکے ہوئے ہیں باہم (غالب)

نواب فیض اللہ خاں صاحب نے ۱۷۷۴ء میں اس کو پایۂ تخت قرار دے کر آباد کیا۔ اور تھوڑی سی مدت میں اس ریاست نے اپنا نام عالم اسلام کے گوشہ گوشہ میں پہنچادیا۔

مسلمانوں میں سنت نبوی کی پیروی میں یہ ہمیشہ دستور رہا ہے کہ وہ نئے شہر کی تعمیر کی ابتدا جامع مسجد سے کرتے تھے۔ روہیلہ سرداروں کو جب شہر کی آراضی کے ٹکڑے (گھیر یا احاطے) کے نام سے دئے گئے تو انھوں نے بھی اس سنت کی پیروی میں ہر گھیر میں ایک ایک مسجد تعمیر کرائی اور اس کے متعلق اوقاف کا انتظام بھی کیا۔

رام پور ایک روہیلہ ریاست تھی۔ تاریخی معاہدوں کے مطابق روہیلے رعیت نہیں بلکہ شریک ریاست تھے۔ ان کے سرداروں کے مستقل وظائف کے لیے ریاست کی آمدنی کا بڑا حصہ مقرر تھا۔

---

[1] فرماں روایان رام پور از حکیم مولوی محمد حسین خاں شفا رامپوری

روہیلہ جس طرح اپنی مالی ضروریات کے لیے ریاست کو ذمہ دار جانتے تھے۔ اس طرح عام فلاحی مصارف کا ذمہ دار ریاست ہی کو سمجھتے تھے اور ریاست نے اپنی اس ذمہ داری سے چشم پوشی نہیں کی۔ چنانچہ بڑے بڑے اوقاف ریاست ہی کی طرف سے وجود میں آئے۔

نوابین رامپور نے عظیم الشان اوقاف کے قیام میں جس جود و سخا اور قربانی کا مظاہرہ دکھایا اس کی مثالیں بڑے بڑے سلاطین کے یہاں نظر نہیں آتیں۔ یوں تو رامپور میں اوقاف کی کثرت رہی اور ہے۔ اہم اوقاف ذیل ہیں:

۱۔ وقف مقبرہ نواب علی محمد خاں بہادر مرحوم
(۲) وقف مقبرہ نواب فیض اللہ خاں صاحب
۳۔ وقف مقبرہ نواب محمد علی خاں صاحب
(۴) وقف مقبرہ نواب غلام محمد خاں صاحب
(۵) وقف مقبرہ محمد سعید خاں صاحب
(۶) وقف مقبرہ نواب محمد سعید خاں صاحب
(۷) وقف مقبرہ نواب کلب علی خاں
(۸) وقف بہو بیگم صاحبہ
(۹) وقف سکندر زمانی بیگم صاحبہ
(۱۰) وقف صاحبزادہ مہدی علی خاں صاحب
(۱۱) وقف مسجد داروغہ محبوب جان
(۱۲) وقف عید گاہ
(۱۳) وقف کارواں سرائے
(۱۴) وقف مقابر مومنین
(۱۵) وقف موتی مسجد
(۱۶) وقف مسجد میران خاں
(۱۷) وقف بڑا مقبرہ آنولہ بریلی۔
(۱۸) وقف جامع مسجد
(۱۹) وقف (پرامیسری نوٹ) نواب کلب علی خاں
(۲۰) وقف جیلان خاں
(۲۱) وقف صاحبزادہ عبدالعلی خاں
(۲۲) وقف صاحبزادہ نیاز علی خاں
(۲۳) مزار حافظ شاہ جمال اللہ صاحب
(۲۴) وقف مزار شاہ کمال الدین صاحب
(۲۵) وقف مزار وزیر علی صاحب
(۲۶) وقف میاں سبحان شاہ صاحب
(۲۷) وقف مسجد گلزار خانم
(۲۸) وقف مدرسہ کہنہ
(۲۹) وقف مسجد اخلاص خاں
(۳۰) وقف مسجد عبداللہ خاں
۳۱۔ وقف مسجد کوئلہ والی

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرماں روایان رامپور کو امور خیر سے خاص دلچسپی اور انفاق فی سبیل اللہ سے گہرا لگاؤ تھا۔ چنانچہ مندرجہ بالا اوقاف ان کے جذبہ دینی کا مظہر ہیں۔ ان تمام اوقاف کے مقاصد میں غرباء، مساکین کی امداد، یتیموں، بیواؤں کی اعانت، طلباء کے وظائف،

امور مذہبی کی انجام دہی شامل ہے۔ دینی مدارس کی سرپرستی مساجد ومقابر کی تعمیر اور ان کی نگرانی و دیکھ بھال میں انھیں ایک امتیازی حیثیت حاصل رہی ہے۔ متعدد مدارس اور یونیورسٹیوں میں اس وقت بھی وہاں کے طلبا کو ریاست رامپور کی طرف سے وظائف جاری ہیں۔

وقف مدرسہ عالیہ رام پور میں مدرسہ عالیہ کا وجود نوابین رام پور کی علم دوستی کا زندہ ثبوت ہے جس کا قیام ۱۷۷۴ء میں ریاست کے قیام کے ساتھ ہی نواب فیض اللہ خاں صاحب کے ذریعہ عمل میں آیا۔ جنھوں نے اس کے مصارف کے لیے اپنی بیگم کی طرف سے کچھ متعین مواضعات کی آمدنی وقف کر دی تھی۔ اور اس کے لیے باقاعدہ ایک وقف نامہ بھی تحریر کیا تھا یہ وقف نامہ ۱۹۳۰ء تک دارالانشاء میں محفوظ تھا۔ اس میں واقعہ کے ساتھ ساتھ مواضعات کے نام اور موقوفہ جائداد کی آمدنی کی تفصیلات بھی درج تھیں۔ ۱۹۳۰ء میں روزنامہ زمیندار لاہور میں مدرسہ عالیہ کے متعلق ایک مضمون بھی شائع ہوا تھا۔ اسی مضمون کی بنیاد پر مولانا ظفر علی خاں صاحب ایڈیٹر زمیندار، سید حبیب احمد ایڈیٹر سیاست لاہور اور مولوی عبدالحنان مدرسہ عالیہ کو دیکھنے کے لیے رام پور تشریف لائے تھے[1] اور نواب رضا علی خاں صاحب والی رام پور سے ملاقات بھی کی تھی۔ نواب فیض اللہ خاں صاحب نے پانچ سو علماء کے وظائف بھی مقرر کئے تھے۔ اور فتاویٰ فیض اللہ خانی کے نام سے اسلامی فقہ بھی مرتب کرائی تھی۔ عمارت رضا لائبریری کی بنیاد بھی اسی دیندار اور علم دوست حکمراں کا کارنامہ ہے۔

نواب کلب علی خاں والی رامپور کی علمی دلچسپی کے متعلق شمس الاخبار مدراس اپنی ۲۵ مارچ ۱۸۶۶ء کی اشاعت میں اس طرح رقم طراز ہے:

> "نواب کلب علی نے اپنی رعایا کے لڑکے لڑکیوں کی تعلیم وتدریس کے لیے متعدد مدارس قائم کئے۔ طلباء کے لیے وظائف مقرر کئے۔ نواب کلب علی خاں والی رامپور نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ایصال وثواب کے لیے ایک وقف قائم کیا تھا جس کا مصرف انھوں نے تعلیم قرآن مقرر کیا تھا۔ چنانچہ مدرسہ غوثیہ کے سارے مصارف و وظائف طلباء اسی وقف سے ادا کیے جاتے تھے۔ اساتذہ اور طلباء کی نشست کا انتظام موتی مسجد میں کیا گیا تھا جو نواب یوسف علی خاں کی تعمیری یادگار ہے۔"

---

[1] قلمی نوٹ از مولانا عبدالسلام خاں

وقف جامع مسجد رام پور جامع مسجد رام پور کی بنیاد نواب فیض اللہ خاں صاحب نے رکھی منشی امیر اللہ تسلیم نے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے

اسی عہد دولت میں شام وسحر — بنیں مسجدیں جا بجا بیشتر
خصوص ایک مسجد ہے وہ دل پذیر — نہیں جس کا ہندوستاں میں نظیر

نواب کلب علی خاں نے اس میں ترمیم و توسیع کرائی اور اس میں تین لاکھ روپیہ صرف کیا۔ نواب حامد علی خاں نے اس کو دوبارہ زیادہ وسعت کے ساتھ بنایا۔ اور کئی لاکھ روپیہ صرف کیا۔ اندرونی حصہ میں پندرہ سو نمازیوں کی گنجائش ہے۔ اور صحن میں تقریباً ڈھائی ہزار افراد بیک وقت نماز ادا کرسکتے ہیں۔ اس مسجد کا انتظام و انصرام ہمیشہ ریاست کے تحت رہا۔ انضمام ریاست کے بعد اسٹیٹ وقف آفس اس کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ اب یکم اپریل ۱۹۷۹ء سے شہر کے زعماء کی ایک کمیٹی کام کررہی ہے جس کے صدر جناب صفدر علی خاں صاحب تحصیلدار ہیں۔

ریاست میں مساجد کے علاوہ یتیم خانوں، لنگر خانوں اور امداد غرباء و مساکین کے لیے وقتاً وقتاً اوقاف قائم ہوتے رہے۔ مساجد اور منادر کی روشنی کے لیے تیل کی فراہمی ہمیشہ ریاست ہی کی ذمہ داری رہی۔ اس مصارف کے لیے بھی ریاست میں اوقاف قائم تھے۔ لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان کی آمدنیاں مصارف ریاست میں شامل ہوگئیں۔

وقف کے قوانین اوقاف کے انتظامات کے لیے ریاست کے اپنے قوانین اصول وضوابط تھے۔ ۱۹۳۲ء میں قانون تحفظ وقف ریاست رام پور کا نفاذ ہوا۔ انضمام ریاست کے بعد تمام اوقاف یو۔ پی مسلم وقف ایکٹ کا اطلاق ہوگیا۔ اور آج کل اسی کے بموجب نظم ونسق چل رہا ہے۔

امام اعظمؒ اور اُن کا پڑوسی

شاہ بلیغ الدین صاحب

ایک موچی دن بھر جوتے سیتا۔ چپلیں ٹانکتا، چمڑا کوٹتا، محنت سے کام کرتا۔ شام ہوتے ہی سامان سمیٹ کر جو کچھ کماتا اس سے کباب خریدتا، شراب پیتا اور یار دوستوں کو جمع کرکے رات گئے تک دھما چوکڑی مچاتا۔ ترنگ میں بار بار ایک شعر الاپتا۔ مطلب کچھ یوں ہوتا کہ لوگوں نے مجھے اپنے ہاتھوں سے کھو دیا۔ ایک ایسے بہادر کو جو لڑائی کے موقع پر دشمنوں کے منہ پر تلواریں مارتا ہے۔

یہ موچی شہر کوفہ میں رہتا تھا۔ ابن خلکان نے لکھا ہے۔ امام ابو حنیفہ اس کے پڑوسی تھے۔ امام صاحب بھی راتوں کو جاگنے والے۔ وہ ذکر و فکر میں لگے رہتے اور ادھر ان کے پڑوسی کے گھر دھما چوکڑی مچتی، ناچ گانا، ساز آواز گالی گلوچ کا ایک طوفان بدتمیزی جاری رہتا۔ امام صاحب کو بڑی تکلیف ہوتی۔ بڑی سخت تکلیف لیکن وہ خاموش رہتے چاہتے تو لمحوں میں تدارک ہو جاتا۔ شہر کا بڑا چھوٹا ہر ایک ان کی عزت کرتا تھا۔ لیکن وہ اللہ کے نیک بندے اپنے پڑوسی موچی سے کچھ نہ کہتے۔ ایک رات کچھ سپاہی جو شہر میں گشت کرتے پھر رہے تھے۔ اُدھر آنکلے۔ دیکھا ایک ہنگامہ بپا ہے شرابی ناچ رہے ہیں گا رہے ہیں۔ سارے محلے کو گھر پر اٹھا لیا ہے تو انھوں نے موچی کے گھر پر دھاوا بول دیا موچی اور اس کے ساتھیوں کو پکڑ لے گئے۔ ان سے کہا۔ تمہیں یہ بھی خیال نہ رہا کہ ساتھ کون رہتا ہے؟ ان کی عبادت میں کتنا خلل پڑتا ہوگا؟ رات جو ہنگامہ رُک گیا اور خاموشی چھائی رہی، تو صبح امام ابو حنیفہ نے اپنے پاس آنے والوں سے پوچھا۔ کیا بات ہے رات ہمارے خوش فکر ہمسائے کے پاس بہت جلد خاموشی ہو گئی؟ لوگوں نے بتایا۔ اُسے تو رات پکڑ لیا گیا۔ اب وہ حوالات میں ہے۔ کہنے والوں کا انداز کچھ ایسا تھا کہ۔ بڑی خوشی کی بات ہے۔ ایک مصیبت سے چھٹکارہ ملا مگر امام صاحب کی کچھ اور ہی کیفیت تھی انھوں نے یہ بات سنی تو اٹھ کھڑے ہوئے۔ کپڑے تبدیل کئے اور سیدھے حاکم شہر کے پاس جا پہنچے۔ عیسٰی بن موسٰی خلیفہ منصور کا بھتیجہ ان دنوں کوفہ کا گورنر تھا۔ اسے اطلاع ہوئی کہ امام ابو حنیفہ اس سے ملنے آئے ہیں تو فوراً درباریوں کو ان کے استقبال کے لیے بھیجا اور خود انکی سواری تک پہنچا اور بڑی عزت سے انھیں اپنے ساتھ لے آیا۔ پھر بڑے ادب اور احترام سے بٹھایا اور بولا۔ آپ نے کیوں تکلیف فرمائی، کوئی کام تھا تو مجھے یاد فرما لیتے۔ میں حاضر ہو جاتا۔ وہ جانتا تھا امام صاحب بڑے علم والے ہیں اور یہ بھی جانتا تھا کہ اہل علم کی عزت، اہل ثروت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ امام صاحب نے اس سے کہا۔ ایک موچی میرا پڑوسی ہے۔ رات تمہارے سپاہی اسے گرفتار کر لے گئے۔ میں خاص طور پر اس لیے آیا ہوں کہ اس کی سفارش کروں اور اُسے قید سے چھڑاؤں۔ عیسٰی نے فوراً قاصد کو طلب کیا حکم دیا۔ جاؤ اور حوالات سے اس موچی کو اپنے ساتھ لیتے آؤ۔ ذرا دیر نہ ہو۔

امام صاحب اس وقت تک وہاں بیٹھے رہے جب تک موچی چھوٹ کر آنہ گیا۔ جب اُسے اپنی آنکھوں سے آزاد دیکھ لیا تو عیسٰی کو خدا حافظ کہہ کر چلے آئے۔ موچی ساتھ ہو گیا۔ راستے میں امام صاحب کو وہ شعر یاد آیا جو موچی راتوں کو گایا کرتا تھا۔ اس سے مخاطب ہو کر فرمایا

بقیہ صفحہ ۴۲ پر

ابنِ حسن خورشید
رام پور

بُلاقی اُستاد
فنکاروں کا سرتاج

اندرونِ قلعۂ معلّیٰ رام پور جہاں اب خورشید گرلز انٹر کالج ہے سنہ ۱۸۹۹ء تک کٹرہ جلال الدین اور چوک بندو قچیاں محلے ہوا کرتے تھے۔ متذکرہ چوک کا ایک راستہ مسجد میراں خاں سے بزریا ملا ظریف خاں میں نکلتا تھا اور دوسرا راستہ چاہ خانسامہ کوئلہ والی مسجد سے چوک کے اس حصہ پر ملتا تھا جہاں دو قبریں ماموں بھانجے کے نام سے موسوم تھیں۔ روایت ہے کہ صاحب قبور یعنی ماموں بھانجے راہِ حق میں شہید ہوئے تھے۔ یہ دونوں قبریں آج بھی خورشید کالج میں باقی ہیں۔ بعض لوگ آج بھی ان قبور سے عقیدت رکھتے ہیں۔ مذکورہ چوک میں غالبًا الٰہی بخش کے گھر سنہ ۱۸۶۰ء میں بلاقی استاد کی ولادت ہوئی۔

عبدالمجید استاد ساکن چاہ خانسامہ وقت کے مشہور بندوق سازوں میں تھے۔ ان کے پوتوں میں کبیر استاد صاحبِ اولاد اور بقیدِ حیات ہیں۔ بلاقی استاد انھیں عبدالمجید کے شاگرد ہوئے اور بندوق سازی کا کام نہ صرف ان سے حاصل کیا بلکہ انھیں کی وساطت سے اسلحہ خانہ رام پور میں ۲۰ر اپریل سنہ ۱۸۸۶ء لوہار کی آسامی پر ملازم ہوئے (بحوالہ سول لسٹ ریاست رام پور نمبر ۴۲ء) بچپن سے دور اندیش اور وقت کی نبض کو پہچاننے والے تھے۔ بہت جلد ترقی کی اور بندوق سازوں میں شامل ہوئے۔ سول لسٹ ریاست رام پور ۴۲ء مطبوعہ جنوری سنہ ۱۹۲۶ء میں تفصیل اس طرح درج ہے۔ نام بلاقی بندوق ساز، ۲۱ر ستمبر سنہ ۱۸۸۹ء تاریخ ابتدار ملازمت تنخواہ صہ (پینتیس روپے) نواب حامد علی خاں کے دورِ حکومت میں ایک انگریز کو اپنی بندوق مرمت کروانی تھی۔ لیکن اس کو دیسی کاریگروں کی استعداد و فہم پر بھروسہ نہ تھا بلاقی استاد نے باصرار انگریز سے بندوق برائے مرمت لے کر داخلِ اسلحہ خانہ کر دی کچھ وقت بعد نواب صاحب کی موجودگی میں انگریز کے سامنے ایک جیسی دو بندوقیں رکھ دیں۔ اور کہا گیا کہ آپ اپنی بندوق پہچان لیں۔ انگریز نے بہت جانچ پڑتال کے بعد ایک بندوق اٹھالی۔ بندوق میں کسی طرح کا عیب نہ تھا۔ انگریز بہت خوش ہوا۔ بلاقی استاد نے نواب صاحب سے کہا کہ صاحب کے ہاتھ میں جو بندوق ہے وہ غلام کے ہاتھ

کی بنی ہوئی ہے اور میز پر رکھی ہوئی دوسری بندوق صاحب کی ہے انگریز کے لیے یہ بات بعید از قیاس تھی۔ نواب صاحب کے اشارے پر بندوق کھولی گئی جس کے پرزے پر بلاقی استاد رامپور کندہ تھا اور انگریز کی اپنی بندوق کے پرزے پر ولایت کی مہر تھی۔ اس واقعہ سے انگریز انگشت بدنداں رہ گیا۔ نواب صاحب نے خوش ہو کر بلاقی استاد کو سال میں تین بندوقیں بنا کر فروخت کرنے کی اجازت دی۔ رام پور کے بعض حضرات کے پاس ان کے ہاتھ کی تیار کی ہوئی بندوقیں آج بھی موجود ہیں۔ یہ روایت زبان زد خاص و عام ہے اور رامپور کے اکثر بزرگ آج بھی بیان کرتے ہیں۔ لیکن اس وقت کے اہل قلم نے اس واقعہ کو غیر اہم سمجھا۔ اسلحہ خانہ ریاست رامپور کے رکارڈ میں بلاقی ولد الٰہی بخش نام لکھا ہوا ہے لیکن مکانات کے کاغذات میں نام محمد بخش ولد الٰہی بخش تحریر ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ الٰہی بخش کے متبنّیٰ تھے۔ تعلیم سے محروم رہے البتہ فریضۂ حج ادا کیا۔ اُن کی بیوی مراد آباد کی تھیں۔ باریش بزرگ پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ ممتاز علی خاں تحصیلدار کی وفات کے ایک دن بعد ۱۹۵۰ء میں مسجد کالو خاں جیل روڈ پر ذاتی مکان میں انتقال ہوا۔ کلکتہ محلہ میں شاہ رفیق کے تکیہ میں بغیر کتبہ کی پختہ قبر ہے۔ ورثا میں صرف ایک پوتا صاحب اولاد لیکن عجیب الوضع باقی ہے موروثی املاک سب فروخت کر دی ہے۔ خاندان میں اب کسی کے پاس اسلحہ مرمت کرنے کا لائسنس نہیں ہے۔

بقیہ رامپور کے باکمال اطبّاء

حکیم عبدالرشید خاں حکیم صاحب موصوف مولانا عبدالحق خیرآبادی کے شاگرد تھے معقولات میں پوری دستگاہ کے حامل تھے۔ طب انھوں نے حکیم عبدالمجید دہلوی سے پڑھی تھی ان کے شاگردوں میں مولانا وجیہ الدین احمد خاں اور مولانا امتیاز علی خاں عرشی بھی تھے۔ رجسٹر وفیات رضا لائبریری کے مطابق ان کی وفات ۲۳ اپریل ۱۹۲۰ء کو ہوئی۔

میں نے اپنے اس مضمون میں رام پور کی طبی تاریخ کا مختصر سا جائزہ پیش کیا ہے وگرنہ طب کا جو بیش بہا ذخیرہ رام پور میں ملتا ہے اور رام پور کے اطبّاء نے اس میدان میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں ان کی مثال ملنا مشکل ہے۔ میں نے اس مضمون میں رضا لائبریری رام پور میں موجود تذکروں اور دیگر مواد سے استفادہ کیا ہے۔ ناشکری ہوگی اگر میں اس مضمون کی تکمیل کے سلسلہ میں جناب ڈاکٹر شعائر اللہ خاں صاحب انفارمیشن آفیسر رضا لائبریری کے تعاون کا ذکر نہ کروں۔ موصوف کی ذاتی دلچسپی اور توجہ کی بدولت یہ مضمون پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے ـــــ اس کے لیے میں اُن کا بے حد شکر گزار ہوں۔

شاہ معین الدّین صاحبؒ (مسلسل)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قضاۃ کو ہدایت تھی کہ

"مقدمات میں اوّل تو قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو، اگر قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہو تو حدیث کی جانب رجوع کرو، اگر اس میں بھی نہ ہو تو اجماع سے، ورنہ اجتہاد سے کام لو۔"

قضا کی خدمت بہت بڑی ذمہ داری ہے، اس لیے حضرت عمرؓ قضاۃ کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے، اور اس کے لیے انہی بزرگوں کا انتخاب کرتے تھے، جن کا علم تقویٰ ذہانت، اور قوتِ فیصلہ مسلّم تھی، چنانچہ مدینہ کے قاضی حضرت زید بن ثابت تھے، کوفہ کے عبداللہ بن مسعود اور قاضی شریح، دوسرے مقاموں کے جمیلؓ بن المعمر، ابو مریم حنفی، سلمان بن ربیعہ باہلی، عبدالرحمٰن ابن ربیعہ، عمران بن حصین اور ابو قرہ کندی وغیرہ یہ وہ بزرگ ہیں جن کی علمی جلالت کا اندازہ رجال کی کتابوں سے ہوسکتا ہے، کبھی مزید احتیاط کے خیال سے امتحان بھی لیتے تھے۔

رشوت کے انسداد کے لیے بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں، چنانچہ سلمان بن ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانچ پانچ سو درہم ماہوار تھی۔

یہ قاعدہ مقرر کیا کہ دولت مند اور معزز شخص کے علاوہ معمولی آدمی قاضی نہیں ہوسکتا اور اس کی وجہ یہ ظاہر کی کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز شخص فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب سے متاثر نہ ہوگا۔

ان احتیاطوں کے ساتھ قضارت کے اصل مقصد یعنی عدل و انصاف میں مساوات کے لیے عملی کوششیں کیں، قضاۃ کو عدل و مساوات کا سبق دینے کے لیے خود فریق مقدمہ بن کر عدالت میں جاتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعب سے کچھ نزاع ہوگئی۔ ابی نے زید بن ثابت کے یہاں مقدمہ دائر کیا، حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے پیش ہوئے، زیدؓ نے تعظیم کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ تمہارا پہلا ظلم ہے، یہ کہہ کر اپنے فریق ابی کے ساتھ بیٹھ گئے، ابی کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمرؓ

کو دعوے سے انکار تھا، ابی نے قاعدہ کے موافق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی لیکن زید بن ثابت نے آپ کے رتبے کا پاس کر کے ابیؓ سے کہا کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو، حضرت عمر اس ترجیح پر آزردہ خاطر ہوئے اور فرمایا جب تک تمہارے نزدیک عام آدمی اور عمرؓ دونوں برابر نہ ہوں تم اس وقت تک منصب قضا کے قابل نہیں ہو سکتے۔

آپ کے ایوانِ عدالت میں ادنیٰ و اعلیٰ اور خویش و بیگانہ سب برابر تھے، ان میں سے کوئی بھی قانون کی گرفت سے نہ بچ سکتا تھا ارکانِ حکومت کو علی الاعلان سزا دیتے تھے، ایک مرتبہ عہدہ دارانِ حکومت کو حج کے موقع پر طلب کیا اور مجمع عام میں کھڑے ہو کر پوچھا کہ جس کو ان لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے، ایک شخص نے اٹھ کر کہا فلاں عامل نے مجھ کو سو کوڑے لگائے ہیں، فرمایا کہ اٹھ کر بدلہ لو۔ عمرو بن العاص بھی موجود تھے، انھیں برسرِعام عمالِ حکومت کی توہین ناگوار ہوئی، حضرت عمرؓ سے کہا "امیر المومنین! اس طرزِ عمل سے تمام عمال بددل ہو جائیں گے"۔

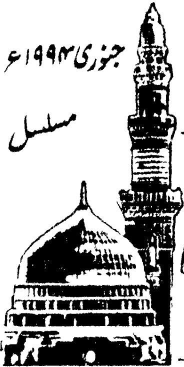
فرمایا "لیکن میں ایسا ضرور کروں گا"۔ اور مستغیث کو حکم دیا کہ اپنا کام کرو، آخر عمرو بن العاصؓ نے مستغیث کو راضی کر لیا کہ وہ دو سو دینار لے کر اپنے دعوے سے باز آئے۔

اپنے بیٹے ابو شحمہ کو شراب پینے کے جرم میں اسی کوڑے مارے، اس کے چند دنوں کے بعد وہ قضا کر گئے، قدامہ بن مظعون کو جو آپ کے سالے اور معزز صحابی تھے اسی جرم میں اسی کوڑے لگوائے، اس قبیل کے بہت سے واقعات ہیں لیکن اس کا استقصا مقصود نہیں ہے۔

پولیس قیام امن کا دارومدار پولیس پر ہے، حضرت عمرؓ نے اس کا مستقل محکمہ قایم کیا۔ پولیس کو احداث کہتے تھے، قیام امن کے علاوہ پولیس کے متعلق احتساب کی خدمت بھی تھی۔

جیل خانے عہد فاروقی سے پہلے عرب میں جیل خانوں کا رواج نہ تھا، غالباً اسی کی تلافی کے جرائم کی سخت سزائیں مقرر تھیں، حضرت عمر نے جیل خانے مقرر کئے، مکہ میں صفوان بن امیہ کا گھر خرید کر اسے جیل خانہ بنایا، اس کے علاوہ اضلاع میں بھی جیل خانوں کے نام ملتے ہیں، چنانچہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل کا تھا، جیل خانہ قائم کرنے کے بعد حضرت عمرؓ نے بعض غیر منصوص سزاؤں میں تبدیلیاں کیں، مثلاً عادی شرابیوں پر حد جاری کرنے کے بجائے قید کی سزا مقرر کی۔

(جاری ہے)



مسلسل

مولانا سردار شاہ خاں وجیہی

شرعی مسائل

سوال: اذان کے بعد والی دُعا بھی بتا دیجئے۔
جواب: اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَالدَّرَجَۃَ الرَّفِیْعَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ط اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ط

سوال: کیا اذان کے بعد بھی دوبارہ نماز کی اطلاع کرنا ضروری ہے جسے تثویب کہتے ہیں؟
جواب: یہ مسئلہ حنفی فقہ کے علماء کے درمیان اختلافی ہے۔ ہمارے نزدیک چونکہ آج کل اکثر مساجد میں لاؤڈ اسپیکر پر اذان ہوتی ہے اور مختلف مساجد میں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد برابر اذانیں ہوتی رہتی ہیں اور جماعت کے کھڑے ہونے کا وقت بھی مقرر ہوتا ہے اس لیے اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ فجر کی نماز کے لیے اگر دوبارہ اعلان کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر کوئی مسجد، بازار میں یا ایسے مقام پر ہو جہاں ہر وقت شور شغب رہتا ہے اور لوگ مصروف رہتے ہیں تو وہاں دوبارہ اعلان کرنا فائدہ مند ہوگا۔

سوال: دوبارہ اعلان کس طرح ہونا چاہیے؟
جواب: ایسے الفاظ کے ساتھ اعلان کیا جائے جو نماز کے واسطے بلانے کی ترغیب دیتے ہو جیسے اَلصَّلٰوۃ یا مُصَلِّیْن

سوال: نماز شروع کرنے سے پہلے جو باتیں ضروری تھیں وہ معلوم ہو چکیں جن کو شرائط نماز کہا جاتا ہے، اب وہ کام بتائیے جو نماز میں انجام دیئے جاتے ہیں۔
جواب: جو کام نماز کے اندر کیے جاتے ہیں انھیں ارکان نماز کہتے ہیں۔ ان کی تعداد بھی سات ہے۔ انھیں کو فرائض نماز بھی کہا جاتا ہے۔

سوال: وہ کیا کیا ہیں؟
جواب: ۱ تکبیر تحریمہ ۲ قیام ۳ قرأت ۴ رکوع ۵ سجدہ ۶ قعدہ اخیرہ ۷ ارادے کے ساتھ نماز ختم کرنا۔

سوال؛ فرض ۱ تکبیر تحریمہ کا کیا مطلب ہے ؟
جواب ؛ نماز کی نیت کرتے وقت اللہ اکبر کہنا۔ یہ کہنے کے بعد وہ سب کام جو نماز کے خلاف ہیں، حرام ہو جاتے ہیں۔
سوال۔ فرض ۲ قیام سے کیا مُراد ہے ؟
جواب : قیام سے مُراد سیدھا کھڑا ہونا ہے اگر کوئی عذر نہ ہو، لیکن نفل نماز میں کھڑا ہونا فرض نہیں ہے۔ نفلی نماز بغیر کسی عذر کے بھی بیٹھ کر پڑھی جا سکتی ہے مگر بیٹھ کر پڑھنے میں ثواب آدھا ملے گا۔ عشاء کے دو نفل اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔
سوال : اگر کوئی عذر ہو تو کیا کرے اور نفل نماز کس طرح پڑھے ؟
جواب : فرض نماز بیٹھ کر پڑھ لے، مگر اتنی طاقت ہے کہ تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہہ لے گا تو تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہے پھر بیٹھے، اسی طرح اگر کچھ دیر کھڑا ہو سکتا ہے تو اتنی دیر کھڑے ہو کر پھر بیٹھے۔ اور نفل نماز میں اختیار ہے چاہے کھڑے ہو کر پڑھے یا بیٹھ کر لیکن بغیر عذر نفلی نماز بیٹھ کر پڑھنے سے ثواب آدھا رہ جاتا ہے۔
سوال۔ فرض ۳ قرأت کا کیا مطلب ہے ؟
جواب : نماز کی ہر رکعت میں قرآن مجید کی ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتوں کا پڑھنا۔
سوال۔ اگر کسی شخص کو قرآن پاک کی کوئی آیت بھی یاد نہ ہو تو کیا کرے ؟
جواب : جلد سے جلد بقدر فرض یاد کرنے کی کوشش کرے ورنہ سخت گنہگار ہو گا جب تک یاد نہ ہو اس وقت تک سبحان اللہ یا الحمد للہ پڑھ کر نماز ادا کرے۔
سوال؛ اگر کوئی شخص زبان سے قرآن عظیم کے الفاظ ادا نہ کرے اور دل ہی دل میں قرآن مجید پڑھ لے کیا ایسے شخص کی نماز ہو جائے گی ؟
جواب : ایسی حالت میں ہرگز نماز نہیں ہو گی۔ زبان سے الفاظِ قرآن ادا کرنا ضروری ہے۔
سوال : فرض ۴ رکوع کسے کہتے ہیں ؟
جواب : رکوع جھکنے کو کہتے ہیں، نماز میں اتنا جھکنا کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہونچ جائیں اور سر اور کمر برابر ہو جائیں۔
سوال: فرض ۵ سجدہ کسے کہتے ہیں ؟
جواب؛ پیشانی زمین پر رکھنے کو مگر نماز میں پیشانی اور ناک دونوں کا زمین پر رکھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی عذر ہو تو صرف پیشانی سے سجدہ کرنا بھی کافی ہو گا۔ بلا عذر صرف ناک زمین پر رکھنے سے سجدہ ادا نہیں ہو گا۔
سوال : اگر پیشانی اور ناک میں کوئی عذر ہو تو کیا کرے ؟
جواب: اشارے سے سجدہ کرے۔

(ادارہ)

شب و روز

خبرنامہ

○ ہمارے ادارہ کے نوجوان فاضل جناب آصف علی صاحب فرقانی آج کل دہلی کی جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں تحقیق میں مصروف ہیں۔ آصف صاحب نے ایم فل کے لیے "خواجہ حسن نظامی بحیثیت صحافی" موضوع پر اپنا مقالہ مکمل کیا ہے۔ یہ مقالہ ڈاکٹر اسلم پرویز صاحب کی نگرانی میں تیار کیا گیا ہے ——— آصف صاحب اس وقت پی ایچ ڈی کے لیے تحقیق میں مصروف ہیں۔

○ ضیاءِ وجیہ کے انچارج سرکولیشن جناب ظہیر علی خاں المعروف ظہیر رحمتی جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی کے شعبۂ اردو میں تحقیق کی غرض سے داخل ہو گئے ہیں۔ اس عرصہ میں ظہیر صاحب نے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کا جونیر ریسرچ فیلو شپ کا امتحان پاس کر لیا ہے۔ اس کامیابی پر اراکین ادارہ مبارکباد پیش کرتے ہیں اور خوش آئند مستقبل کے لیے دعا گو ہیں۔

○ مورخہ ۲۵، ۲۶ ستمبر ۱۹۹۳ء کو سنبھل ضلع مراد آباد میں اسٹوڈینٹس ویلفیر ایسوسی ایشن کی جانب سے قرأت، نعت اور تقاریر کا دو روزہ اجتماع منعقد ہوا جس میں ہمارے ادارہ جامع العلوم فرقانیہ کے مندرجہ ذیل طلبہ شریک ہوئے اور نمایاں کامیابی حاصل کی۔

(۱) عام تقریری مقابلہ: اس میں محمد ناصر خاں نے حصہ لیا اور سیکنڈ ڈویژن میں کامیاب ہوئے۔
(۲) انٹر گریڈ تقریری مقابلہ: اس میں لیسین محمد ادریس نے حصّہ لیا اور سیکنڈ ڈویژن کامیاب ہوئے۔
(۳) پرائمری گریڈ: اس میں محمد مدثر شریک ہوئے اور تھرڈ ڈویژن کامیاب ہوئے۔

ڈگری گریڈ تقریر میں اور انٹر گریڈ سینیر میں محمد لطیف الرحمن اشرفی نے حصّہ لیا اور ان کو حوصلہ افزائی کا انعام ملا۔ اس کے علاوہ دوسرے طلبہ محمد افضل، محمد سبحان، محمد راشد کو ہمت افزائی کے انعامات دیئے گئے

○ نہایت مسرت کا مقام ہے کہ رام پور رضا لائبریری بورڈ نے لائبریری کا انتظام و انصرام مقامی انتظامیہ سے واپس لے لیا ہے۔ اب نئے آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی کی حیثیت سے ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی تشریف لائے ہیں جو نیشنل آرکائیوز آف انڈیا کے سابق ڈائریکٹر ہیں جنھیں دستاویزات اور عمارات کے تحفظ کا خصوصی تجربہ حاصل ہے۔ موصوف باصلاحیت منتظم ہونے کے ساتھ ساتھ عمدہ مصنف بھی ہیں، متعدد فنون پر آپ کی کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں ——— امید ہے کہ آپ کے دور میں لائبریری پر چھائے ہوئے تاریک بادل چھٹ

جائیں گے اور روشنی کی کرنیں پھوٹ پڑیں گی۔

○ اترپردیش اردو اکادمی لکھنؤ نے سال ۱۹۹۲ء کے لیے جن انعامات کا اعلان کیا ہے ان میں امپوں میں پہلا انعام ڈاکٹر فہمیدہ کبیر پروفیسر شعبۂ اردو گرلز ڈگری کالج رام پور کی کتاب "اردو ناول میں عورت کا تصور" شامل ہے جسے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی نے شائع کیا ہے۔ دوسرا انعام بہترین کتابت کے زمرہ میں محمد حسین خاں سکنہ چاہ خیزاں خاں کو پانچ سو روپے کی شکل میں ملا ہے ـــ ادارہ ضیاءِ وجیہ دونوں حضرات کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہے۔

○ سلسلۂ عالیہ قادریہ نقشبندیہ مجددیہ کے کامل ترین بزرگوں کے روحانی پیشوا حضرت قطب الوریٰ سیدنا فیض بخش حضرت شاہ درگاہی محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ (خلیفۂ اعظم حضرت قطب الارشاد سیدنا حافظ شاہ جمال اللہ قدس سرہٗ) کا سالانہ ۴ روزہ عرس شریف مورخہ ۱۱ جمادی الثانی تا ۱۴ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۴ھ / ۲۷ نومبر تا ۳۰ نومبر ۱۹۹۳ء بروز ہفتہ، اتوار، پیر، منگل حضرت موصوفؒ کے مزار اقدس پر منعقد ہوا۔ ہر روز بعد نماز عصر علماء کے بیانات نعت و منقبت اور قل ہوا۔ ۱۲ جمادالثانی کو بعد نماز عشاء جناب مولانا قاری اختر علی صاحب قادری وجیہی مدرس جامع العلوم فرقانیہ کی زیر صدارت جلسۂ قراءت کا انعقاد ہوا۔ ۱۳ جمادی الثانی کو بعد نماز عشاء جناب سید اطہر القادری کی زیر صدارت نعتیہ مشاعرہ ہوا ـــــــ ۱۴ جمادی الثانی کو بعد نماز عشاء دہلی کے واعظ جناب جاوید صاحب نقشبندی زیدی اور مقامی علماء کرام نے تقاریر کیں۔ ہر روز بعد نماز عصر خطاب کرنے والے علماء میں جناب حضرت مولانا مفتی محبوب علی صاحب قادری وجیہی امام جامع مسجد، حضرت مولانا قاری ریاض الدین احمد خاں صاحب قادری وجیہی، حضرت مولانا قاری اختر علی صاحب، حضرت مولانا قاری مظاہر اللہ خاں صاحب وجیہی شامل ہیں۔ چار روزہ اعراس کی محافل میں شہر، دیہات، اور دور و دراز کے مقامات سے آئے ہوئے حضرت کے عقیدت مندوں نے بہت بڑی تعداد میں شرکت کی۔

○ مورخہ ۱۱ نومبر ۱۹۹۳ء کو جناب امان اللہ خاں عنایتی عرف چھینو خاں صاحب ساکن ہتر افغانان ضلع بدایوں کے صاحبزادے ضرب اللہ خاں کی شادی خانہ آبادی جناب ظہور احمد خاں صاحب ساکن کٹرہ جلال الدین خاں کی دختر کے ہمراہ ہوئی۔

○ مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۹۳ء کو جناب سید محمود شاہ میاں کے برادر خُرد سید زاہد میاں کی شادی خانہ آبادی دختر جناب ابن میاں صاحب مرحوم ساکن کٹرہ جلال الدین خاں کے ہمراہ ہوئی۔ اس تقریب سعید کے موقع پر دلہن کے بھائیوں جناب چاند میاں صاحب وغیرہ اور دولھا کے بھائیوں کو مبارکبادیں پیش کی گئیں۔

○ مورخہ ۱۵ نومبر ۱۹۹۳ء کو جناب سید نور الحسن صاحب قادری مرحوم امام جامع مسجد رام پور کے صاحبزادے ڈاکٹر سید انوار الحسن قادری کی شادی خانہ آبادی کی تقریب بریلی میں سید شاکر علی صاحب حسنی کی صاحبزادی کے ہمراہ عمل میں آئی۔

۱۵! حضرت زید میاں

ہندوستان کا کوئی شہر، قصبہ اور گاؤں ایسا نہیں ہے، جہاں اپنے وقت کی کوئی صاحب کمال شخصیت نہ پیدا ہوئی ہو اور دہلی تو ہندوستان کا دارالحکومت ہے۔ اس سرزمین پر تو ایسے ایسے لوگ پیدا ہوئے، جنہوں نے اپنے علوم و فنون اور روحانیت کے فیض سے دنیا کو فیضیاب کیا۔ یہ سرزمین اگر شہاب الدین غوری، قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش، علاؤ الدین خلجی، غیاث الدین تغلق، محمد بن تغلق، نصیر الدین ہمایوں، شہاب الدین شاہجہاں اور محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے دبدبوں اور ان کی عدل و رواداری اور حکومتوں کی آماجگاہ رہی ہے تو دوسری طرف سیدنا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی، سیدنا سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محمد بن احمد بخاری محبوب الٰہی، سیدنا حضرت خواجہ محمد باقی باللہ، حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی، حضرت امیر خسرو، حضرت سید نور محمد بدایونی، حضرت شیخ محمد عابد سنامی، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید، حضرت خواجہ میر درد، حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ رفیع الدین محدث، شاہ عبدالقادر محدث، حضرت شاہ ابوسعید مجددی، حضرت شاہ عبدالغنی محدث اور حضرت شاہ ابوالخیر مجددی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جیسے بلند پایہ علماء و اولیاء کے بابرکت قدموں کی بدولت سے امت مسلمہ کی ہدایت و اصلاح و ارشاد کا مرکز بھی رہی ــــــ

دور حاضر کی علمی و روحانی شخصیت بقیۃ السلف حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی ازہری اسی دہلی کی بابرکت شخصیت تھی۔ آج ہم بڑے افسوس اور قلق کے ساتھ آپ کے وصال کی خبر قارئین تک پہنچا رہے ہیں۔ حضرت شاہ ابوالخیر مجددی علیہ الرحمۃ کے صاحبزادہ خانقاہ مظہریہ (جو اب خانقاہ شاہ ابوالخیر کے نام سے موسوم ہے) کے سجادہ نشین اور اس کی علمی و روحانی مقدس ہستی حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی علیہ الرحمۃ علالت کے بعد بعمر ۸۰ سال مورخہ ۱۷ ؍ جمادی الثانی ۱۴۱۴ھ / ۲ ؍ دسمبر ۱۹۹۳ء بروز پنج شنبہ کو صبح ۹½ بجے یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝ کی صدا پر لبیک کہتے ہوئے اپنے پالنہارے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات عالیہ کو اور بلند فرماکر اعلیٰ علیین میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین۔ حضرت زید میاں صاحب مجددیؒ دہلی کی ان نابغہ روزگار ہستیوں میں سے ایک مشہور ہستی تھے۔ جن سے خطیب اعظم ہند بحر شریعت والطریقت حضرت علامہ مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خانصاحب، قادری مجددی قدس سرہ کے بڑے مخلصانہ تعلقات تھے۔ حضرت خطیب اعظم علیہ الرحمۃ جب کبھی دہلی تشریف لے جاتے تو آپ سے ملاقات کی غرض سے ضرور ملتے، اور گھنٹوں علمی، تحقیقی گفتگو رہتی۔ حضرت زید میاں صاحبؒ جب اپنے جدامجد حضرت شاہ محمد عمر مجددیؒ (مزار اندرون روضۂ مبارک حضرت حافظ شاہ سید جمال اللہؒ) کے مزار پر بغرض فاتحہ رام پور تشریف لاتے تو اکثر حضرت

خطیب اعظم نور اللہ مرقدہ سے ملنے کے واسطے آتے اور کافی وقت گزارتے ۔ آپ نے مختلف موضوعات پر بڑی ، عمدہ اور تحقیقی کتب تصنیف فرمائیں ۔ جن کی مقبولیت اور افادیت کا یہ عالم ہے کہ آپ کی تصنیفات ہر حلقہ میں قدر و منزلت کے ساتھ دیکھی گئیں ۔ آپ کی آخری تصنیف لطیف سیدنا امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر (سوانح بے بہائے امام اعظم ابو حنیفہؒ) شائع ہو چکی ہے ۔ ایسی جامع کھبنی انداز میں تحریر فرمائی ہے کہ مخالفین امام اعظمؒ آج تک انگشتِ بدنداں ہیں ۔ احقر راقم الحروف اکثر آپ کی خدمت میں حاضری دیتا اور نانا جان حضرت خطیب اعظمؒ کی نسبت سے آپ بڑی مہربانی، شفقت اور محبت کا اظہار فرماتے ۔ اسی طرح میرے برادرانِ اصغر مولوی مظاہر اللہ خاں اور ڈاکٹر شنائر اللہ خاں کے ساتھ بھی برتاؤ فرماتے ۔ ایک روز احقر سے فرمانے لگے ، سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ پر کام کر رہا ہوں اور اس غرض سے کہ شاید میری نجات کا یہی وسیلہ بن جائے ۔ مرحوم تقریباً تیس سال سے دہلی کی شاہی عیدگاہ میں امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے ۔
چند سال قبل آپ کے لائق فرزند اکلوتے صاحبزادے ڈاکٹر ابو الفضل مجددی زیدی فوت ہوئے ، جن کی وفات پر آپ کے قلب کو ایسا صدمہ پہنچا جو بیان سے باہر ہے ، لیکن صبر و استقامت کی جو مثال آپ نے چھوڑی وہ ہم جیسے لوگوں کے لئے مشعلِ راہ ہے ۔ ایک روز احقر حاضرِ خدمت ہوا تو فرمایا ۔ " میرا ایک ہی لڑکا تھا جو داغِ مفارقت دے گیا ۔ اب اس کا بیٹا میرا یہ پوتا انس یہ بچہ ہے ، اسی کو تربیت دے رہا ہوں ۔ یہی میرے بعد امید ہے کہ خانقاہ شریف کے انتظام و انصرام کو سنبھال لے گا ۔ تم بھی دُعا کیا کرو اُس کے لئے اور میرے حسنِ خاتمہ کے واسطے بھی دُعا کیا کرو ______ مرحوم کو اسی دن شام میں درگاہ شاہ ابو الخیر کے احاطہ میں دفن کیا گیا ۔

آپ کے وصال کے بعد خانقاہ شریف حضرت شاہ ابو الخیرؒ کی ساری ذمہ داری اور حضرت شاہ ابو الحسن زید صاحب مجددیؒ کی جانشینی کا شرف آپ کے ہونہار ، لائق ، متین ، نیک سیرت و نیک خصلت نوجوان پوتے صاحبزادہ انس ابو النصر فاروقی سلمہ اللہ کے کندھوں پر آ گئی ہے ۔ ہم اللہ رب العزت کے کرم خاص سے امید کرتے ہیں کہ صاحبزادہ موصوف اپنے بزرگوں خصوصاً جد بزرگوار حضرت موصوفؒ کی مقدس روایات کی بقا کے ساتھ ساتھ علمی و روحانی طریقہ کی اشاعت کو جاری و ساری رکھیں گے ۔ اللہ تعالیٰ صاحبزادہ موصوف انس میاں کی عمر مبارک میں خیر و برکت فرمائے اور انہیں اپنے اسلاف کا سچا نمونہ اور صحیح جانشین بنائے ۔ آمین ۔

حضرت زید ابو الحسن فاروقی مجددی علیہ الرحمۃ کا چہلم ۲۸ / جمادی الثانی / ۱۳ / دسمبر بعد نماز مغرب خانقاہ شاہ ابو الخیر میں ہوا ۔ جس میں حضرت کے متوسلین اور باشندگان دہلی کے علاوہ کثیر تعداد میں بیرونی متوسلین و مریدین نے شریک ہو کر اپنے محسن مرشد کی روح کو ایصال ثواب کیا ۔



ضرورت کاتب

رامپور رضا لائبریری رامپور کو اپنے جنرل اور عربی، فارسی، اردو کی کتابت کے لیے ایک ایسے کاتب کی ضرورت ہے جو نستعلیق اور نسخ دونوں کی کتابت اجرت کی بنیاد پر کر سکے۔ خواہش مند حضرات اپنی درخواست، دونوں خطوں کے خفی وجلی نمونوں کے ساتھ، اور مختلف سائز کی کتابت کی اجرت جو مطلوب ہو اس کی صراحت کرتے ہوئے درج ذیل پتے پر روانہ کریں یا دفتر کے اوقات میں خود ملاقات کریں۔

ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی

رامپور رضا لائبریری رامپور

مرکز علوم اسلامی۔ جامع العلوم فرقانیہ رامپور

رام پور اپنے یوم پیدائش سے علم دین کا گہوارہ رہا ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ عالم اسلامی میں وہ "بخارائے ہندی" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی سرزمین کو بڑے بڑے اور متبحر اور نامور علمائے کرام نے اپنے قدم ہائے مبارک سے زینت بخشی تھی۔ چودھویں صدی کے نصف آخر میں مغربیت نے اپنا اثر جمایا اور اس کا وقار روبہ تنزل ہونے لگا تو اسی رام پور کے ایک باوقار فاضل معقولات منقولات حضرت مولانا المولوی وجیہ الدین احمد خاں صاحب دامت برکاتہم نے ۱۹۵۰ء میں اپنے بزرگوں کی آرام گاہ خانقاہ حضرت شاہ احمد علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی جو اس وقت علوم مشرقی کے ایک مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مدرسہ میں درس نظامی کی تعلیم، قرآن عظیم کے حفظ و تجوید کا انتظام، چھوٹے بچوں کی ابتدائی تعلیم رائج الوقت کے ساتھ دینیات لازمی کا انتظام موجود ہے۔ اس کے علاوہ بورڈ الٰہ آباد کے عربی و فارسی امتحانات کا بھی مکمل انتظام ہے۔ طلبہ کی رہائش کے لیے دارالاقامہ (بورڈنگ ہاؤس) بھی موجود ہے جس میں تقریباً ۱۰۰ طلبہ کے قیام و طعام کی ذمہ داری مدرسہ پر ہے۔ تقریباً دس لاکھ روپے سالانہ کا خرچ ہے جو گورنمنٹ کی جزوی اور آپ کی کلی امداد پر منحصر ہوتا ہے۔ ہماری درخواست ہے کہ آپ اپنے نونہالوں کو اس چشمۂ فیض سے فائدہ پہنچائیں اور بقدر گنجائش مالی امداد بھی بہم پہنچائیں۔

مدرسہ کا تعلیمی سیشن شوال سے شروع ہو کر شعبان میں ختم ہوتا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے آج ہی رابطہ قائم کریں۔

دفتر اہتمام جامع العلوم فرقانیہ۔ بازار مسٹن گنج رام پور یوپی

JAME UL ULOOM FURQANIA
Moston Ganj RAMPUR 244901 (U.P.)

Regd. MRD No.

Vol 5 JANUARY 1994 No. 1

ملاحظہ ہو

قیس زیر بحث روشن صحابہ ا

جنتی و فضائل والی اکبر طرح با اصحاب

یہ وہ مذہب لگاتے ہیں جن سے باطل

کا ماتم پاش پاش ہو جاتا ہے

~~~ ❁ ~~~
~~~

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امت کی مشکلات کا واحد حل

حضرت معلم کتاب و حکمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً (رواہ مسلم)

جو کوئی اس حالت میں مریگا کہ اس کی گردن میں کسی امیر سے **بیعت** کی رسی نہ ہوگی وہ جاہلیت کی موت مریگا (ایسی امت کو تائید الٰہی حاصل نہ ہوگی) یعنی دین و دنیا میں اس کو فلاح نصیب نہ ہوگی۔ اس کی زندگی جاہلوں کی سی زندگی ہوگی۔

اقبال مرحوم نے شاید اس شعر میں اسی ارشاد نبوی کی تشریح کی ہے ؎

ز کار بے نظام او چہ می گویم
تو می دانی کہ امت بے امام است

یعنی امت کے تمام کام اسی لئے ابتر ہیں کہ اس کا کوئی ایسا امام برحق نہیں ہے جو اس کے عقائد و اعمال کی اصلاح کتاب و سنت کی روشنی میں کرے جس سے امت میں دنیا پرستی کی بجائے فکر آخرت پیدا ہو۔ پس امت کا اوّلین فریضہ ہے کہ وہ ایک امام برحق کا انتخاب کرکے اسی ایک مرکز ہدایت سے وابستہ ہوجائے تاکہ جہالت کے انجام بد سے دنیا و آخرت میں محفوظ رہ سکے یہی امت کی موجودہ مشکلات کا حل ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

الحق

مدیر: سید عبد الجلیل

جلد (۲۰) شمارہ ۹ و رمضان ۱۴۰۲ھ م جون وجولائی ۱۹۸۲ء شمارہ ۲۳ ۲۴ و ۲۴م

اسوۂ حسنہ — حضرت مولانا صفوۃ الرحمٰن صابر مرحوم

پاکستانی حضرات مندرجہ ذیل پتہ پر مراسلت کریں

جناب انور حسن صاحب نعمانی مکان 433/17 انکولی سوسائٹی فیڈرل بی ایریا
(کراچی پاکستان)

(مسعود الاثر صدیقی) A. 220 - Block I North Nazimabad, Karachi
No - 33

مالک: امۃ الرحمٰن صاحبہ

ایڈیٹر پرنٹر پبلشر سید عبد الجلیل نے نیشنل فائن پرنٹنگ پریس چار کمان [illegible]
[illegible] میں طبع کروا کر [illegible] سے شائع کیا

خاطر ہوتی۔ تو التفات میں کمی کر دیتے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپؐ نے اپنی ایک زوجۂ محترمہ سے بطور رازداری کچھ باتیں فرمائیں اور تاکید فرما دی تھی کہ کسی اور سے نہ کہنا ان بی بی نے دوسری بی بی سے ان باتوں کے منجملہ ایک دو باتیں کہہ دیں وحی کے ذریعہ آپؐ کو اس کی اطلاع ہو گئی۔ آپؐ نے ان بی بی سے دریافت فرمایا۔ انہوں نے تعجب سے پوچھا آپؐ کو کیسے خبر ہو گئی کہ میں نے افشائے راز کیا۔ آپؐ نے فرمایا اللہ علیم وخبیر نے مجھ کو اس کی خبر دی۔ اس کے سوا اور کوئی ناراضی کا اظہار نہیں کیا۔ نہ افشائے راز پر ان کو سخت سست کہا۔

اولاد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آٹھ اولادیں تھیں۔ چار صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں۔ تمام صاحبزادے صغرسنی میں انتقال کر گئے۔ سب میں بڑے حضرت قاسمؓ تھے۔ انہی کے نام پر آپؐ کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کنیت بہت پسند تھی۔ ان چار صاحبزادوں میں تین حضرت خدیجہؓ کے بطن سے اور ایک صاحبزادے ابراہیمؓ آپؐ کی حرم محترم ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے تھے۔

چاروں صاحبزادیاں جن کے نام زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمۃ الزہراؓ ہیں۔ حضرت خدیجہؓ ہی کے بطن سے تھیں۔ تمام صاحبزادیاں اسلام اور ہجرت سے مشرف ہوئیں۔

حضرت زینبؓ سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ ان کی شادی خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے ہوئی تھی۔ مگر یہ ابتداءً اسلام نہیں لائے تھے۔ جس کی وجہ سے حضرت زینبؓ ان سے الگ رہیں۔

جب یہ ۶ھ میں مشرف باسلام ہوئے تو بعض روایات کی رو سے تجدید نکاح کے بعد میاں بیوی ساتھ ہو گئے۔ ۸ھ میں حضرت زینبؓ نے وفات پائی۔

حضرت رقیہؓ آپؐ کی دوسری صاحبزادی تھیں۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیاہی گئی تھیں۔ سیدنا عثمانؓ کے ساتھ حبش کی طرف ہجرت کی۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بیوی کے ساتھ ہجرت کی۔ مدینہ آنے کے بعد بیمار ہو گئیں۔ یہ غزوۂ بدر کا زمانہ تھا۔ سیدنا عثمانؓ ان کی بیماری کی وجہ سے شریک جنگ نہ ہو سکے تھے۔ مدینہ میں جس روز فتح بدر کی خبر پہنچی۔ اسی روز آپؓ نے انتقال کیا۔

حضرت ام کلثومؓ۔ حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد ۳ھ میں یہ بھی سیدنا عثمانؓ سے بیاہ دی گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں سیدنا عثمانؓ کی زوجیت میں رہیں اس لئے سیدنا عثمانؓ کا لقب ذوالنورین ہوا۔ ۹ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

حضرت فاطمہؓ آپ کا لقب زہرا تھا۔ جنگ بدر سے چند ماہ پہلے سیدنا علیؓ سے ان کا نکاح ہوا۔ اور جنگ بدر کے بعد ۲ھ میں رخصتی کی تقریب انجام پائی۔

اولاً سیدنا ابوبکر الصدیقؓ پھر سیدنا عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ سے شادی کی درخواست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی تھی۔ آپؐ نے کچھ جواب نہیں دیا۔ پھر سیدنا علیؓ نے درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا۔ تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لئے کیا ہے؟ سیدنا علیؓ نے فرمایا ایک گھوڑا اور ایک زرہ۔ [illegible] کچھ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ گھوڑا لڑائی کے لئے ضروری ہے۔ زرہ بیچ دو۔ سیدنا عثمانؓ نے (۴۸۰) درہم میں وہ زرہ خریدی۔ (اور پھر زرہ کی قیمت کے ساتھ زرہ بھی واپس کر دی) سیدنا علیؓ نے وہ رقم آپؐ کی خدمت میں پیش کر دی۔ آپؐ نے بازار سے خوشبو منگوائی اور عقد پڑھا دیا۔

جہیز میں ایک پلنگ، ایک بستر، چادر، دو مشکیں، [illegible] تھیں۔ تاحیات [illegible] کا [illegible] خانہ داری تھا۔

حضرت فاطمہؓ کے پانچ اولادیں ہوئیں۔ حضرت حسنؓ و حسینؓ، محسن، ام کلثومؓ، زینبؓ۔ محسنؓ نے بچپن ہی میں انتقال کیا۔ حضرات حسنینؓ اور حضرت زینبؓ و ام کلثوم اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں مشہور ہیں۔

حضرت فاطمہؓ نے ۱۱ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ ماہ بعد وفات پائی۔

نبوی تعلیم

جہل کی تاریک فضاؤں میں علم حق کی روشنی پھیلانے کے لئے آپؐ مبعوث ہوئے تھے۔ اسی لئے فرمایا:

اِنِّیْ بُعِثْتُ مُعَلِّمًا : میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں

اگرچہ کتاب اللہ عزوجل کے معلم تھے مگر حقیقتاً معلم فطرت تھے معلم انسانیت تھے۔ معلم حکمت و دانائی تھے۔ اس لئے آپؐ کی تعلیم کو "علم" کے عنوان سے شروع کیا جاتا ہے ذہن نشین رہے کہ علم کتاب و سنت کا لفظ ہے۔ اور اس سے کتاب اللہ عزوجل اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم مراد ہے۔ یعنی علم دین، وہ تمام علوم جو دینی اغراض کے لئے مفید ہوں، وہ بھی فضاً اس کے مفہوم میں داخل ہیں۔ مثلاً سپہ گری اور حرب و ضرب کا علم۔ آلات حرب بنانے یا اس کی ایجاد یا جائز ذرائع سے معاش کا علم۔

علم حاصل کرنے کی تاکید و ترغیب

(۱) طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ : ہر مسلمان پر علم (دین) حاصل کرنا فرض ہے (ابن ماجہ)

(۲) تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَالْقُرْاٰنَ وَعَلِّمُوا النَّاسَ فَاِنِّیْ مَقْبُوْضٌ۔ : فرائض اور قرآن کا علم سیکھو اور لوگوں کو سکھلاؤ۔ کیونکہ میں اٹھا لیا جاؤں گا (ترمذی)

(۳) اَلْعِلْمُ حَیَاةُ الْاِسْلَامِ وَعِمَادُ الْاِیْمَانِ (رواہ الشیخ) : علم اسلام کی زندگی ہے اور ایمان کا رکن ہے

(۴) لِکُلِّ شَیْءٍ طَرِیْقٌ وَطَرِیْقُ الْجَنَّةِ الْعِلْمُ (دیلمی) : ہر شئے کو حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے اور جنت کا طریقہ علم ہے

(۵) مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ حَتّٰی یَرْجِعَ۔ (ترمذی) : [illegible]

مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ ؛ جو طلب علم میں کوئی راہ اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ
اللّٰهُ بِهٖ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ۔ (مسلم) ؛ آسان کر دیتا ہے اس پر جنت کی راہ۔

۷) مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ ؛ جو شخص اس لئے علم حاصل کرتا رہا کہ اسلام کو
يُحْيِيْ بِهِ الْاِسْلَامَ فَبَيْنَهٗ وَبَيْنَ ؛ زندہ کرے اور اسی حالت میں وہ مر جائے تو جنت
النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَّاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ (دارمی) ؛ میں اس کے اور انبیا کے درمیان ایک درجہ کا
؛ فرق ہوگا

۸) عَلِّمُوْا اَوْلَادَكُمُ السِّبَاحَةَ وَالرِّمَايَةَ (دیلمی) ؛ اپنی اولاد کو تیرنا اور تیر اندازی (یعنی فنون سپہ گری) سکھاؤ

۹) مَنِ ازْدَادَ عِلْمًا وَلَمْ يَزْدَدْ فِي الدُّنْيَا ؛ زیادتی علم کے ساتھ اگر دنیا سے بے رغبتی میں اضافہ
زُهْدًا لَمْ يَزْدَدْ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا بُعْدًا (دیلمی) ؛ نہ ہو۔ تو پھر اللہ سے دوری کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

۱۰) مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ ؛ جس علم کا مقصود رضائے الٰہی کی اتباع ہے۔ وہ علم اگر
لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِّنَ الدُّنْيَا ؛ کوئی دنیا طلبی کے لئے حاصل کرے۔ تو قیامت کے دن
لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَعْنِيْ رِيْحَهَا ؛ وہ جنت کی بو بھی نہ پائیگا۔

(احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ)

ارشاد نبوی ۹ میں یہ خاص نکتہ بیان فرمایا کہ علم دین سے اگر تکلفات دنیا سے بے رغبتی نہ پیدا ہوا اور علم دین حاصل کرنے کے بعد بھی رات دن دنیا ہی کی دھن اور طلب میں گذرتے ہوں تو رحمت الٰہی سے محروم رہیں گے گویا علم دین حاصل کرنے کا اصل ثمرہ یہ ہے کہ طالب حق، مغفرت و جنت کا طالب [illegible] ہو جائے۔

حدیث ۱۰ میں اسی بات کی وعید فرمائی کہ دنیا کمانے کے لئے علم دین حاصل کیا جائے تو جنت کی بو بھی نصیب نہ ہوگی۔

یہ دونوں حدیثیں طبقہ علماء کے لئے بہت زیادہ قابل غور ہیں۔

صحیح علم دین کی علامت یہی ہے کہ دنیاوی ساز و سامان سے بے رغبتی اور آخرت کی رغبت پیدا ہو جائے۔

التماس: قارئین الحق میں اگر کوئی غلط بات پائیں تو مطلع فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

ایمانیات

۱) لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا : تم میں کوئی مومن نہیں ہوتا جب تک اس کی
جِئْتُ بِهٖ۔ (مشکوٰۃ کتاب الایمان) : خواہشات نفسانی میری شریعت کے تابع نہ ہو جائیں

۲) لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ : تم میں کوئی مومن نہیں ہوتا جب تک میں اس کے
وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (متفق علیہ) : نزدیک اس کے باپ بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ
محبوب نہ ہو جاؤں۔

۳) لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا : تم میں کوئی مومن نہیں ہوتا جب تک اپنے بھائی
یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ۔ (بخاری) : کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

۴) اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰی دِمَائِهِمْ : مومن وہ ہے کہ لوگ اس کو اپنے خون اور اپنے اموال
وَاَمْوَالِهِمْ۔ (ترمذی) : کا امین بنائیں۔

۵) لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِیْنَ : وہ باایمان نہیں جس کے پاس امانت نہیں۔ اور وہ دیندار
لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ۔ (البیہقی) : نہیں جو پابند عہد نہیں۔

۶) ایک صحابی نے آپؐ سے دریافت فرمایا کہ ایمان کی علامت کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:۔
اَلصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ (احمد) : صبر اور جوانمردی۔

۷) لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ مَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ بِیْ (احمد) : جو مجھ پر ایمان نہیں لایا وہ اللہ پر ایمان نہیں لایا۔

۸) وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَا یَسْمَعُ : قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے۔
بِیْ اَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ یَهُوْدِیٌّ وَّ : کوئی یہودی یا نصرانی میری (نبوت کی خبر) سنے
لَا نَصْرَانِیٌّ ثُمَّ یَمُوْتُ وَلَمْ یُؤْمِنْ بِالَّذِیْ : اور مر جائے اس حال میں کہ ایمان نہ لایا اس پر
اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَّا کَانَ مِنْ اَصْحَابِ : جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں۔ وہ دوزخی ہے۔
النَّارِ۔ (مسلم)

۹۔ اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ : میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔
(مشکوٰۃ باب الفضائل النبیؐ)

اَلْاِعْتِصَامُ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ

١) مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا	جس نے ہمارے دین میں نئی بات نکالی جو
لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ . (متفق علیہ)	دین میں نہیں ہے۔ وہ مردود ہے۔
٢) مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ لَهُ اَمْرُنَا	جس نے ایسا عمل کیا جس کے متعلق ہمارا حکم نہیں ہے
فَهُوَ رَدٌّ - (مسلم)	وہ مردود ہے۔
٣) فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ (متفق علیہ)	جس نے میرے طریقہ سے منہ موڑا وہ مجھ سے نہیں۔
٤) اِنَّ الدِّيْنَ بَدَأَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ	دین کی ابتداء غربت سے ہوئی پھر وہ ہو جائیگا جیسا کہ
كَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ وَهُمُ	ابتداء میں تھا۔ خوشخبری غرباء کو، غرباء وہ ہیں کہ
الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا اَفْسَدَ النَّاسُ	درست کرتے ہیں میری سنت جس کو میرے
مِنْ بَعْدِيْ مِنْ سُنَّتِيْ (ترمذی)	بعد لوگوں نے بگاڑ دیا۔
٥) تَفْتَرِقُ اُمَّتِيْ عَلٰى ثَلٰثٍ وَّسَبْعِيْنَ	میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی۔ وہ سب
مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا مِلَّةً	ناری ہونگے۔ سوائے ایک فرقہ کے۔ (صحابہؓ نے)
وَّاحِدَةً قَالُوْا مَنْ هِيَ؟ يَا رَسُوْلَ	پوچھا۔ وہ ایک فرقہ کون ہوگا؟ فرمایا جو میرے
اللّٰهِ : قَالَ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ -	اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوگا۔
(ترمذی، احمد، ابوداؤد)	
٦) فَاِنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ	تحقیق کہ جو شخص میرے بعد زندہ رہیگا۔ قریب
فَسَيَرٰى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا : فَعَلَيْكُمْ	ہے کہ وہ کثیر اختلاف دیکھے گا (ایسے اختلافات
بِسُنَّتِيْ ... وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ	کے زمانے میں) تم پر لازم ہے کہ میرے اور میرے
الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا	ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کا طریقہ اختیار کرو
بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ	اور اسی پر جمے رہو اور اس کو دانتوں سے مضبوط
وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ	پکڑے رہو۔ اور بچو تم نئی نئی باتوں سے تحقیق

بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ۔ جو نئی بات ہے بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے
فِي النَّارِ ۔ (احمد ابوداؤد ابن ماجہ ترمذی) اور ہر گمراہی کا انجام نار ہے
۷) تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ ۔ میں نے تم میں دو چیزیں کتاب اللہ اور نبی
تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ ۔ سنت چھوڑی ہے ۔ اگر تم ان دونوں کی پابندی
اللهِ وَسُنَّتِي ۔ (بخاری) ۔ کروگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے ۔

دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طلب وحرص

۱) وَاللهِ مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ ۔ اللہ کی قسم! آخرت کے مقابلے میں دنیا اتنی بے مقدار
إِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ ۔ ہے ۔ جیسے کوئی دریا میں انگلی ڈالے اور اس کی انگلی
إِصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ کو جتنا پانی لگ جائے ۔
يَرْجِعُ ۔ (مسلم)

(مطلب :- یہ ہے کہ دنیا قلیل و ناقابل التفات ہے اور آخرت اہم و مقدم و قابل التفات ہے)

۲) أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ گذرے بکری کے ایک مردہ
اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِجَدْيٍ ۔ بچے پر سے اور فرمایا صحابہؓ سے کیا تم اس کو ایک درہم
أَسَكَّ مَيِّتٍ قَالَ أَيُّكُمْ يُحِبُّ ۔ کے معاوضے میں خریدتے ہو ۔ صحابہؓ نے فرمایا ہم اس
أَنَّ هٰذَا لَهُ بِدِرْهَمٍ قَالُوا ۔ کو مفت لینا بھی پسند نہیں کرتے ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ
مَا نُحِبُّ أَنَّهُ لَنَا بِشَيْءٍ قَالَ ۔ علیہ وسلم نے ۔ خدا کے نزدیک دنیا اس سے زیادہ کمتر
فَوَاللهِ لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى ۔ ہے ۔ جتنا کہ یہ تمہارے نزدیک حقیر ہے ۔
اللهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ ۔ (مسلم)

۳) الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ ۔
جَنَّةُ الْكَافِرِ ۔ (مسلم) دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے

۴) فَوَاللهِ لَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ ۔ اللہ کی قسم مجھے تمہارے فقر و مفلسی کا ڈر نہیں ہے لیکن
وَلٰكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ ۔ تمہارے متعلق مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ دنیا

عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ ÷ تم پر کشادہ کردی جائے گی جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں
كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا ÷ پر کشادہ کردی گئی تھی پھر تم رغبت کرو دنیا میں
تَنَافَسُوْهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ ÷ جیسا کہ انہوں نے رغبت کی تھی اور دنیا تم کو بھی ہلاک
(متفق علیہ) کردے۔ جیسا کہ ان کو ہلاک کیا۔

۵۔ لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ ÷ اگر دنیا خدا کے نزدیک مچھر کے پر برابر کی ہوتی
جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا ÷ تو کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ ملتا
شَرْبَةً (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

۶۔ مَنْ اَحَبَّ دُنْيَاهُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِهٖ وَ ÷ جس نے دوست رکھا اپنی دنیا کو اس نے اپنی آخرت
مَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَهٗ اَضَرَّ بِدُنْيَاهُ ÷ بگاڑ لی اور جس نے رکھا دوست آخرت کو اس نے
فَاٰثِرُوْا مَا يَبْقٰى عَلٰى مَا يَفْنٰى ÷ اپنی دنیا بگاڑ لی۔ پس فنا ہونے والی کے مقابلے میں
(احمد) ÷ باقی رہنے والی کو اختیار کرو۔

۷۔ لُعِنَ عَبْدُ الدُّنْيَا وَلُعِنَ ÷ لعنت ہے دنیا کے بندے پر اور لعنت ہے درہم
عَبْدُ الدِّرْهَمِ (ترمذی) ÷ کے بندے پر

۸۔ اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللّٰهُ ÷ دنیا سے بے رغبت رہ تاکہ اللہ تجھ کو دوست رکھے
(ترمذی)

۹۔ مَا زَهِدَ عَبْدٌ فِي الدُّنْيَا اِلَّا ÷ بندہ جب دنیا سے بے رغبت ہوتا ہے تو اللہ اس کے اندر
اَنْبَتَ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فِيْ قَلْبِهٖ وَ ÷ دانائی، دین کی سمجھ پیدا کردیتے ہیں اور اس دانائی کے
اَنْطَقَ بِهَا لِسَانَهٗ وَبَصَّرَهٗ ÷ ساتھ اس کی زبان کھول دیتے ہیں (یعنی اس کی زبان پر حکمت
عَيْبَ الدُّنْيَا وَدَاءَهَا وَدَوَاءَهَا ÷ کی باتیں جاری کردیتے ہیں) اور دنیا کے عیوب، بیماری اور
وَاَخْرَجَهٗ مِنْهَا سَالِمًا اِلٰى ÷ اس کی دوا بتلا دیتے ہیں۔ اور سلامتی کے ساتھ اس کو
دَارِ السَّلَامِ (البیہقی) ÷ بہشت کی طرف لے جاتے ہیں۔

۱۰۔ اِذَا رَاَيْتَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ ÷ جب تو یہ دیکھے کہ اللہ تعالیٰ کسی نافرمان کو اس کے حسب
يُعْطِي الْعَبْدَ مِنَ الدُّنْيَا ÷ مرضی دنیا دے رہے ہیں۔ (تو سمجھ لے کہ) یہ استدراج ہے
عَلٰى مَعَاصِيْهِ مَا يُحِبُّ فَاِنَّمَا ÷ (یعنی آہستہ آہستہ جہنم کی طرف لیجا رہے ہیں)
هِيَ اِسْتِدْرَاجٌ (احمد) ÷

۱۱- اَلدُّنْيَا دَارُ مَنْ لَا دَارَ لَهُ — دنیا اس کا گھر ہے، (آخرت میں) جس کا گھر نہیں
وَمَالُ مَنْ لَا مَالَ لَهُ وَ — اس کا مال ہے، (آخرت میں) جس کا مال نہیں۔
لَهَا يَجْمَعُ مَنْ لَا عَقْلَ لَهُ (احمد) — اس کو وہی جمع کرتا ہے جس کو عقل نہیں (احمد)

۱۲) حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ — تمام خطاؤں کی جڑ دنیا کی محبت ہے
(البیہقی)

۱۳) كُونُوا مِنْ أَبْنَاءِ الْآخِرَةِ وَلَا — آخرت کے بیٹے بنو دنیا کے بیٹے نہ بنو۔ یعنی طالب
تَكُونُوا مِنْ أَبْنَاءِ الدُّنْيَا (بخاری) — آخرت ہو طالب دنیا نہ ہو۔

۱۴) اِطَّلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ — میں نے جنت کو دیکھا وہاں زیادہ تعداد
أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ (متفق علیہ) — میں فقراء نظر آئے۔

۱۵- إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا حَمَاهُ — اللہ جب کسی بندے کو چاہتا ہے تو اس کو اسی
الدُّنْيَا كَمَا يَظَلُّ أَحَدُكُمْ يَحْمِي — طرح دنیا سے باز رکھتا ہے۔ جیسے تم بیمار کو پانی
سَقِيمَهُ الْمَاءَ (احمد) — سے پرہیز کراتے ہو۔

۱۶) كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ — دنیا میں رہو گویا کہ تم مسافر ہو یا راستہ چلنے
أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ وَعُدَّ نَفْسَكَ — والے اور اپنے نفس کو مردہ سمجھو۔
مِنْ أَهْلِ الْقُبُورِ (بخاری)

۱۷) أَوَّلُ صَلَاحِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ — اس امت کی اصلاح کا پہلا قدم یقین ہے
الْيَقِينُ وَالزُّهْدُ (بیہقی) — اور دنیا سے بے رغبتی۔

۱۸) الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ — عقلمند وہ ہے جو نفس کو اپنا تابع کرے۔
وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ (ترمذی) — اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے عمل کرے۔

۱۹) لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ — اگر فرزند آدم کے پاس مال سے بھرے ہوئے
مِنَ الْمَالِ لَابْتَغَى ثَالِثًا وَلَا — دو جنگل ہوں تو وہ تیسرا تلاش کرتا ہے۔ اس
يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا — کا پیٹ خاک کے سوائے نہیں بھرتا (یعنی مرنے
التُّرَابُ وَيَتُوبُ اللّٰهُ — تک حرص مال نہیں جاتی) اور اللہ تعالیٰ اس
عَلَى مَنْ تَابَ (متفق علیہ) — پر توجہ کرتا ہے جو (حرص دنیا سے) توبہ کرتا ہے

۲۰) حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ ؛ دوزخ ڈھانپی گئی نفسانی خواہشوں سے۔
وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ (متفق علیہ) ؛ اور جنت ڈھانپی گئی مشقت کے کاموں سے
۲۱) إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَى ؛ امت کے متعلق سب سے زیادہ مجھے جس بات کا ڈر ہے
أُمَّتِي الْهَوَى فَيَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ ؛ وہ خواہش نفسانی اور دنیا کی بڑی بڑی آرزوئیں
وَطُولُ الْأَمَلِ فَيُنْسِي الْآخِرَةَ (بیہقی) ؛ ہیں پس نفس کی خواہش حق سے روکتی ہے
وطول الامل ينسي الآخرة ؛ اور دنیا کی آرزوئیں آخرت کو بھلا دیتی ہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ و امر بالمعروف و نہی عن المنکر

۱) جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ (ابوداؤد و نسائی) ؛ مشرکین سے جہاد کرو اپنے مال سے اپنی جانوں سے اور اپنی زبان سے

۲) إِنَّ الْمُؤْمِنَ يُجَاهِدُ بِسَيْفِهِ وَلِسَانِهِ (شرح السنہ) ؛ مومن وہ ہے جو جہاد کرتا ہے تلوار سے اور زبان سے۔

۳) الْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللّٰهِ (بیہقی) ؛ حقیقی مجاہد وہ ہے جو لڑا نفس سے اللہ کی طاعت میں۔

۴) مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ (مسلم) ؛ جب کوئی تم میں خلاف شرع بات دیکھے تو چاہئے کہ مٹا دے اپنے ہاتھ سے اگر اس کی قدرت نہ ہو تو زبان سے برا کہے۔ اگر یہ بھی قدرت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ بہت کمزور ایمان کی علامت ہے۔

۵۔ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ ؛ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے
بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ ؛ تم کو چاہئے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر
الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ ؛ کرو ورنہ قریب ہے اللہ کا عذاب

عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ عِنْدِهٖ ثُمَّ لَتَدْعُنَّهٗ وَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ ۔ (ترمذی)

تم پر نازل ہو۔ پھر تم دعا کروگے اور وہ قبول نہ کی جائیگی۔

۶) اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوْا مُنْكَرًا فَلَمْ يُغَيِّرُوْهُ يُوْشِكُ اَنْ يَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابِهٖ (ابن ماجہ، ترمذی)

جب لوگ دیکھیں خلاف شرع کام اور نہ مٹائیں ان کو تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے عذاب میں لے لے۔

۷) مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُوْنُ فِيْ قَوْمٍ يَعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِيْ يَقْدِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يُّغَيِّرُوْا عَلَيْهِ وَلَا يُغَيِّرُوْنَ، اِلَّا اَصَابَهُمُ اللّٰهُ مِنْهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتُوْا (ابوداؤد، ابن ماجہ)

کسی قوم میں کوئی شخص گناہ کے کام کرتا ہو اور وہ اس کو مٹانے پر قدرت رکھ کر بھی نہ مٹائیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی موت سے پہلے ان پر عذاب نازل کرتا ہے۔

۸) لَا يَمْنَعَنَّ اَحَدًا مِنْكُمْ هَيْبَةُ النَّاسِ اَنْ يَّقُوْلَ بِحَقٍّ اِذَا عَلِمَهٗ (ترمذی)

نہ باز رکھے تم میں سے کسی کو لوگوں کا خوف اس بات سے کہ حق بات کہے جب حق معلوم ہو جائے۔

۹) اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَا يُعَذِّبُ الْعَامَّةَ بِعَمَلِ الْخَاصَّةِ حَتّٰى يَرَوُا الْمُنْكَرَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ وَهُمْ قَادِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يُّنْكِرُوْهُ فَلَا يُنْكِرُوْهُ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَذَّبَ اللّٰهُ الْعَامَّةَ وَالْخَاصَّةَ (شرح السنہ)

اللہ تعالیٰ بعض گناہگاروں کی وجہ سے سب پر عذاب نازل نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ لوگ خلاف شرع کام اپنے روبرو دیکھیں اور اس کو مٹانے پر قادر ہونے کے باوجود بھی نہ مٹائیں۔ جب یہ حال ہو جائے تو اللہ تعالیٰ عوام و خواص سب پر عذاب نازل کرتا ہے۔

۱۰) اَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِلٰى جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا وَكَذَا

اللہ عزوجل نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ ایسے ایسے شہر مع وہاں کے رہنے والوں کے الٹ دو۔

بِاَهْلِهِمَا فَقَالَ يَا رَبِّ اِنَّ فِيْهِمْ عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ قَالَ اَقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ فَاِنَّ وَجْهَهُ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ ۔ (بیہقی)

جبرئیلؑ نے عرض کیا یا رب اس شہر میں آپ کا ایک ایسا بندہ بھی ہے۔ جس نے کبھی آپ کی نافرمانی نہیں کی۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے الٹ دو بستی تو اس پر بھی اور ان لوگوں پر بھی۔۔۔ ۔۔۔۔ کیونکہ اس عبادت گزار کا چہرہ میرے معاملہ میں (یعنی میری نافرمانی دیکھ کر) کبھی متغیر نہیں ہوا

(مطلب یہ کہ ہماری نافرمانیوں کو دیکھ کر کبھی اس نے زبان ہلائی اور نہ ناراضی کا اظہار کیا)

۱۱۔ يُجَاءُ بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْقَىٰ فِي النَّارِ ۔۔۔۔۔۔۔ فَيَجْتَمِعُ اَهْلُ النَّارِ اِنَّ فُلَانُ مَا شَأْنُكَ اَلَيْسَ كُنْتَ تَاْمُرُنَا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَانَا عَنِ الْمُنْكَرِ قَالَ كُنْتُ اٰمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَا اٰتِيْهِ وَاَنْهَاكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاٰتِيْهِ ۔ (متفق علیہ)

قیامت کے دن ایک مرد لایا جائے گا۔ پھر وہ دوزخ میں ڈالا جائیگا ۔۔۔ [illegible] اس کے اطراف جمع ہوں گے اور پوچھیں گے کہ اے فلاں شخص [illegible] کیا ہو گا۔ کیا تو ہم کو اچھے کاموں کا علم نہیں دیتا تھا۔ اور برے کاموں سے منع نہیں کرتا تھا؟ تو وہ کہے گا میں نیک کام کو کہتا تھا اور خود نہیں کرتا تھا۔ اور برے کاموں سے تم کو منع کرتا تھا اور خود برے کام کرتا تھا۔

۱۳۔ مَرَرْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ بِرِجَالٍ تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيْضَ [illegible] قُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيْلُ قَالَ خُطَبَاءُ اُمَّتِكَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ وَيَقْرَءُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَلَا يَعْمَلُوْنَ

[illegible]

ریا اور شہرت سے بچنے کی تعلیم

۱) إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ ÷ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے اموال
وَأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰى ÷ کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ وہ تمہارے دلوں اور
قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ (مسلم) ÷ اعمال کو دیکھتا ہے۔

۲) مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ ÷ جو اپنے کو مشہور کروائے خدا تعالیٰ اس کو
يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (بخاری) ÷ قیامت کے دن رسوا کرے گا۔

۳) بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ ÷ آدمی کے لئے یہ برائی بس ہے کہ اپنے دین یا
أَنْ يُشَارَ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ ÷ دنیا کی وجہ سے لوگوں میں انگشت نما بنے
فِي دِينٍ أَوْ دُنْيَا إِلَّا مَنْ ÷ مگر جس کو اللہ محفوظ رکھے۔
عَصَمَهُ اللّٰهُ۔ (بیہقی) ÷

۴) يَسِيرُ الرِّيَاءِ شِرْكٌ ÷ ذرا سا دکھاوا (ریاء) بھی شرک ہے۔
(ابن ماجہ)

۵) مَنْ صَلّٰى يُرَائِيْ فَقَدْ ÷ جس نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا
أَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِيْ ÷ جس نے دکھاوے کے لئے روزے رکھے اس نے شرک کیا
فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ ÷ جس نے دکھاوے کے لئے صدقہ دیا اس نے شرک
يُرَائِيْ فَقَدْ أَشْرَكَ (احمد) ÷ کیا۔

۶) إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ ÷ بڑا خوف تمہارے متعلق جس کا مجھے ہے وہ شرک
عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ ÷ اصغر ہے (صحابہ کرامؓ) نے پوچھا شرک اصغر
قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا ÷ کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا دکھاوے کے لئے عمل کرنا
الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ قَالَ الرِّيَاءُ۔
[illegible]

۷) [illegible]

اِخْوَانُ الْعَلَانِيَةِ اَعْدَاءُ السَّرِيْرَةِ ۔ : جو بظاہر بھائی بھائی ہونگے اور بباطن دشمن ہونگے ۔

خوفِ الٰہی

۱۔ اِتَّقُوا اللّٰہَ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَۃِ : اللہ سے ڈرو خلوت میں بھی اور جلوت میں بھی (ترمذی)

۲۔ وَاللّٰہِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَّلَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا : خدا کی قسم جتنا میں جانتا ہوں اتنا تم جانو تو ہنسو کم اور رؤو زیادہ ۔ (ترمذی واحمد)

۳۔ مَنْ خَافَ اَدْلَجَ وَمَنْ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ اَلَا اِنَّ سِلْعَۃَ اللّٰہِ الْجَنَّۃُ (ترمذی) : جو (اللہ سے) ڈرا وہ پچھلی شب کو چلا ۔ (یعنی پچھلی شب اٹھ کر اللہ کی عبادت کی) اور جو پچھلی شب چلا وہ منزل پر پہنچا سن لو، اللہ کی متاع بڑی بیش قیمت ہے ۔ سن لو اللہ کی متاع جنت ہے ۔

آیۂ کریمہ :

یُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُھُمْ وَجِلَۃٌ اَنَّھُمْ اِلٰی رَبِّھِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ : [illegible] کرتے ہیں جو کچھ وہ کرتے رہتے ہیں ۔ ان کے دل [illegible] ہیں کہ ان کو اپنے رب [illegible]

کے متعلق سیدہ عائشہؓ نے [illegible] فرمایا ۔

۴۔ اَھُمُ الَّذِیْنَ یَشْرَبُوْنَ الْخَمْرَ وَیَسْرِقُوْنَ ۔ قَالَ لَا یَا بِنْتَ الصِّدِّیْقِ وَلٰکِنَّھُمُ الَّذِیْنَ یَصُوْمُوْنَ وَیُصَلُّوْنَ وَیَتَصَدَّقُوْنَ وَھُمْ [illegible] : کیا [illegible] شراب پیتے تھے اور چوری کرتے تھے آپؐ نے فرمایا نہیں اے صدیق کی بیٹی [illegible] وہ لوگ [illegible] روزے رکھتے اور نمازیں پڑھتے ہیں [illegible]

اَنْ لَّا یُّقْبَلَ مِنْھُمْ (ترمذی) کہ کہیں یہ نیکیاں قبول نہ ہوں۔

۵۔ اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ اَوْ حُفْرَۃٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ (ترمذی) یقیناً قبر ایک گلزار ہے جنت کے گلزاروں میں سے یا پھر ایک گڑھا ہے دوزخ کے گڑھوں میں سے

اللہ و رسول سے محبت اور اللہ ہی کے لئے دوستی و دشمنی

(۱) اِنَّ رَجُلاً قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَتَی السَّاعَۃُ قَالَ یَا وَیْلَکَ وَمَا اَعْدَدْتَ لَھَا قَالَ مَا اَعْدَدْتُ لَھَا اِلَّا اَنِّیْ اُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ قَالَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ اَنَسٌ فَرَأَیْتُ الْمُسْلِمِیْنَ مَا فَرِحُوْا بِشَیْءٍ بَعْدَ الْاِسْلَامِ فَرَحَھُمْ بِھَا۔ (متفق علیہ)

ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ قیامت کب آئے گی آپؐ نے فرمایا تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی۔ اس نے کہا کچھ تیاری میں نے نہیں کی سوائے اس کے کہ اللہ کو اور اس کے رسول کو سب سے زیادہ دوست رکھتا ہوں آپؐ نے فرمایا تو (قیامت میں) ان کے ساتھ ہوگا جس کو دوست رکھتا ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ مسلمان اسلام کے بعد اس بات سے زیادہ کسی اور بات سے خوش ہوئے ہوں۔

(۲) قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجَبَتْ مَحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَابِّیْنَ فِیَّ وَالْمُتَجَالِسِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیَّ (مالک)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واجب ہوئی میری محبت ان لوگوں کے لئے جو میری محبت میں ایک دوسرے کو دوست رکھتے ہیں آپس میں مل بیٹھتے ہیں اور میری محبت میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور میری محبت میں مال خرچ کرتے ہیں۔

(۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَبِیْ ذَرٍّ یَا اَبَا ذَرٍّ اَیُّ عُرَی الْاِیْمَانِ اَوْثَقُ قَالَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ الْمُوَالَاۃُ فِی اللّٰہِ وَالْحُبُّ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے پوچھا اے ابوذرؓ ایمان کی مضبوطی کیا ہے۔ (حضرت ابوذرؓ نے فرمایا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اللہ ہی کے لئے دوستی اور اللہ کے لئے کسی کو دوست رکھنا

وَالْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ ۔ اور اللہ ہی کے لئے بغض رکھنا ۔
(بیہقی)

۴) اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب اعمال سے اچھا عمل
تَعَالٰى اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ ۔ خدا کے لئے دوستی اور خدا کے لئے دشمنی ہے
فِي اللّٰهِ ۔ (احمد و ابوداؤد)

۵) مَا اَحَبَّ عَبْدٌ عَبْدًا لِلّٰهِ ۔ نہ دوست رکھا کسی بندے نے اللہ کے بندے کو
اِلَّا اَكْرَمَ رَبَّهٗ ۔ (احمد) ۔ مگر بزرگ رکھا اپنے رب کو ۔

۶) اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُعْطِي الدُّنْيَا ۔ تحقیق اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اور جس کو نہیں
مَنْ يُّحِبُّ وَمَنْ لَّا يُحِبُّ وَلَا ۔ چاہتے ہیں دونوں کو دنیا دیتے ہیں اور دین اس
يُعْطِي الدِّيْنَ اِلَّا مَنْ يُّحِبُّ فَمَنْ ۔ کو دیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں ۔ پس جس کو دین
اَعْطَاهُ الدِّيْنَ فَقَدْ اَحَبَّهٗ ۔ عطا کرتے ہیں اسی سے محبت کرتے ہیں ۔

۷) مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّحِبَّ اللّٰهَ ۔ جو اس کو پسند کرتا ہو کہ دوست رکھے اللہ کو اور
وَرَسُوْلَهٗ اَنْ يُّحِبَّ اللّٰهَ ۔ اللہ کے رسول کو یا اللہ اور اللہ کے رسول اسی کو
رَسُوْلَهٗ اَوْ يُحِبَّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۔ دوست رکھیں تو اس کو چاہئے کہ جب بات کرے
فَلْيَصْدُقْ حَدِيْثَهٗ اِذَا حَدَّثَ ۔ سچ کہے ۔ امانت میں خیانت نہ کرے اور
وَلْيُؤَدِّ اَمَانَتَهٗ اِذَا اؤْتُمِنَ ۔ ہمسایہ سے اچھا سلوک کرے ۔
وَلْيُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهٗ ۔
(بیہقی)

۸) مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِيْ فَقَدْ ۔ جس نے میری سنت کو دوست رکھا اس نے مجھ
اَحَبَّنِيْ ۔ (ترمذی) ۔ سے محبت کی ۔

ترک ملاقات و قطع رحم اور عیب جوئی کی ممانعت

لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ ۔ کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ اپنے بھائیوں سے

فَوْقَ ثَلٰثٍ فَمَنْ هَجَرَ فَوْقَ ثَلٰثٍ فَمَاتَ دَخَلَ النَّارَ (احمد و ابوداؤد)

تین دن سے زیادہ ترک ملاقات کرے۔ پس جس نے تین دن سے زیادہ ترک ملاقات کیا اور مرگیا وہ نار میں داخل ہوگیا۔

۲) اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا (متفق علیہ)

بدگمانی سے بچو، بدگمانی جھوٹ ہے۔ اور نہ عیب جوئی کرو اور نہ جاسوسی اور نہ بولی پر بولی بڑھاؤ اور نہ حسد کرو اور نہ عداوت رکھو اور نہ آپس میں پیٹھ دے کر بیٹھو۔ اور اے خدا کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔

۳۔ دَبَّ اِلَيْكُمْ دَاءُ الْاُمَمِ مِنْ قَبْلِكُمُ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ وَهِيَ الْحَالِقَةُ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ (احمد و ترمذی)

اگلی امتوں کی بیماری تم میں پیدا ہوگئی۔ حسد و عداوت۔ یہ بیماری کاٹنے والی ہے۔ یہ نہیں کہتا کہ بال کاٹنے والی۔ بلکہ دین کی جڑ کاٹنے والی ہے۔

۴) اِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ يَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ (ابوداؤد)

حسد نہ کرو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے۔ جیسے آگ لکڑی کو۔

۵) مَنْ ضَارَّ ضَارَّ اللّٰهُ وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔ (ابن ماجہ)

جس نے کسی کو ضرر پہنچایا اللہ اس کو ضرر پہنچائیگا اور جس کسی نے دشمنی کی اللہ اس سے دشمنی کریگا۔

۶) لَا تُمَارِ اَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدَةً فَتُخْلِفَهُ۔ (ترمذی)

نہ جھگڑا کر اپنے بھائی سے اور نہ ایسا مذاق کر (جو اس کو ناگوار ہو) اور نہ اس سے ایسا وعدہ کر جو پورا نہ ہو سکے۔

احسان وصلہ رحمی کی تعلیم

۱۔ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ قَالَ اُمُّكَ ثُمَّ اُمُّكَ ثُمَّ اُمُّكَ ثُمَّ اَبَاكَ ثُمَّ اَدْنَاكَ اَدْنَاكَ (متفق علیہ)

ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ حسن سلوک کا زیادہ مستحق کون ہے۔ فرمایا تیری ماں، تیری ماں، تیری ماں، پھر تیرا باپ، پھر جو زیادہ قریب ہو۔ زیادہ قریب ہو۔

۲۔ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَیْکُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّهَاتِ۔ (متفق علیہ)

ماؤں کو ستانا اللہ نے تم پر حرام کر دیا ہے

۳۔ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعُ رَحِمٍ۔ (متفق علیہ)

اہل قرابت سے قطع تعلق کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

۴۔ رِضَی الرَّبِّ فِیْ رِضَی الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِیْ سَخَطِ الْوَالِدِ۔ (ترمذی)

اللہ کی رضامندی باپ کی رضامندی سے ہے اور اللہ کی ناراضی باپ کی ناراضی میں ہے۔

۵۔ لَا تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ عَلٰی قَوْمٍ فِیْهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ (بیہقی)

اس قوم پر رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں اہل قرابت سے قطع کرنے والے پیدا ہو جائیں

مفاخرت اور عصبیت سے بچنے کی تعلیم

۱۔ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَوْحٰی اِلَیَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰی لَا یَفْتَخِرَ اَحَدٌ عَلٰی اَحَدٍ وَلَا یَبْغِیْ اَحَدٌ عَلٰی اَحَدٍ (مسلم)

اللہ نے مجھ پر وحی بھیجی کہ اتنی فروتنی اختیار کرو کہ نہ ایک دوسرے پر فخر کرو اور نہ زیادتی کرو

۲) إِنَّ اللّٰهَ اَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ ۔ تحقیق اللہ نے کی دور تم سے کفر کی نخوت اور باپ
الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرَهَا بِالْآبَاءِ ۔ دادا پر فخر کرنا پس آدمی یا تو مومن پارسا ہے
اِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ اَوْ فَاجِرٌ ۔ یا گنہ گار بدکردار۔ سب اولاد آدم ہیں
شَقِيٌّ اَلنَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُوْ آدَمَ ۔ اور آدم مٹی سے بنے ہیں۔
وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ ۔ (ترمذی وابوداؤد)
۳) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ ۔ حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نے پوچھا
قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْعَصَبِيَّةُ ۔ یا رسول اللہ عصبیت کیا ہے۔ فرمایا ظلم پر
قَالَ اَنْ تُعِيْنَ قَوْمَكَ عَلَى الظُّلْمِ ۔ اپنی قوم کی مدد کرنا عصبیت ہے۔ (ابوداؤد)
۴) لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰى عَصَبِيَّةٍ (ابوداؤد) ۔ جو عصبیت کی طرف بلائے وہ ہم سے نہیں۔

زبان کی حفاظت کرنے اور غیبت وبدگوئی سے بچنے کی تعلیم

۱) مَنْ يَضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ ۔ جو مجھ سے ضامن ہوا ان دو چیزوں کا جو دو
وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ ۔ جبڑوں اور دو رانوں کے بیچ میں ہے (یعنی
الْجَنَّةَ (بخاری) ۔ جس نے زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی)
۔ میں ضامن ہوتا ہوں اس کے لئے بہشت کا۔
۲) اِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ ۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی بات کہی اور
مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ لَا يُلْقِيْ لَهَا ۔ اس کو برا نہ جانا تو وہ اس کی وجہ سے دوزخ
بَالًا يَهْوِيْ بِهَا فِيْ جَهَنَّمَ ۔ میں جاتا ہے۔ (بخاری)
۳) سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ ۔ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل
وَقِتَالُهُ كُفْرٌ (متفق علیہ) ۔ کرنا کفر۔
۴) لَا يَرْمِيْ رَجُلٌ رَجُلًا ۔ اگر ایک شخص دوسرے کو فسق یا کفر کا الزام لگائے
بِالْفُسُوْقِ وَلَا يَرْمِيْهِ بِالْكُفْرِ ۔ اور وہ شخص فاسق یا کافر نہ ہو تو یہ عیب
اِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ اِنْ لَمْ ۔ کہنے والے پر پلٹ پڑے گا۔
يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذٰلِكَ (بخاری) ۔
۵) لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ ۔ بہشت میں چغل خور داخل نہ ہوگا (متفق علیہ)

۶) اِنَّ الْكِذْبَ فُجُوْرٌ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ اِلَى النَّارِ (مسلم) ٭ یقیناً جھوٹ بولنا نافرمانی ہے۔ اور نافرمانی دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔

۷) اِذَا رَاَيْتُمُ الْمَدَّاحِيْنَ فَاحْثُوْا فِىْ وُجُوْهِهِمُ التُّرَابَ (مسلم) ٭ جب تم (منہ پر) تعریف کرنیوالوں کو دیکھو تو ان کے چہروں پر خاک ڈال دو۔

۸) وَاِذَا قُلْتَ لِاَخِيْكَ مَا فِيْهِ فَقَدْ اغْتَبْتَهُ وَاِذَا قُلْتَ مَا لَيْسَ فِيْهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ (مسلم) ٭ جب تو نے اپنے بھائی کی ایسی برائی بیان کی جو اس میں ہے تو یہ غیبت ہے۔ اور ایسی بات کہی جو اس میں نہیں ہے تو یہ بہتان ہے۔

۹) اِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ شَرِّهٖ (متفق علیہ) ٭ اللہ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے بدترین شخص وہ ہے جس کی برائی سے بچنے کے لئے لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں۔

۱۰) اَتَدْرُوْنَ مَا اَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ الْاَجْوَفَانِ الْفَمُ وَالْفَرْجُ (ترمذی و ابن ماجہ) ٭ کیا تم جانتے ہو ان بہت سی چیزوں کو جو لوگوں کو نار میں داخل کریں گی وہ دو درمیانی چیزیں ہیں منہ اور شرمگاہ

۱۱) مَنْ صَمَتَ نَجَا۔ (احمد و ترمذی) جس نے خاموشی اختیار کی اس نے نجات پائی

۱۲) اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ (احمد و ترمذی) ٭ اپنی زبان کو قابو میں رکھ۔ گھر میں بیٹھا رہ اور اپنی خطاؤں پر رویا کر۔

۱۳۔ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ۔ (ابن ماجہ و ابوداؤد) ٭ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے وہ بیہودہ باتوں کو ترک کر دے۔

۱۴) كَبُرَتْ خِيَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاكَ حَدِيْثًا هُوَ لَكَ بِهٖ مُصَدِّقٌ وَاَنْتَ بِهٖ كَاذِبٌ ٭ بڑی خیانت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی سے کوئی بات کہے اور وہ اس کو سچا جانے حالانکہ تو جھوٹا ہے۔ (ابوداؤد)

۱۵) لَا يَنْبَغِىْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يَكُوْنَ لَعَّانًا۔ (ترمذی) ٭ لعنت کرتے رہنا مومن کی شان نہیں

۱۶) لَا تَلَاعَنُوْا بِلَعْنَةِ اللّٰهِ وَلَا بِغَضَبِ اللّٰهِ وَلَا بِجَهَنَّمَ (ابوداؤد و ترمذی) ٭ نہ کہو کسی کو اللہ کی لعنت تجھ پر، اور اللہ کا غضب تجھ پر اور نہ کہو جہنمی۔

۱۷۔ إِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الرَّبُّ ۔ جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ
وَاهْتَزَّ لَهُ الْعَرْشُ (بیہقی) ۔ کو غصہ آتا ہے اور اس کا عرش کانپ جاتا ہے

۱۸۔ اَلْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِّنْ جَلِيْسِ السُّوْءِ ۔ برے ہم نشین سے تنہائی بہتر ہے اور اچھا ہم
وَالْجَلِيْسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِّنَ الْوَحْدَةِ ۔ نشین تنہائی سے بہتر ہے۔ اچھی بات کہنا
وَ إِمْلَاءُ الْخَيْرِ خَيْرٌ مِّنَ السُّكُوْتِ ۔ خاموشی سے بہتر ہے اور بری بات کہنے سے
وَالسُّكُوْتُ خَيْرٌ مِّنْ إِمْلَاءِ الشَّرِّ ۔ سکوت بہتر ہے۔
(بیہقی)

۱۹۔ مُقَامُ الرَّجُلِ بِالصَّمْتِ أَفْضَلُ ۔ آدمی کا درجہ خاموشی کی وجہ سے فضیلت رکھتا ہے
مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً (بیہقی) ۔ ساٹھ سال کی عبادت پر

۲۰۔ شِرَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الْمَشَّاءُوْنَ ۔ اللہ کے برے بندے وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی چغلی
بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْأَحِبَّةِ ۔ کرتے پھرتے ہیں تاکہ دوستوں میں جدائی ڈالدیں
(احمد)

۲۱۔ اَلْغِيْبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَاءِ (بیہقی) ۔ غیبت زنا سے زیادہ سنگین جرم ہے۔

۲۲۔ تَجِدُوْنَ أَشَرَّ النَّاسِ يَوْمَ ۔ تم قیامت کے دن بدترین شخص اس کو پاؤ گے
الْقِيٰمَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِيْ ۔ جو دو منہ والا ہے ان سے ایک بات کہتا ہے
يَأْتِيْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَاءِ ۔ اور دوسروں سے ایک بات۔
بِوَجْهٍ (متفق علیہ) ۔

مخلوق پر شفقت و مہربانی کی تعلیم

۱۔ لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَّا يَرْحَمُ ۔ اللہ ان پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہ کرے
النَّاسَ (متفق علیہ) ۔

۲۔ اَلسَّاعِيْ عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَ ۔ بیوہ اور محتاج کا کام کرنیوالا بھی دین الٰہی کے لئے
الْمِسْكِيْنِ كَالسَّاعِيْ فِيْ سَبِيْلِ ۔ جدوجہد کرنیوالے کے برابر ہے۔
اللّٰهِ ۔ (متفق علیہ) ۔

۳) اَلْمُؤْمِنُ كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ وَ اِنِ اشْتَكٰى رَأْسُهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ ۔ (مسلم)

سب ایماندار ایک شخص کی طرح ہیں کہ اگر اس کی آنکھ میں درد ہو تو تمام بدن میں درد ہو۔ اگر اس کے سر میں درد ہو تو تمام بدن میں درد ہو۔

۴) اِنَّهٗ كَانَ اِذَا اَتَاهُ السَّائِلُ اَوْ صَاحِبُ الْحَاجَةِ قَالَ اِشْفَعُوْا فَلْتُؤْجَرُوْا (متفق علیہ)

جب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس کوئی سائل یا حاجتمند آتا تو آپ (حاضرین سے) فرماتے تم سفارش کرو اجر پاؤ گے۔

۵۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْصُرُهٗ مَظْلُوْمًا فَكَيْفَ اَنْصُرُهٗ ظَالِمًا قَالَ تَمْنَعُهٗ مِنَ الظُّلْمِ فَذٰلِكَ نَصْرُكَ ۔ (متفق علیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدد کرو اپنے بھائی کی ظالم ہو یا مظلوم ایک صاحب نے پوچھا مظلوم کی مدد کروں گا مگر ظالم کی مدد کس طرح کروں۔ فرمایا ظالم کو ظلم سے روک دو یہی اس کی مدد کرنا ہے۔

۶۔ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا يُسْلِمُهٗ وَمَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (متفق علیہ)

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو دشمن کے حوالے کرے۔ اور جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی حاجات پوری کرتے ہیں۔ اور جو مسلمان کی تکلیف دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کی تکالیف سے اس کو محفوظ رکھتے ہیں۔ اور جو مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرتے ہیں۔

۷) بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ يَحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ

آدمی کے لئے یہ برائی کافی ہے کہ وہ اپنے بھائی کی تحقیر کرے۔ (مسلم)

۸) وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ، وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ قِیْلَ مَنْ؟ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَلَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ

اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں۔ جس کا ہمسایہ اس کی برائی سے امن میں نہ ہو۔ (متفق علیہ)

۹) اِذَا کُنْتُمْ ثَلٰثًا فَلَا یَتَنَاجٰی اثْنَانِ دُوْنَ الْاٰخَرِ حَتّٰی یَخْتَلِطُوْا بِالنَّاسِ مِنْ اَجْلِ اَنْ یُحْزِنَہٗ (متفق علیہ)

جب تم تین آدمی ہو تو دو آدمی ایک کو چھوڑ کر سرگوشی نہ کریں۔ حتیٰ کہ لوگوں سے ملیں کیونکہ اس بات سے تیسرے کو تکلیف ہوگی۔

۱۰) اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ

رحم کرو زمین والوں پر، رحم کرے گا تم پر آسمان والا (ابوداؤد و ترمذی)

۱۱) لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا

وہ ہم سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے (ترمذی)

۱۲) اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰہِ تَعَالٰی اِکْرَامَ ذِی الشَّیْبَۃِ الْمُسْلِمِ وَحَامِلِ الْقُرْاٰنِ غَیْرِ الْغَالِیْ فِیْہِ وَلَا الْجَافِیْ عَنْہُ (ابوداؤد)

بوڑھے مسلمان کی تعظیم اور حامل قرآن کی تعظیم (وہ حامل قرآن نہیں جو صرف تجوید اور مخارج کی دھن میں رہتا ہو اور معنی میں فکر نہ کرتا ہو) دراصل اللہ کی تعظیم ہے۔

۱۳۔ خَیْرُ بَیْتٍ فِی الْمُسْلِمِیْنَ بَیْتٌ فِیْہِ یَتِیْمٌ یُحْسَنُ اِلَیْہِ وَشَرُّ بَیْتٍ فِی الْمُسْلِمِیْنَ بَیْتٌ فِیْہِ یَتِیْمٌ یُسَاءُ اِلَیْہِ (ابن ماجہ)

مسلمانوں کے گھروں میں اچھا گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں کے گھروں میں برا گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جائے۔

۱۴) خَیْرُکُمْ مَنْ یُّرْجٰی خَیْرُہٗ [illegible]

تم میں اچھا وہ ہے جس سے نیکی کی امید ہو اور اس کے شر سے لوگ محفوظ ہوں اور تم میں برا وہ ہے جس سے نیکی کی [illegible] اس کے شر سے [illegible]

[illegible]

عقل و فطرت انسانی کا مطالبہ

مَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ (الحدید ۸) ترجمہ: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تم کو تمہارے اپنے پروردگار پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں۔

جو ذات ہماری ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کرتی ہے اسی کے آگے ہم جھکتے ہیں۔ اور اسی کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ اسی کو راضی و خوش رکھنے کے لئے اپنی مرضی کو اس کی مرضی کا پابند بناتے ہیں کیونکہ ہم اس کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں۔ چنانچہ ہم اسی کے اصول پر اپنے کاروبار انجام دیتے ہیں۔

ثابت ہوا کہ ہماری عقل و فطرت کا یہی مطالبہ ہے۔

اسی مطالبہ کی تکمیل میں ہم کو سب سے زیادہ اپنے خالق و پروردگار کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا چاہئیے تھا۔ لیکن اس کی نافرمانی پر ہم سب خوب دلیر ہو گئے ہیں۔ یہ جہالت ہے، نادانی ہے اور گمراہی ہے جب کہ ہم ہمیشہ ہمیشہ سے یہ جانتے اور سمجھتے ہیں کہ اللہ کو خالق و رب اور معبود تسلیم کرنے کا لازمی تقاضا یہی ہے کہ اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری اللہ ہی کے بتائے ہوئے طریقوں پر کی جائے جن کو اس نے اپنے رسول کے ذریعہ ہم کو بتلا دیا ہے۔ کیونکہ اللہ کی یہی مرضی ہے۔

لیکن نادانی اور جہالت کا برا ہو کہ ہر شخص اپنے باپ دادا کے طریقہ پر چند رسوم بعنوان پوجا پاٹ کر لینا کافی سمجھ رہا ہے۔

غور کیجئے! اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم عقل و فطرت کے مطابق اپنے پروردگار کو الٰہ واحد ماننے اور اسی کی اطاعت فرمانبرداری اسی کے بتائے ہوئے طریقوں پر کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ دین اسلام کی اولین بنیاد یہ ہے کہ بندہ اپنے پروردگار سے بلا واسطہ و وسیلہ قائم کرلے۔ یعنی اللہ کے سوا کسی اور کو نہ اپنا داتا سمجھے اور نہ مشکل کشا اور نہ فریاد رس۔

عقل و فطرت کے تقاضوں کو پورا نہ کرنا اپنے ہاتھوں اپنی بربادی کا سامان کرنا ہے۔ غور کیجئے اور ایمان لے آئیے۔

MONTHLY

ALHAQ الحق

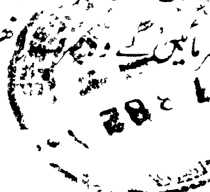
HYDERABAD.(A.P) Regd.No. 154

مقاصد الحق

- باطل غیر فطری افکار، افترائی ادیان کا ابطال اور عالم انسانیت کے لیئے ایک ہی دین حق کا اثبات و تعارف۔
- اُخروی ابدی زندگی سے غافل، اللہ تعالیٰ سے برگشتہ بندوں کو اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرنے کی بے لاگ جدوجہد، تاکہ اللہ تعالیٰ کے بندے حیات بعد الموت کی خیر البقی زندگی کے طالب و حریص بن کر دُنیا میں امن و سلامتی کی زندگی بسر کریں۔
- مُسلمانوں کی پوری زندگی میں علماً و عملاً اتباع کتاب و سُنّت اور باطل نظام زندگی کے خلاف علمی و لسانی جہاد کی ترغیب۔

رسالہ الحق کا زرِ تعاون

- بالکلیہ اشاعت حق کے اغراض میں صرف ہوتا ہے۔ لہذا جو حضرات مالی تعاون فرمائیں گے وہ ان کے لئے ذخیرۂ آخرت ہوگا۔



ماہنامہ

الحق

مکان نمبر 14-1-497 سیتارام پیٹ
رُوبرو گیان باغ، حیدرآباد، آندھرا پردیش (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ؀ (انبیاء)

تحقیق ہم نے تمہاری طرف کتاب بھیجی ہے اسمیں تمہارا ہی ذکر ہے کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ (انبیاء)

ماہنامہ

الحق

حیدرآباد

بلکہ ہم باطل پر حق کی ضرب لگاتے ہیں کہ اس کا دماغ پاش پاش ہو جاتا ہے پھر وہ سر نہیں اٹھا سکتا۔

فطرتِ انسانی کا تذکرہ

مؤسس مولوی صفوۃ الرحمن صاحب مرحوم

جلد (۴۷) شمارہ (۷، ۸) ماہ ربیع الاوّل و ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ مطابق نومبر و دسمبر ۱۹۸۹ء

ایڈیٹر اینڈ پبلیشر سید عبدالحلیم نے نیشنل فائن پرنٹنگ پریس چار کمان میں طبع کرا کر ۱۴-۱-۴۹۷
سیتا رام پیٹھ حیدرآباد ۱۲ سے شائع کیا۔

AL-HAQ ... No. 154.

التماس: "الحق" میں اگر کوئی غلط بات ... کی نشاندہی ... ہماری اصلاح ہو ...

ایک فتوے کا جائزہ

ہفت روزہ مجلہ "توعیہ اسلامیہ" سال سوم چوتھا شمارہ ۲ رذی الحجہ ۱۴۰۳ھ
جس کی اشاعت کا اہتمام حکومتِ سعودیہ کرتی ہے۔ جس میں وسیلہ کے تعلق سے جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے۔
جو صریحاً قرآن کے خلاف ہونے کی بناء پر جائزہ پیش ہے۔ فتوے کی عبارت خطِ کشیدہ رکھی گئی ہے۔

سوال: کیا کسی مسلمان کے لئے جائز ہے کہ وہ انبیاء وصالحین کے وسیلہ سے دعا کرے؟ کیونکہ میں نے بعض علماء کا یہ قول دیکھا ہے کہ اولیاء کے وسیلہ سے دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اصل دعا اللہ تعالیٰ ہی سے کی جاتی ہے، اور بعض علماء نے اس کی مخالفت کی ہے، آپ بتائیے کہ شریعت کا اس بارہ میں کیا حکم ہے؟

جواب: پہلے تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ ولی ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس سے ڈرے اور جس چیز کا اللہ نے حکم دیا ہے اُسے بجا لائے اور جس چیز سے روکا ہے اس سے باز رہے۔ ارشادِ باری ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ.

ترجمہ: یاد رکھو اللہ کے ولیوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں، (اللہ کے ولی) وہ ہیں جو ایمان لائے اور معاصی سے پرہیز رکھتے ہیں۔

یہاں تو سورہ کا حوالہ دیا گیا ہے نہ آیت نمبر جس کی وجہ سے ایک عام قاری اس کو ایک ہی آیت سمجھے گا حالانکہ یہ سورہ یونس کی دو آیات ۶۲ ۶۳ ہیں۔ قرآن کی روشنی میں حاجیوں کے عقائد کی اصلاح کرنے کی بجائے الٹا باطل عقائد کی صحت کے فتوے دینا (بقول شخصے "کو از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی" (کعبہ ہی سے جب کفر کی باتیں نکلنے لگے گی تو مسلمانی کہاں باقی رہ سکتی ہے) کے مترادف ہے کیونکہ جن آیات میں ہم کو اللہ کا ولی بننے کی دعوت دی گئی ہے ان ہی سے ہم لوگوں کو اللہ کا ولی کہنے کا جواز فراہم کر رہے ہیں جو غلط رہنمائی ہے چنانچہ آیت نمبر ۶۳ میں اللہ کا ولی بننے کا طریقہ بھی بیان کر دیا گیا ہے وہ یہ کہ آخرت کی ابدی زندگی سے متعلق اللہ و رسولؐ کی باتوں پر یقین کرتے ہوئے دنیا میں ہر قسم کی نافرمانی سے بچنے کی کوشش کرنا ہے۔

یہ ایک اٹل حقیقت واقعہ ہے کہ ان آیات کے نزول کے وقت ہمارے ولیوں میں سے کسی بھی ولی کا

وجود نہ تھا البتہ صحابہ کرامؓ موجود تھے جن کو یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب فرمایا گیا ہے جن کا مقام ہمارے تمام دلیوں سے کہیں زیادہ اونچا ہے جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے: اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (بقرہ ـ ۲۵۷) (اللہ ایمان لانے والوں کا ولی بن جاتا ہے) یہ وعدۂ الٰہی ہر اس شخص کے لئے ہے جو صحابہ کرام کی طرح ایمان لانے کی کوشش کرتا ہے۔ غور کیجئے کہ بندہ کا اللہ کا ولی ہونا بڑا مرتبہ ہے یا اللہ بندہ کا ولی ہونا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ کون اللہ کا ولی ہے اور کون نہیں اس کا فیصلہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی حشر کے دن فرمائیگا۔ اس لئے کسی کو ہمارا ولی کہنا سراسر غلو ہے، جو حرام ہے۔

اب سنئے! وسیلہ کی کئی قسمیں ہیں: (۱) کوئی شخص کسی زندہ ولی اور بزرگ سے یہ طلب کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کشادگیٔ رزق یا کسی مرض سے شفایابی یا ہدایت و توفیق کی دعا کرے تو اس قسم کا وسیلہ جائز ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ جب بارش میں دیر ہوئی تو بعض صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کہا کہ آپؐ ہمارے لئے بارش کی دعا فرما دیں تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی اور بارشؒ نازل فرما دی۔

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں صحابہ کرامؓ نے حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ سے کہا کہ آپ بارش کے لئے دعا فرما دیں تو حضرت عباسؓ نے دعا فرمائی اور صحابہ نے اس پر آمین کہا۔ اس کے علاوہ جو کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا یعنی یہ کہ کسی مسلمان نے اپنے دوسرے بھائی سے کسی منفعت کے حصول یا مضرّت کے دور کرنے کے لئے دعا کروائی ہو تو اس قسم کا وسیلہ جائز ہے۔

متذکرہ بالا دونوں واقعات اجتماعی دعا کے واقعات ہیں یعنی دعا کرانے والے اور دعا کرنے والے دونوں مل کر دعا کئے ہیں اس لئے ان کو دوسروں سے دعا کروانے کے جواز میں پیش کرنا محلِ غور ہے کیونکہ احتیاج جس لگن و تڑپ کے ساتھ دعا کرتا ہے اس طرح کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ ارشاد ہے: اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ (سورۃ النمل ۶۲) جب کوئی بھی بیقرار ہو کر دعا کرتا ہے تو اس کی دعا کو قبول کرنے والا اور مصیبت کو دور کرنے والا کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی ہے؟ ـــ سب سے اہم بات رب اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ صرف رب ہی سے راست (بلا کسی واسطہ و وسیلہ اور سعی و سفارش کے) مانگے۔ حاجت روا وعدہ فرمایا ہے کہ میں تمہاری دعا ضرور قبول کروں گا اور خبردار کر دیا کہ جو رب سے (بلا واسطہ و وسیلہ اور سعی و سفارش کے) راست نہیں مانگتے وہی دراصل تکبر کرنے والے ہیں (وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ۔ (اللہ کی انہوں نے قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنی چاہئے۔) جو عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل

سنے جائیں گے (المومن ۶۰) اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی دعا قبول کرنے کا تیقن بھی دیا ہے (البقرہ ۱۸۶) غور فرمایئے کہ دوسروں سے دعا کرانے کی بات رب العالمین کی باتوں کو سچا ماننا ہے یا جھوٹا۔ البتہ بلا درخواست کے ایک دوسرے کے لئے دعا کیجا سکتی ہے۔ اور ایسا کرنا چاہیئے کیوں کہ اس میں وہ احتمالات نہیں ہوتے جو درخواست کرنے پر دعا کرنے میں ہیں چنانچہ زندہ اور فوت شدہ افراد کے لئے دعا کیجاتی ہے۔ اس کے علاوہ ہم سے کسی کو رنج پہنچا ہو تو اس سے معافی مانگتے ہوئے اللہ سے بھی معاف کرنے کی درخواست کیجا سکتی ہے اور ایسا کرنا چاہیئے۔ چنانچہ سورہ النساء آیت ۶۴ میں "رسول بھی ان کی مغفرت کے لئے دعا کرتے" کی بات ان ہی لوگوں سے متعلق ہے جو اپنی نافرمانی سے رسول کو رنج پہنچائے تھے اور سورہ یوسف آیت ۹۷ میں بھی یوسفؑ کے بھائیوں نے اپنے والد سے درخواست کئے کہ ان کی ان خطاؤں کی معافی کے لئے اللہ سے دعا کریں جن سے ان کے والد کو بے حد صدمہ پہنچا تھا۔ ملحوظ رہے کہ ایسے حضرات اگر مرچکے ہوں تو ان سے معافی کے لیے دعا کرنے کی درخواست ہرگز نہیں کیجا سکتی کیونکہ ______ دعا کرنے کے لئے مردوں سے کہنا شیطان کی سکھائی ہوئی بات ہے۔ (سورہ النساء ۱۱۷) کیونکہ نبی کریم بھی مردوں کو اور قبر میں مدفون افراد کو اپنی بات نہیں سنا سکتے تھے۔ (النمل ۸۰، روم ۵۲، فاطر ۲۲) چنانچہ نبی کریمؐ بھی وصال کے بعد سے حشر تک دنیا والوں کی پکار و دعا و درود سے قطعی بے خبر اور لاعلم ہیں۔ (یونس ۲۸، ۲۹، النحل ۸۶، الاحقاف ۵، ۶)۔

زندہ افراد کا مُردوں کے لئے دُعائے مغفرت کرنا ایک علیٰحدہ بات ہے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کا اپنے والدین کے لئے دُعا مغفرت کرنا قرآن میں بیان ہوا ہے (ابراہیم ۴۱، نوح ۲۸)

... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت یا آپ کی اتباع اسی طرح اولیاء کے ساتھ محبت کا وسیلہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو بھی جائز ہے مثلاً یہ کہے کہ "اے اللہ! میں تیرے نبی کی محبت، ان کی اتباع اور تیرے اولیاء کی محبت کے وسیلہ سے تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے فلاں چیز، رحمت عطا فرما دے، اس طرح سے دعا کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں بندہ اپنے نیک عمل کے وسیلہ سے دعا کر رہا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اولیاء سے محبت نیک اعمال میں سے ہے اور نیک عمل کے وسیلہ سے دعا کیجا سکتی ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ حدیث میں ان تین شخصوں کا ذکر ہے جو پناہ کے لئے کسی غار میں اندر چلے گئے تھے اور اوپر سے ایک چٹان آئی جس نے غار کو بند کردیا تھا تو ان لوگوں نے اپنے اپنے نیک اعمال کا وسیلہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی اور اللہ نے ان کی دعا کو قبول کرلیا تھا۔

سب کا مسلمہ ہے کہ بندہ صرف دُعا ہی کے ذریعہ اپنے رب سے جُڑتا ہے اسلئے دُعا میں

واسطہ، وسیلہ کی ہر بات یکا دین اسلام کے خلاف ہونا تو اسی وقت سمجھ میں آسکتا ہے جبکہ دین کے مسلّمات ذہن میں ہوں لیکن متذکرہ بالاقسم کے وسیلہ کی قباحت تو اظہر من الشمس ہے۔

(۱) ارشادِ الٰہی وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط (بقرہ - ۱۶۵) (اور جو لوگ ایمان لائے ان کو سب سے زیادہ محبت صرف اللہ سے ہوتی ہے) کی رو سے سب سے زیادہ محبت اللہ سے ہونا شرطِ ایمان ہے اس لئے سب سے زیادہ جس سے محبت ہو اس کو کسی اور سے اپنی محبت (کمتر) کا واسطہ دینا یا وسیلہ لینا صریحاً ایمان کے منافی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے جس قدر محبت کرنا چاہئے اتنی ہی رسول سے محبت کرنا صریحاً غلو ہے جو حرام ہے۔

(۲) الف۔ اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ (ھود: ۹۰) (بلاشبہ میرا پروردگار سب سے زیادہ رحم کرنے والا، سب سے زیادہ محبت کرنے والا ہے۔)

ب۔ اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (بقرہ - ۱۴۳) (بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت ہی شفقت کرنے والا بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔)

ان ارشاداتِ الٰہی سے قطعی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں سے بے حد محبت کرتا ہے اللہ کی محبت کے متعلق کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رحم کے سو (۱۰۰) حصوں میں سے صرف ایک حصہ ساری مخلوق میں تقسیم کردیا ہے جس کا ادنیٰ سا نمونہ ماں ہے جو اپنی اولاد کے لئے رات کی نیند اور دن کا چین حرام کرلیتی ہے۔ ایسے شدید محبت کرنے والے رب کو مخلوق سے اپنی محبت کا واسطہ دینا یا وسیلہ لینا رب کی محبت کا مذاق اڑانا ہے۔ اعلیٰ کو کمتر کا واسطہ دینا صریحاً عقل کے خلاف ہے۔

کوئی بچہ بھی اپنی خواہش یا ضرورت پوری کروانے کے لئے ماں کو نہ کسی کا واسطہ دیتا ہے اور نہ کسی کا وسیلہ لیتا ہے تو ستّر ماں باپ سے زیادہ محبت کرنے والے رب سے مانگنے کیلئے اس کو واسطہ دینے یا وسیلہ لینے کی بات صریحاً رب کی ربوبیت کو ماں کے مقابلہ میں ناقص اور گھٹیا قرار دینا ہے۔

(۳) وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ط اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دٰخِرِیْنَ (المومن ۶۰) (اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ تم صرف مجھ ہی سے مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا یقیناً جو رب سے (راست) بلا واسطہ (وسیلہ) نہیں مانگتے وہی دراصل تکبر کرنے والے ہیں جو عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔)

(۴) أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۔ بقرہ ۔ ۱۸۶ (میں ہر ایک دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب بھی وہ دعا کرے۔) دعا کی قبولیت کی یہ گیارنٹی ہر ایک کے لئے ہے چاہے پیغمبر ہو یا امتی، کافر ہو یا مومن، نافرمان ہو یا فرمانبردار اور ثبوت میں شیطان کی دعا بھی لعنتی قرار دیا جانے کے بعد کی تھی قبول کی گئی۔ دعا کی قبولیت کے بارے میں اللہ کے رسولؐ نے وضاحت فرمائی ہے کہ ہر ایک کی دعا تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے یعنی بعینہ یا ذخیرۂ آخرت یا بالبدل قبول کی جاتی ہے۔ (احمد)

(۵) دعا میں واسطہ دینا یا وسیلہ لینا عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے اور عقیدہ کی بنیاد کے لئے نص قرآنی کا ہونا لازمی و ضروری ہے۔ قرآن میں واسطہ و وسیلہ کا اشارہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ اس کی تردید و نفی میں انابت الی اللہ اور حنیفیت کی تعلیم ہے۔ اس کے باوجود وسیلہ کے ثبوت میں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (المائدہ ۔ ۳۵) اے ایمان والو اللہ کی نافرمانی کے انجام بد سے ڈرتے ہوئے اس کی طرف وسیلہ (قرب) یعنی اس کی رحمت کے زیادہ سے زیادہ مستحق بننے اور اس سے مدد پانے کی کوشش (تلاش کرو (جس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ) اس کے راستہ میں جہاد (اللہ کے بندوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کی کوشش) کرو (یہی ایک واحد طریقہ ہے) جس سے تم فلاح پا سکو گے) کو پیش کیا جاتا ہے۔ حالانکہ قرآنی لفظ وسیلہ کے وہ معنی ہرگز نہیں ہیں جو اردو زبان میں لفظ وسیلہ کے ہیں جس کی تصدیق جَاهِدُوا (جہاد کرو) سے ہو جاتی ہے۔ وسیلہ (قرب) (ابتغوا) تلاش کرنے کی وضاحت ہر قسم کے واسطے، وسیلہ کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ واسطہ دیا جاتا ہے اور وسیلہ لیا جاتا ہے لیکن تلاش نہیں کیا جاتا۔ قرآنی لفظ وسیلہ کو اردو زبان میں مستعمل لفظ وسیلہ کے معنی قرار دینا کھلی تحریف معنوی ہے۔

(۶) شیطان رب کو اس کی عزت کی قسم کھا کر چیلنج کیا کہ بنی آدم کو وہ اس طرح گمراہ کرے گا (اعراف ۸۲) کہ ان کی اکثریت ایک تو اپنے رب کی شکرگذار نہ ہوگی (اعراف ۱۷) دوسرے وہ آخرت کی ابدی زندگی کی فکر کرنے کی بجائے دنیا ہی کی فکر میں گم ہو کر رہ جائے گی (النجم ۳۹) اور شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَا يَبْلَىٰ (طٰہٰ ۱۲۰) (شجر حیات اور لازوال بادشاہی) کا لالچ دے کر آدمؑ سے رب کی نافرمانی کروایا جس سے معلوم ہوا کہ وہ انسانوں کو جنت سے محروم اور مستحق دوزخ بنانے کی انتہائی کوشش کرنے والا ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ (الفاطر ۶، شیطان بلاشبہ تمہارا دشمن ہے سو تم بھی اس کو اپنا دشمن ہی سمجھتے رہو وہ اپنے لوگوں کو صرف ایسی ہی باتوں کی طرف بلاتا ہے جن کو اختیار کرنے سے وہ

دوزخ والوں میں سے ہو جائیں) اور كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ (الحج ۴) (اس کے متعلق یہ قطعی فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ جو کوئی اس سے دوستی کرے گا تو اس کو وہ گمراہ کر کے ہی رہے گا وہ اس کو جو راستہ بھی بتائے گا وہ دوزخ ہی کا راستہ ہوگا۔) ایسا خطرناک دشمن جو نہ دکھائی دے اور نہ اس کی آواز ہی سنی جا سکتی ہے سے بنی آدم کا اپنے طور پر بچنا ممکن ہی نہ تھا تو رب نے اپنے بندوں کو اس کے مکر و فریب سے بچنے کا آسان و مجرب نسخہ "اَلدُّعَا" بتلایا اور حکم دیا فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۗ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (المومن ٦۵) (پس اپنے رب ہی سے مانگا کرو مخلص ہو کر تمہاری اطاعت صرف اسی کے لئے ہونا چاہئے اور اللہ ہی کے لئے ہر قسم کی تعریف و شکر ہے کیونکہ وہی تنہا بلا شرکت غیرے تمام کائنات کی پرورش کر رہا ہے)، اور ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ (اعراف ۵۵) (تم صرف اپنے رب ہی سے دعا کیا کرو اپنی عاجزی کو پیش کرتے ہوئے اور چپکے چپکے)، اس ہدایت کے خلاف کرنے والوں کو مُعْتَدِينَ (حد سے نکل جانے والے) کہا گیا اور ہدایت دی گئی وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ (اعراف ۵٦) (اور اپنے رب ہی سے دعا کرتے ہوا امید و خوف کے ساتھ) اسی طریقہ کو صحیح قرار دیا گیا ہے اور اس کے خلاف یا اس میں کوئی نقص اور خرابی پیدا کر لینا فساد فی الارض قرار دیا گیا ہے مختصر یہ کہ رب نے بندوں کو حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ ۚ (الحج ۳۱) ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ ہی سے مدد مانگا کرو اور اس کا خاص خیال رکھو کہ رب کے تعلق سے تم میں ایسی کوئی خرابی نہ ہونے پائے جس میں مشرکین مبتلا ہیں۔) کی تاکید فرمائی ہے اور نمونہ کے لئے اپنے حنیف بندے حضرت ابراہیمؑ کے اسوہ کو اپنی کتاب القرآن میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے کبھی بھی اور نہ کسی طرح کا بھی واسطہ دیا نہ وسیلہ لیا بلکہ راست اپنے رب ہی سے دعا کئے ہیں۔

(۷) ارشادِ رسولؐ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ (دعا ہی مغز عبادت ہے) اور الدعاء هي العبادة (عبادت کی اصل دعا ہے) سے دعا کا مغز اور اصلِ عبادت ہونا ثابت ہے۔ غور کیجئے کہ عبادت میں جب کسی کا بھی نہ واسطہ دیا جا سکتا ہے اور نہ وسیلہ تو مغز و اصلِ عبادت یعنی دعا میں واسطہ وسیلہ کی بات کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔

(۸) هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ ۖ (الحج ۱۹) (یہ دو گروہ ہیں جو اپنے رب کے بارہ میں جھگڑ رہے ہیں۔) کے ارشادِ الٰہی سے ثابت ہے کہ عقائد میں فساد دراصل حاجت براری کے تعلق ہی سے ہے، جس سے بچنے والوں کے متعلق فرمایا گیا إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (الاحقاف ۱۳) (بے شک جو لوگ اللہ کو رب بولے پھر اس پر قائم رہنے کی کوشش کئے پس انھیں کو نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے)

[illegible] ذریعہ نہ صرف [illegible] شیطان کے فریب سے بچنے کا طریقہ بتایا گیا بلکہ کامیابی کی ضمانت بھی دی گئی ہے [illegible] رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں چنانچہ آپ [illegible] ہر معاملہ میں اور ہر مرحلہ پر اللہ ہی سے بلا واسطہ [illegible] دعا کی اور آپ کا ذکر ہمیشہ تو بہ استغفار رہا ہے۔

(۹) اللہ جانتا تھا کہ شیطان کا سب سے خطرناک فریب یہ ہوگا کہ وہ ایمان والوں کے دلوں میں ایسی باتیں ڈالے گا جو بظاہر تو بے ضرر اور خوشنما معلوم ہوں گی لیکن حقیقتاً رب کی شانِ ربوبیت و سبحانیت کی نقیض ہوں گی جن کی وجہ سے ایمان والے جنت سے محروم ہو جائیں گے۔ شیطان کی اس خطرناک چال سے بچنے کے لئے یہ علم عطا فرمایا گیا کہ شیطان تم کو اللہ کے متعلق ایسی باتیں سکھاتا ہے جن کا تم کو علم نہیں۔ (بقرہ ۱۶۹) اور اللہ کے متعلق ایسی باتیں کہنا جن کا تم کو علم نہیں حرام [illegible] اعراف ۳۳۔ [illegible] تاکید فرمائی گئی تم اللہ کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کہو جو حق کے سوا ہو (النساء ۱۷۱) تم اپنے دین میں ایسا غلو مت [illegible] کہ تمہیں حق نہیں ہے (المائدہ ۷۷) اور اللہ کے متعلق تم غیر حق بات کہتے [illegible] (الانعام ۹۳) اور ایسا کرنے والوں کا انجام بھی بیان کر دیا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹی باتیں باندھے یا اللہ کی باتوں کو جھٹلائے بلاشبہ ایسے ظالم ہرگز فلاح نہیں پا سکتے (انعام ۲۱) ایسا کرنے والوں کو کافر (اعراف ۳۷، زمر ۳۲) اور ایسا کرنے والے مجرم ہیں (یونس ۱۷) فرمایا گیا ہے۔

سورہ النمل رکوع [illegible] عقل والوں سے تکرار کے ساتھ پوچھا گیا ءَ اِلٰـہٌ مَّعَ اللّٰہِ (کیا اللہ کے ساتھ) تمہاری دعا قبول کرنے میں تمہاری حاجت براری کرنے میں کوئی اور ہستی بھی شریک ہے۔ یا اللہ کو تمہارے متعلق رائے مشورہ دینے اور سعی و سفارش کرنے والا ہے یا کسی بھی مخلوق کا کوئی ایسا حق اللہ پر ہے جس کی بناء پر تمہاری دعا قبول کرنا اللہ کے لئے ضروری ہو جائے۔

(۱۰) ہاتھ باندھے، نظر نیچی کئے باادب کھڑے ہو کر رب کی بارگاہ میں اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (ہم صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں) کی دعا کرنے والے اور رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمُ (میرا رب تو بہت ہی بڑا اور ہر عیب و نقص و کمزوری سے پاک ہے) اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی (میرا رب تو سب سے ارفع و اعلیٰ اور ہر نقص، عیب اور کمزوری سے پاک ہے) کا اقرار و اعتراف کرنے والے کیا اپنی دعاؤں کی قبولیت کے لئے کسی بھی چیز کا واسطہ دے یا وسیلہ دے سکتے ہیں غور کر لیا جا سکتا ہے۔ [illegible] میں دعا کو عمل قرار دیا گیا ہے جو محلِ غور ہے کیونکہ اعمال کی قبولیت کے کئی شرائط ہیں۔

وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ۔

([illegible] کرنے والا چاہے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ اس کا ایمان شرک کے اجزاء سے پاک ہو) لیکن دعا کے لئے صرف ایک ہی شرط ہے کہ دعا قانونِ قدرت کے خلاف نہ ہو۔

فتوے میں بطورِ دلیل غار میں بند ہوجانے والے تین اشخاص والی روایت لکھی گئی ہے جن میں سے ہر ایک نے اپنے خالص ترین عمل کا واسطہ دے کر غار کے دہانے سے چٹان ہٹانے کی اللہ سے دعا کی۔ اس روایت سے واسطہ یا وسیلہ کا جواز نکالنا صرف ہماری کارستانی ہے کیونکہ کسی صحابیِ رسولؐ نے بھی اس روایت سے وسیلہ کا جواز نہیں لیا۔ یہ حضرات ایسا کیسے کرسکتے تھے جبکہ اللہ کے رسولؐ نے دُعا کی قبولیت کے لئے کبھی بھی نہ کسی کا واسطہ دیا نہ کسی کا وسیلہ لیا اور قرآن میں بیان کردہ پیغمبر، صالحین عباد الرحمٰن کی دعاؤں میں واسطہ وسیلہ کا ذرا سا بھی اشارہ نہیں ہے بلکہ اپنی بشری کمزوری اور کوتاہی کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو اس کی اپنی رحمت (بِرَحْمَتِكَ) کا واسطہ دے کر دعا کو قبول کرنے کی التجا کئے ہیں (یونس ۸۶)

پیغمبروں سے زیادہ کسی کے بھی اعمال خالص نہیں ہوسکتے لیکن کسی پیغمبر نے بھی دُعا کی قبولیت کیلئے اپنے خالص ترین اعمال کا نہ واسطہ دیئے اور نہ وسیلہ لئے تو بھلا غیر پیغمبر اپنے عمل کو خالص کیسے کہہ سکتا ہے۔ جبکہ عمل کے خالص ہونے کا فیصلہ تو اللہ ہی فرمائے گا اور وہ بھی حشر کے دن۔ پیغمبروں کا قبولیتِ دعا کے لئے اپنے عمل کا واسطہ دینا تو بہت دور کی بات ہے بلکہ خود عمل ہی کو قبول کرنے کی دُعا کئے ہیں رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا (اے ہمارے پروردگار ہم سے یہ عمل قبول فرما) سورہ البقرہ - ۱۲۷۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کو دُعا کرنے کا طریقہ یہ بھی سکھایا ہے: قُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ المومنون - ۱۱۸ (اے نبیؐ آپ یہ دُعا کرتے رہئے کہ میرے ربّ میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور تو سب سے بڑھ کر زیادہ رحم کرنے والا ہے۔)

اللہ تعالیٰ قرآن کی حفاظت کا وعدہ اس طرح پورا فرمایا کہ پیغمبروں، صدیقین، شہداء، صالحین عباد الرحمٰن، مومن، منافق، کافر، مشرک اور دہریوں کے افکار و اعمال اور ساتھ ہی ان کے دنیوی اور اُخروی انجام کو بھی بیان فرمادیا ہے۔ اور اس طرح ساتھ ہی نبی کریمؐ کے قول و عمل کی حفاظت کا بھی انتظام فرمادیا ہے۔ یعنی نبی کریمؐ کا کوئی قول و فعل قرآن میں متذکرہ پیغمبروں کے قول و فعل کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ خاص طور پر اٹھارہ پیغمبروں کا ذکر کرکے ان کے متعلق فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت پر قائم رکھا تھا پس اے نبیؐ آپ بھی انہیں کے طریقہ پر چلیے (الانعام ۹۰) سورہ النحل آیت ۱۲۳ میں فرمایا اے نبیؐ آپ ملّتِ ابراهیمؑ کی پیروی کیا کیجئے جو حنیف تھے اور مشرک نہ تھے۔ ان ہدایاتِ الٰہی کی موجودگی میں قرآن میں بیان کردہ پیغمبروں کے اسوہ اور قول کے خلاف آپؐ واسطہ وسیلہ کی بات کیسے فرماسکتے ہیں جس سے اس روایت کا غیر صحیح ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔

اسی مجلّہ میں قرآن سکھانے، سنانے، اور پڑھنے کی اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے۔

محنت اور وقت دینے کا معاوضہ لینا درست ہے لیکن قرآن کا معاملہ اپنی نوعیت اور اہمیت کے لحاظ سے خاص ہے۔ اس لئے اس معاملہ میں اجرت کا تعین یا تو قرآن سیکھنے والے کریں یا قرآن سننے والے (تراویح) یا قرآن پڑھوانے والے کریں) یا کوئی صاحب بصیرت فرد کرے جیسا کہ فتوے میں بھی لکھا گیا ہے کہ نبی کریمؐ نے ایک شخص کے لئے قرآن کی سورتیں سکھانے کو بیوی کا مہر قرار دیا اس لئے قرآن سکھانے والے یا سنانے والے یا پڑھنے والے خود نہ کریں۔

فتوے میں دیگر دلائل کے علاوہ ایک ذیل میں اس حدیث کو اختصاراً نقل کیا گیا ہے جس میں سانپ کے کاٹنے پر سورہ فاتحہ دم کرنے کا ذکر ہے جس کو صحیح بخاری میں

(۱) سورہ فاتحہ کی فضیلت کے تحت (۲) باب طب میں نقل کیا گیا ہے یہ حدیث نہ صرف سوال سے غیر متعلق ہے بلکہ اس میں منتر پڑھنے کا ذکر ہے جو دین اسلام کی بنیادی تعلیم "توکل علی اللہ" (اللہ پر بھروسہ کرنا) کے سراسر خلاف بھی ہے۔

منتر پڑھنے اور جپنے کا معاملہ عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے عقیدہ کی بنیاد قرآن کی کوئی نہ کوئی آیت ہونا لازمی ہے۔ قرآن میں منتر جپنے کا کوئی اشارہ ملنا مشکل ہے جبکہ اس کے خلاف توکل علی اللہ کو شرطِ ایمان و اسلام قرار دیا گیا ہے۔

"اور موسیٰؑ نے فرمایا اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر توکل کرو اگر تم فرمانبردار ہو۔ (یونس ۸۴) اور (آل عمران ۱۵۹۔۱۶۰) جس سے منتر جپنا یا پڑھنا کفر و شرک قرار پاتا ہے۔ توکل علی اللہ کا طریقہ صرف یہ ہے کہ اللہ سے دعا کرتے ہوئے جو بھی اسباب و ذرائع میسر ہوں ان کو اختیار

۱۔ دعا کو بھی منتر قرار دینا نری جہالت و گمراہی ہے۔ کیونکہ بندہ کو رب سے جوڑنے والی واحد چیز دعا ہے چنانچہ رب ہی سے بلا واسطہ و وسیلہ دعا کرنے کا حکم دیا گیا (المومن ۶۰) اور دعا قبول کرنے کی گیارنٹی بھی دی گئی (البقرہ ۱۸۶) اور دعا قبول کئے جانے کا ثبوت بھی دیدیا گیا (الاعراف ۱۵) اللہ و رسولؐ کی تعلیمات کا واحد نچوڑ بندوں میں انابت الی اللہ پیدا کرنا ہے یعنی حنیف بنانا ہے جس کا واحد طریقہ و ذریعہ دعا ہے۔

دم، تعویذ و منتر کو روحانی اسباب قرار دینا نری بیوقوفی ہے کیونکہ ان روحانی اسباب سے ایک گھونٹ پانی ایک لقمہ کھانا بھی نہیں مل سکتا اور احتیاطی تدبیر (قفل) کی بجائے تعویذ نہیں باندھی جاتی اور نہ اسم اعظم دم کیا جاتا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ روحانی عالم یا روحانی اسباب کی تمام باتیں اللہ کی کتاب کے قطعاً خلاف ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف راست دعا کرنے کا تاکیدی حکم دیا ہے جس سے قطعی ثابت ہے کہ دعا کے سوا کسی بھی قسم کے غیر مادی اسباب اختیار کرنا اپنے دین کو حقیقت واقعہ سمجھنا ہے جو کھلی نافرمانی و بغاوت ہے۔ دعا کو اللہ کے رسولؐ نے مومن کا ہتھیار قرار دیا ہے۔

کیا جاتا [illegible] اسباب و تدبیر کو جہالت و حماقت سے تعبیر فرمایا گیا کہ اللہ کے مقررہ قوانین اسباب و ذرائع [illegible] کے بغیر کوئی آرزو یا ضرورت پوری ہونا ممکن نہیں (النجم ۲۴، الرعد ۱۴) چنانچہ حصول رزق کے اسباب و ذرائع اختیار کئے بغیر "یا رزاق" کا وظیفہ ایک کروڑ مرتبہ جپنے سے بھی پیٹ نہیں بھر سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو دارالاسباب بنایا ہے جہاں اسباب و ذرائع اختیار کئے بغیر [illegible] نفع یا نقصان پہنچنے کا تصور [illegible] سب کے خلاف و ضد [illegible] ایک متوازی نظام کو ماننا ہے جو کہ شرک ہے کیونکہ اس کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں ہے [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات [illegible]:

(الف) تین چیزیں جادو [illegible] (۱) دم کرنا (۲) [illegible] کی ایک قسم (۳) تعویذات (طبرانی)

[illegible] دم کیا [illegible] اس نے اللہ پر توکل نہیں کیا [illegible]

[illegible] تعویذ [illegible] اس نے شرک کیا (احمد)

[illegible] (حاکم، طبرانی، ابن حبان)

[illegible] عقیدہ قطعی شرک ہے اور اس کے تحت عمل مشرکانہ ہے

[illegible] اللہ کو [illegible] تعلق [illegible] شیطان نے اس مکر و فریب کا اندازہ لگاتے [illegible] طفیل، حرمت، جن، بھوت، سایہ، مبہٹ، کھنڈے، دم، تعویذ [illegible] تجربہ [illegible] برکت [illegible] الانبیاء، کرامتوں، بزرگوں اور [illegible] علاء الدین کا چراغ [illegible] اور دیو مالا [illegible] بچپن ہی میں ذہن متاثر کر دیتا ہے۔ پھر اس [illegible] کے لٹریچر، تقاریر اور [illegible] چنانچہ نفع و نقصان، نیکی و ثواب، حصول فیض و برکت کے نت نئے طریقے [illegible] مثل میلاد [illegible] کی محفلیں، آیۃ کریمہ کے ختم، قرآن خوانی، ختم بخاری وغیرہ — شیطان کے ان مکر و فریب سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کتاب اور پیغمبر کے ذریعہ تخلیق کائنات اور نظام ربوبیت کے [illegible] کا صحیح علم [illegible] حصول ہی سے ان "وہم" [illegible] ہونے کا یقین اور رب کی عظمت و قدرت [illegible] صحیح [illegible] سے بندہ اپنا تعلق اپنے رب سے صحیح طور پر قائم کر سکتا ہے چنانچہ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (پس ان کو نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (احقاف ۱۳) کی خوشخبری ان ہی کو دی گئی جو رب سے اپنے تعلق کو صحیح طور پر قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اللہ کے رسول فرماتے ہیں — "بلا حساب جنت میں جانے والے

وہ ہیں جو منتر نہیں کرتے، فال پر اعتقاد نہیں رکھتے اور داغ کر علاج نہیں کرتے بلکہ اپنے رب پر توکل (بھروسہ) کرتے ہیں۔" (کتاب الطب حدیث ۶۶۱ تفہیم البخاری)

عموماً اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کے پیشِ نظر کہا جاتا ہے کہ قرآن جب قادر مطلق کا کلام ہے تو اس میں اثر ہونا ضروری ہے۔ یہ بات اسی وقت صحیح ہوتی جبکہ حکم الٰہی "یٰنَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلٰمًا" (الانبیاء ۶۹) (اے آگ تو ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا) کے الفاظ پڑھنے سے آگ نہ جلاتی۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس قسم کے اثر ہونے کی نفی و تردید فرمائی ہے جیسا ارشادِ الٰہی ہے: وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ط بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ط (الرعد ۳۱) (اور اگر قرآن ایسا ہوتا کہ جس کے پڑھنے سے پہاڑ چلنے لگتے یا زمین کے فاصلے آناً فاناً طے ہونے لگتے یا مردوں سے بات کی جا سکتی، حقیقت واقعہ یہ ہے کہ سب کام اللہ ہی کی قدرت و اختیار کے ہیں۔

ایک اور کٹ حجتی لفظ "شِفَاءٌ" سے کی جاتی ہے حالانکہ سورۂ یونس آیت ۵۷ میں قرآن کو شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ (انسانوں کے قلبی امراض کے لئے شفاء ہے) فرما دیا گیا ہے۔ اس وضاحت سے قرآن کے لئے شفاء کا لفظ جہاں بھی آئے گا اس سے قلبی امراض ہی مراد لینا صحیح و درست ہے اگر جسمانی امراض کے لئے شفاء مراد لیجائے تو یہ تفسیر بالرّائے ہوگی۔ چنانچہ بنی اسرائیل آیت ۸۲ میں قرآن کا ایمان والوں کے لئے شفا و رحمت ہونا اور ظالموں کے لئے گھاٹے میں زیادتی ہونا اور حٰم سجدہ آیت ۴۴ میں قرآن کو اہلِ ایمان کے لئے هُدًى وَّشِفَاءٌ (ہدایت اور شفا ہے) ہونا اور جو ابدی زندگی کی تباہی سے نہیں ڈرتے اُن کے لئے قرآن کان کا ڈاٹ اور آنکھوں کی پٹی ہونا فرمایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سورہ النحل ۶۹ میں شہد کو شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ (انسانوں کے لئے شفا ہے) فرمایا گیا ہے۔ شہد کے شفا ہونے کی بناء پر کوئی بھی لفظ شہد کا نہ وظیفہ جپتا اور نہ تعویذ میں شہد کو محفوظ کر کے گلے یا بازو میں باندھتا ہے۔ شہد جب تک نہ استعمال کیا جائے اس وقت تک اس سے شفاء ہونے کی بات قطعاً جھوٹ و غلط ہے۔ حکیم یا ڈاکٹر کا نسخہ صرف پڑھ کر دم کر لینے سے یا گلے یا بازو پر باندھ لینے سے یا دھو کر پی لینے سے جسمانی امراض کے دور ہو جانے کا تصور جس طرح احمقانہ ہے اسی طرح قرآن کا معاملہ بھی ہے۔ یعنی انسان کے قلبی امراض اس وقت تک دور نہیں ہو سکتے جب تک قرآن کے احکام پر عمل نہ کیا جائے۔

قرآن علم کی کتاب ہے اس کو سمجھ کر پڑھنے والوں ہی کا جہل دور ہو کر فکر کی اصلاح ہوگی فکر کی اصلاح سے اعمال درست ہونگے۔

قرآن کتاب ہدایت ہے۔ ہدایت کے الفاظ صرف زبان سے ادا کر لینے یا دھو کر پی لینے یا ان کو گلے میں یا بازو میں باندھ لینے سے ہدایت نہیں مل جایا کرتی، ہدایت کے مطابق عمل کرنے ہی سے ہدایت یافتہ ہونا ممکن ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ اللہ نے قرآن کے نزول کا مقصد اور پڑھنے والوں پر اس کا اثر دوزخ کا خوف اور جنت کی تڑپ (احقاف ۲۔ زمر ۲۳، حشر ۲۱) پیدا ہونا بیان فرمایا ہے جس کے خلاف یا سوا کسی اور مقصد کے لئے قرآن یا اس کی سورۃ یا آیت کا پڑھنا دین اسلام میں کھلی تحریف ہے۔ دین کو بدل دیتا ہے۔

اصولاً عمل کے لئے حدیث دلیل ہے، جس سے بظاہر منتر پڑھنے کا جواز نکلتا ہے۔ لیکن یہ حدیث صحیح نہیں ہے چنانچہ قرآن کی سورتوں کے فضائل کی تمام حدیثوں کا گھڑی ہوئی ہونا درایت کا ایک مسلمہ اصول ہے (سیرۃ النبی جلد اول "درایت کی ابتداء" مولف شبلی نعمانیؒ)۔

غور کیجئے کہ سورہ فاتحہ سے لے کر والناس تک پورے کا پورا کلام الٰہی ہونا ایک اٹل حقیقت واقعہ ہی ہے۔ تو پھر کلامِ الٰہی کے ایک جز یا سورۃ، آیت کو دوسرے جز، سورۃ یا آیت پر فضیلت دینا ایک سنگین جرم ہی ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ (الانعام۔۹۱) تم اس (کتاب الٰہی) کو پارہ پارہ کر دیتے ہو۔) اور اَلَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ (الحجر۔۹۱) جو لوگ قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے) غور و فکر کے لئے زیرِ بحث حدیث پیش ہے۔

فضیلت

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں: "ہم سفر پر ایک مقام پر تھے کہ ایک لونڈی نے آکر کہا کہ اس قوم کا سردار سلیم ہے (یعنی اس کو سانپ نے کاٹ لیا ہے) ہماری جماعت کے حاضر نہیں ہے کیا تم میں کوئی منتر پڑھنے والا ہے؟ اس کے ساتھ ایک مرد روانہ ہوا جسے ہم منتر پڑھنے والا نہیں سمجھتے تھے۔ اس نے جا کر اس پر منتر پڑھا اور وہ شخص اچھا ہو گیا اس نے ہمیں ۳۰ بکریاں دیں اور

باب طب

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کی گئی ہے کہ ایک گروہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کیا یہاں تک کہ یہ کسی قبیلہ عرب پر انہوں نے گذر کیا اور مہمان ہونا چاہا انہوں نے انکار کیا۔ اتفاقاً اسی قبیلے کے سردار کو سانپ نے کاٹ لیا۔ ہر قسم کی دوائیں دیں اور بہتری ترکیبیں لڑائیں لیکن کچھ نہ ہوا۔ بعض آدمیوں نے کہا چلو ان مسافروں کے پاس شاید کوئی سامان ہو وہ آدمی ان کے پاس آئے اور کہا ہمارے سردار کو سانپ نے کاٹ کھایا اور کسی چیز سے نفع نہیں ہوا۔ آیا تمہارے کسی کے پاس کوئی چیز ہے؟ کسی نے کہا واللہ میں منتر جانتا ہوں اگر

دودھ پلایا جب وہ واپس آیا تو ہم نے اس سے پوچھا کہ کیا تو منتر اچھی طرح جانتا ہے؟ (یا یہ کہا) کیا تو منتر کرتا تھا۔ (شک راوی کا ہے) وہ بولا میں نے کبھی منتر نہیں کیا۔ میں نے صرف سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس شخص پر دم کیا تھا۔ ہم نے (آپس میں) مشورہ کیا کہ بغیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابھی کچھ بات زیادہ نہ کرو (یعنی یہ مال مکروہ ہے یا مباح) جب ہم مدینہ میں آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ "تمہیں کس چیز سے یہ شبہ ہوا کہ یہ منتر ہے" (یعنی جاہلیت کا ہے اس کا شفایاب ہو جانا صرف فاتحہ کی برکت ہے) اس مال کو تم بانٹو اور مجھے بھی حصہ دو۔

لیکن ہم نے تم سے چاہا اور تم نے ہماری مہمان نوازی نہ کی۔ اس لئے تمہارے لئے بلا اجرت کے منتر نہ پڑھوں گا۔ (آخر کار) ایک بکریوں کے گلے پر فیصلہ ہوا۔ پھر وہ شخص ان کے ساتھ گیا الحمد للہ پڑھ کر کاٹی ہوئی جگہ پر دم کرنا شروع کیا حتیٰ کہ وہ بالکل اچھا ہو گیا جیسے پہلے گویا بیمار ہی نہ تھا۔ پھر ان قبیلہ والوں نے مقرر [illegible] دی (ریوڑ لے آئے) اب ان میں سے بعض نے کہا اسے تقسیم کر دو جنتک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ جائیں تقسیم مت کرو۔ وہاں جاکر آپ سے اس کا ذکر کریں گے جو آپ فرمائیں گے۔ وہی کریں گے وہ صحابہ آپ کے پاس آئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا تجھے کیا معلوم تھا کہ یہ سورہ الحمد منتر ہے تم نے اچھا کام کیا۔ اس مال کو تقسیم کرلو اور میرے لئے بھی حصہ مقرر کر دو۔

غور کیجئے کہ واقعہ ایک ہی ہے اس کو بیان کرنے والے اور نقل کرنے والے بھی ایک ہی ہیں پھر ان دونوں میں اختلافی باتیں کیوں ہیں جن کو نمبر کے ذریعہ بتایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک میں دودھ پلانے کا ذکر ہے تو دوسرے میں نہیں۔ سورۂ فاتحہ کی تاثیر سے خود منتر پڑھنے والا بھی بے خبر ہی تھا۔ سورۂ فاتحہ کی اس تاثیر سے اس وقت تک نبی کریمؐ بھی لاعلم ہی تھے۔ جب ہی تو آپ نے غار ثور میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سانپ کاٹ لینے پر سورۂ فاتحہ سے دم کرنے کی بجائے اپنا لعاب دہن لگایا تھا۔ اس روایت سے عربوں کی مہمان نوازی پر بھی حرف آتا ہے۔ ایک ایسے کام میں نہ مشورہ ہو نہ ہدایت نہ محنت اس کام کی اجرت میں اپنا حصہ مانگنا عزتِ ایمانی و خودداری کے قطعاً خلاف ہے اور وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم ۴) (اور بے شک آپ (نبیؐ) اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر ہو) کے ذریعہ خود اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اخلاقِ کریمہ کی تعریف فرمائی ہے، جس سے قطعاً ثابت ہے کہ آپؐ سب سے زیادہ خوددار، غیرت، باحیاء انسان تھے۔ چنانچہ آپؐ کی پوری زندگی گواہ ہے کہ آپؐ صرف دینا جانتے تھے اپنے لئے کبھی مانگنے کی ایک آدھ مثال بھی نہیں ملتی۔ اس لئے یہ بہت ہی بعید بات ہے کہ ایسے مال میں اپنا حصہ مانگیں جس میں آپ کی تعلیم، ہدایت و کوشش کا رتی برابر بھی دخل نہ ہو۔ اندازہ لگائیے کہ آپؐ کے اخلاقِ کریمہ کو مسخ کرنے کے لئے حدیث کو کس طرح آلۂ کار بنایا گیا ہے۔ یعنی جھوٹی حدیثیں گھڑ کر۔ سورۂ فاتحہ دم کرنے میں اگر واقعی یہ تاثیر ہے تو کوئی بھی سانپ کا کاٹا نہیں مرنا چاہئے۔ لیکن

سانپ کاٹے ہوئے لوگوں کا مرنا اس عقیدہ کو غلط ثابت کر دیتا ہے۔ آج سانپ کے کاٹے پر مختلف سورتیں و آیات پڑھی جاتی ہیں جو سورۂ فاتحہ کے اثر کی نفی کر دیتی ہیں۔ اندازہ کیجئے کہ مردار اور سُور کھانے والے بھی اس کیلئے ان کا ایسا منتر کرتے ہیں۔ سورۂ فاتحہ میں سانپ کے کاٹنے کے لئے کوئی دعائیہ الفاظ نہ ہونے کے باوجود اس سے شفا ہونے کا تصور ہر صاحب سمجھ کے لئے لمحۂ فکر ہے کیونکہ قانونِ قدرت کے تحت مرض کو دور کرنے کے لئے وہی دوا استعمال کرنا ضروری ہے جس میں اس مرض کو دور کرنے کی اللہ نے صلاحیت رکھی ہے۔

غور کیجئے کہ سورۂ فاتحہ یا کوئی اور سورۃ یا لفظ چینے سے جسمانی امراض و تکالیف دور ہو جانے کی بات محض وہم ہے یا نہیں اس کو نفسیاتی علاج کہہ کر اپنی عقل کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے لیکن اس کے جھوٹ و غلط ہونے کے لئے یہی ایک بات کافی ہے کہ ان میں جسمانی امراض سے متعلق ادنیٰ اشارہ بھی نہیں ہوتا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سردارِ قبیلہ غیرمسلم تھا۔ اس کا سورہ فاتحہ کے دم سے اچھا ہونا اگر صحیح ہے تو اللہ کی بات وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل ۸۲) (اور ظالموں کو اس سے اور الٹا نقصان پڑتا ہے۔) غلط قرار پاتی ہے۔ قرآن و حدیث دونوں میں سے کس کی بات صحیح ہے اور کس کی غلط۔ فیصلہ کر لیجئے۔

طب کے تعلق سے کثیر احادیث ہیں جو تجربہ میں صحیح ثابت ہو چکی ہیں، جن سے دم کرنے منتر پڑھنے، تعویذ گنڈوں کی باتیں غلط و جھوٹ ہونے کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ تضاد بیانی یقیناً نقص ہے۔ جس کا نبی کریمؐ کی تعلیمات میں ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ہر مسلمان کے گھر میں قرآن موجود ہوتا ہے جس میں ۱۱۴ سورتیں ہیں اور ۶۱۳۱ آیات ہیں۔ اس کے باوجود گھر میں چوری بھی ہوتی ہے گھر والوں میں سے کوئی بیمار بھی ہوتا ہے۔ کوئی معذور بھی ہو جاتا ہے اور کوئی مرتا بھی ہے مکمل قرآن کی موجودگی گھر والوں کو جب ان حوادث تکالیف و مصائب سے نہیں بچا سکتی تو آیت کریمہ یا آیت الکرسی، نقش، بندش، تعویذ، گنڈہ کیسے فائدہ مند ہو سکتا ہے غور کر لیا جا سکتا ہے۔

سورۂ فاتحہ کا مفہوم پیش ہے:

"میں اللہ سے التجا کرتا ہوں کہ وہ مجھے شیطان کے شر سے بچائے۔ میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور انتہائی رحم والا ہے۔ تمام شکر و تعریف صرف اللہ ہی کے لئے ہے کیونکہ وہی بلا شرکتِ غیرے تمام جہانوں کی حاجتیں اپنی شانِ رحمانیت و رحیمیت کے ساتھ پوری کر رہا ہے۔ جزاء کے دن کا وہی تنہا مالک و فرمانروا ہے۔ اے اللہ! ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں کیونکہ

صرف تو ہی ہماری مدد کرسکتا ہے اور کوئی نہیں۔ ہم کو اس سیدھے راستہ پر چلا جس کی منزل مغفرت و جنت ہے اور اسی طرح چلا جس طرح تو نے انعام یافتہ بندوں، انبیاء، صدیقین، شہداء، اور صالحین کو چلایا جو کبھی بھی تیرے غضب کے مستحق نہیں ہوئے اور نہ وہ منزل کے راستہ سے بھٹکے۔ اے اللہ ہماری یہ التجا قبول فرمالے۔")

سورہ فاتحہ اللہ تعالیٰ کی سکھائی ہوئی درخواست ہے جس میں اہم ترین التجا اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی ہے۔ جب درخواست دینے کا مقصد و مطلب دعا اصلی کے پورا ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا تو پھر درخواست دینے کا ثواب یا اثر کا عقیدہ کتنا مہمل اور کس قدر لغو ہے۔ غور کیجئے اور اپنے آپ پر رحم کھائیے۔

مختصر یہ کہ ہر وہ بات جو دین کی بنیادی تعلیمات کے خلاف ہو یا بندہ اور رب کے تعلق کو کمزور کرنے والی یا اس میں نقص پیدا کرنے والی ہو تو اس کا غلط و جھوٹ ہونا کسی دلیل و ثبوت کا محتاج نہیں۔

اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ اے اللہ ہم کو حق احق کی شکل میں دکھا اور اس پر چلنے کی ہم کو توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل کی شکل میں دکھا اور اس سے بچنے کی ہم کو ہمت عطا فرما۔ آمین ثم آمین۔

دین اسلام کا سب سے زیادہ خطرناک دشمن: "اٹل قوانینِ قدرت کے خلاف انسانوں کو توہمات میں مبتلا کرکے دوزخی بنانے میں شیطان تو مصروف ہے ہی جس سے ہر سمجھدار بچ سکتا ہے لیکن غلام احمد صاحب قادیانی تو اسلام کے آخری و مکمل دینِ الٰہی ہونے کی حقیقت واقعہ کو ڈائنامیٹ کرنے کے لئے قرآن کے آخری و مکمل کتاب ہدایت ہونے اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری رسول و آخری نبی ہونے کی بناء پر قیامت تک کے تمام انسانوں کے لئے رحمتِ الٰہی کے مستحق ہونے کے کامل نمونہ کی حقیقت واقعہ میں شک و شبہ پیدا کرنے کے لئے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ نبی کو اللہ تعالیٰ اپنے طور پر منتخب فرماتا ہے لیکن شیطان نے غلام احمد صاحب قادیانی کو اپنی کوشش سے نبی بننے کی بات سکھائی۔ تمام انبیاء علیہم السلام بلا معاوضہ رب کی عظمت، قدرت و سبحانیت کا پرچار کرتے رہے لیکن غلام احمد صاحب قادیانی لوگوں کو بتدریج اپنا گرویدہ بنانے اور اپنے ماننے والوں سے ٹیکس پر ٹیکس عاید کرکے اپنی جیب گرم کرتے رہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام ابدی زندگی کی تباہی سے ڈراتے رہے لیکن غلام احمد صاحب قادیانی روزِ حشر کا انکار کرکے اپنے ماننے والوں کو ابدی عذاب سے نڈر بنانے کے لئے استعارہ کی آڑ میں اللہ کو بھی بشری کمزوریوں کا مرتکب قرار دیا ہے۔ غلام احمد صاحب قادیانی کو جو نبی نہیں مانتے ان کو کافر و دوزخی قرار دے کر ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے ___ جس سے قطعی ثابت ہے کہ غلام احمد صاحب قادیانی کی چال شیطان سے بھی زیادہ خطرناک ہے اس لئے ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ دین اسلام کے ان خطرناک دشمنوں سے عوام کو ہر ممکن طریقہ سے ہوشیار کرے۔"

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ

ماہنامہ الحق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلد ۲۶، ۲۷ (شمارہ نمبر ۵۱۴ تا ۵۱۶) ماہ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ و محرم و صفر ۱۴۱۰ھ مطابق اگست تا اکتوبر سنہ ۱۹۸۹ عیسوی

کتابچہ

"عذابِ قبر کا جائزہ"

کتابچہ بعنوان "عذابِ قبر" شائع کردہ جناب خواجہ عبدالمقتدر صاحب کا جائزہ پیش ہے۔
کتابچہ کی عبارت خطِ کشیدہ رکھی گئی ہے اور جائزہ قوسین میں ۔

ایڈیٹر اینڈ پبلیشر سید عبدالجلیل نے نیشنل فائن پرنٹنگ پریس چارکمان میں طبع کرواکر ۴۹۷-۱-۱۴۳ سیتارام پیٹھ حیدرآباد ۱۲ سے شائع کیا

"ALHAQ" MONTHLY REGD. NO. H-HD. 154

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ [آل عمران ۱۸۵] یعنی ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے ...... انبیاء علیہم السلام بھی دستِ اجل سے بچ نہ سکے۔

یہ آیت کا ابتدائی جز ہے پوری آیت كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۚ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۚ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۝ [آل عمران ۱۸۵] (ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور سوائے اس کے نہیں کہ تم کو پورے بدلے قیامت کے دن دیئے جائیں گے۔ پس جو آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا صرف وہی کامیاب ہوا۔ اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکہ کے سودے کے سوا کچھ نہیں ہے۔)

اس آیت میں بیان کردہ قانون جزا کا اٹل پن مستحضر ہوتا تو کتابچہ لکھنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ اس کے استحضار کے باوجود اگر کتابچہ لکھا گیا ہے تو یہ بڑی ہی جسارت کی بات ہے۔ جزا کے فیصلہ کے لئے حشر کا دن مقرر ہونا سب کا مسلمہ ہے۔ اپنی تقریر و تحریر سے اپنے ہی مسلمات کی تردید و نفی کرنا اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ [شوریٰ آیت ۱۶]۔

موت اختتامِ زندگی کا نام نہیں بلکہ ابدی زندگی کا آغاز ہے۔ تبدیلیٔ مقام کا نام ہے۔ اس عارضی دنیا سے دنیا میں منتقل ہونا ہے ..... قبر حیاتِ دنیوی کے بعد آخرت کی پہلی منزل ہے۔

(موت یا قبر سے تو صرف برزخی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ جو محض عارضی اور عدم شعور ک

تک رہے گی اس لئے قبر یا برزخ کو ابدی زندگی کا آغاز یا پہلی منزل قرار دینا صحیح نہیں۔ کیوں کہ ابدی زندگی کا آغاز تو صرف حشر کے دن سے ہوگا۔

گویا قبر عالمِ برزخ میں داخل ہونے کا دروازہ ہے۔ برزخ کے معنی پردے کے ہیں جو دنیا و آخرت کے درمیان ہے۔ یہ متشابہات میں سے ہے اسی پر ہمارا ایمان ہے مگر اس کی کیفیت نہیں معلوم اور نہ اس میں کرید کرنے کا حکم ہے۔ مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ (المومنون ۱۰۰) ابن کثیر میں اس کے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ ان کے آگے برزخ ایک حجاب اور آڑ ہے۔ دنیا اور آخرت کے درمیان وہ نہ تو دنیا میں ہیں کہ کھا پی سکیں نہ آخرت میں ہیں کہ اعمال کا بدلہ جزا یا سزا مل جائے بلکہ بیچ ہی بیچ میں ہے۔

مندرجہ بالا عبارت سے عذابِ قبر کی نفی ہوتی ہے یا اثبات غور کر لیا جا سکتا ہے۔ برزخ میں کھانے پینے کی جو نفی کی گئی ہے وہ غلط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے برزخ میں انسان نہ صرف زندہ رہنے کی بلکہ زندگی کے لوازمات (کھانا پینا) بھی دیئے جانے کی بات فرمائی ہے۔

(سورہ بقرہ ۱۵۴۔ آل عمران ۱۶۹، ۱۷۰۔ الحج ۵۸۔ المومن ۴۶) تضاد بیانی ملاحظہ ہو۔

پھر بھی یہاں بندہ اپنے اعمال و عقائد کے بموجب راحت یا تکلیف میں مبتلا رہتا ہے۔ قبر سے انسان کو اپنے اعمال و اوصاف کے موافق دوبارہ اٹھایا جائے گا۔

(قبر سے تو انسان مٹی کے جسم کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ راحت یا تکلیف میں مبتلا رہنے کی بات تو محض موروثی عقائد کی بنا پر ہے۔ ملحوظ رہے کہ موروثی یا مروجہ عقائد کا جواز یا صحت قرآنی آیات اور احادیث سے نکال لینا کچھ مشکل نہیں، چنانچہ تمام باطل فرقے اپنے آپ کو برسرِ حق ثابت کرنے کیلئے قرآنی آیات کی تعبیر، تاویل، اشارات اور استخراج ہی کا سہارا لیتے ہیں لیکن یاد رکھئے کہ ان کی یہ نکتہ آفرینیاں اور موشگافیاں قرآنی حقیقت نہیں بن سکیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرماکر کلامِ الٰہی سے مرادِ الٰہی کا تعین پیغمبروں کی تعلیمات و اسوہ متقین، صالحین، جنتیوں اور عباد الرحمٰن کے افکار و کردار بیان کرکے پورا کر دیا ہے۔ چنانچہ نبی کریمؐ اور اہلِ ایمان کو تاکید ی حکم دیا ہے کہ قرآن میں بیان کردہ پیغمبروں کے افکار و کردار کی پیروی کریں۔ (سورۂ انعام ۹۰۔ النحل ۱۲۳۔ آلِ عمران ۹۵۔ سورۂ توبہ ۱۰۰) ہر پیغمبر نے دنیا و آخرت ہی کے عذاب سے ڈرایا ہے لیکن عذابِ قبر یا برزخ کا اشارۃً بھی ذکر نہیں کیا ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ عذابِ قبر یا برزخ کی تمام باتیں نبیؐ کی طرف غلط و جھوٹ طور پر منسوب کر دی گئی ہیں۔ چنانچہ نبیؐ کی زندگی کے تیرہ سال اور مدینے میں بھی کئی سال تک آپؐ کے ارشادات میں کہیں بھی عذابِ قبر کا ذکر نہیں ہے)

عذابِ قبر کے باب میں اتنی حدیثیں وارد ہوئی ہیں کہ ان کا مضمون متواتر کی حد کو پہنچ گیا ہے ۔۔۔

امام سیوطیؒ نے اس کو شرح صدور میں جمع کیا ہے۔ جو کوئی عذابِ قبر کا انکار کرے وہ بدعتی اور گمراہ ہے۔ بلکہ اس پر کفر کا خوف ہے۔ (وحیدی)۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ لوگ اصولِ تفسیر اور اصولِ حدیث سے واقف نہیں۔

(عذابِ قبر کا معاملہ غیب یعنی عقائد سے تعلق رکھتا ہے جس کے لئے قرآن کی آیت ہونا لازمی و ضروری ہے کیونکہ یہ علم کی کتاب ہے البتہ وہ احادیث جو قرآن کے خلاف نہ ہوں تو وہ عمل کے لئے دلیل ہیں۔ عذابِ قبر کے مضمون کا تواتر کسی طرح بھی عذابِ قبر کے لئے دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ کوئی بھی غلط و جھوٹ بات مثلاً سایہ، سیٹ، تعویذ، جھاڑ پھونک، جادو، نظر لگنا، نحوست و برکت جو ہزارہا سال سے عذابِ قبر سے بھی زیادہ ہر زمانہ میں کثرت اور تواتر سے بیان ہوئی ہیں تو کیا محض ان کے کثرت و تواتر کی بنا پر ان کو صحیح مان لیا جا سکتا ہے۔ عذابِ قبر کی بات قطعی قرآن کے خلاف ہے۔ رہی حدیثیں (صحاحِ ستہ) وہ تو وضعِ حدیث (جھوٹی حدیثیں گھڑنے) کے دروازے کو بند کرنے کی کوشش کے نتیجے میں وجود میں آئی ہیں۔ کیونکہ دشمنانِ اسلام غلط سلط حدیثیں گھڑ گھڑ کر مسلمانوں میں پھیلا رہے تھے۔ جس سے اللہ کے رسولؐ کی تعلیمات بالکلیہ مسخ ہونے کا خطرہ محسوس کر کے محدثین کرامؒ نے اپنے اپنے زمانہ میں ان تمام باتوں کو جو مسلمانوں میں حدیث کے نام سے مشہور تھیں، جمع کیا، جن کی تعداد لاکھوں میں تھی۔ مثلاً امام بخاریؒ نے چھ لاکھ احادیث جمع کئے اور امام مسلمؒ نے چار لاکھ، پھر اپنی جمع کردہ احادیث میں سے اپنے اپنے معیار پر احادیث کا انتخاب کر کے اپنی کتابوں میں درج کیا جن کی تعداد صرف چند ہزار تک ہی ہے موجودہ صحاحِ ستہ کی کتب حدیث قرآن کی طرح نبی کریمؐ کی زندگی میں نہیں لکھی گئیں بلکہ دو سو سال بعد لکھی گئی ہیں۔ ہر محدث نے اپنے طور پر راویوں کی ثقافت کو صحت حدیث کا معیار بنایا ہے۔ جس سے اس معاملہ میں خود محدثین کے درمیان کچھ نہ کچھ اختلاف رہا ہے۔ چنانچہ امام مسلمؒ نے تین سو سے زیادہ امام بخاریؒ کے راویوں سے اور امام بخاریؒ نے امام مسلمؒ کے چار سو سے زیادہ راویوں سے روایت نہیں لئے حالانکہ یہ دونوں ہمعصر تھے۔

معدودے چند کے سوا تمام احادیث کے الفاظ وہ نہیں ہیں جو نبی کریمؐ نے ارشاد فرمائے تھے، بلکہ ہر راوی نے حدیث کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ محدثین کے جمع کردہ احادیث کو روایت کرنے والے کم سے کم تین راوی ہیں جن کو ثلاثیات کہا جاتا ہے اور یہ ان کتب کے اعلیٰ ترین حدیث [illegible] کی تعداد زیادہ نہیں۔ ان راویوں کا ایمان و عمل، حفظ، سمجھ بوجھ اور معاملہ فہمی میں یکساں و [illegible] ہونا [illegible] اس کے نتیجے میں حدیث کے روایت کرنے میں کچھ باتوں کا چھوٹ جانا، کچھ باتوں کا اضافہ ہو جانا [illegible] غلط فہمی ہونا، اور مسلک کی عصبیت کا کارفرما ہونا وہ اٹل حقائق ہیں جن کا انکار ممکن نہیں۔

موجودہ احادیث کو درایت کے اصولوں پر جانچنے کا کام بھی انجام دینا باقی ہے۔

جھوٹی احادیث نہایت چالاکی کے ساتھ گھڑے جاتے ہیں بلکہ باوجود ان میں کوئی نہ کوئی ایسی خامی اور چوک موجود رہتی ہے جس سے ان کا جھوٹی ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔ مثلاً حضرت عائشہؓ پر بہتان والی روایات جن کو امام بخاریؒ نے اپنی کتاب "الشہادات، کتاب المغازی، کتاب التفسیر، اور امام مسلمؒ کتاب التوبہ کے تحت اپنی اپنی کتاب میں درج کیا ہے ان کے جھوٹ ہونے کی ایک محترمہ نے جو دلیل دی ہے وہ ہر صاحب سمجھ کے لئے لمحۂ فکر فراہم کرتی ہے۔ وہ یہ کہ روایات میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کے ہودج کو اونٹ پر یہ سمجھ کر باندھا گیا کہ اس میں حضرت عائشہؓ موجود ہیں حالانکہ یہ قطعاً خلاف واقعہ ہے کیونکہ دنیا میں آج تک کبھی بھی ایسا ہوا ہی نہیں کہ سواری سمیت (چاہے وہ کتنی ہی ہلکی دبلی ہی کیوں نہ ہو) اونٹ سے ہودج اتارا گیا ہو یا باندھا گیا ہو۔

عذاب قبر کے منکر کو بدعتی قرار دینا محل غور ہے کیونکہ بدعت کا تعلق عمل سے ہے۔

کیا اصولِ تفسیر یہ ہے کہ قرآن میں تضاد و اختلاف بیانی کا ثبوت فراہم کیا جائے؟ کیا اصولِ حدیث کی رو سے ایک ہی مسئلہ میں متضاد و متناقض حدیثوں کو مانا جائے تاکہ اللہ کے رسولؐ پر تضاد بیانی و اختلاف بیانی کا ثبوت فراہم ہوجائے اور قرآن کے خلاف اور تجربہ و مشاہدہ میں غلط ثابت ہونے والی باتوں کو اللہ کے رسولؐ سے منسوب کیا جائے۔ اقوال الرجال ہوں یا تفسیر یا آثار یا حدیث، وحی الٰہی تو ہے نہیں کہ ان کو آنکھیں بند کرکے مان لی جائے۔ یہ سب غیر معصوم انسانوں کی باتیں ہیں۔ تفسیر ابن کثیر تو احادیث کے پیش نظر لکھی گئی ہے۔)

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ (۲۷) سورۂ ابراھیم ——— یعنی اللہ ایمانداروں کو دنیا و آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے [اور مصیبت کے وقت ان کا دل مضبوط رہتا ہے] اور ظالموں کو (اصل مطلب سے) بھلا دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

یہاں بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ کا ترجمہ نہیں لکھا گیا جس کے معنی "مضبوط بات" کے ہیں اور جس سے مراد کلمۂ طیبہ ہے جس کو اسی سورۃ کی آیت ۲۴ میں كَلِمَةً طَيِّبَةً (مضبوط بات) فرمایا گیا ہے۔ غور کیجئے خود اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ثابت قدمی عطا کرنے کی بات فرمائی ہے جس کے خلاف مؤلف صاحب اقوال الرجال کی بناء پر برزخ میں ثابت قدمی مراد لئے ہیں حالانکہ برزخ عارضی ہے اور آخرت ابدی، دونوں ایک نہیں ہوسکتے۔ کیا یہ تحریف معنوی نہیں؟ کیا یہ تفسیر بالرائے نہیں؟ غالباً اصولِ تفسیر و اصولِ حدیث کی رو سے اللہ کی بات کے خلاف من مانے مطالب لینا جائز ہوجاتا ہے۔

آخرت میں ثابت قدمی یہ ہے کہ جو اللہ و رسولؐ کی تعلیمات کی روشنی میں دوزخ سے بچنے اور

جنت کے حصول کی کوشش میں لگا رہے اس کے لئے حشر کے دن ہر چیز و ہر مرحلہ اسی علم کے مطابق ہی پائے گا۔ اور منکرین و نافرمانوں کی طرح پریشانیوں میں مبتلا نہ ہوگا۔

قبر یا برزخ میں منکر نکیر کا رب، دین اور رسولؐ کے متعلق سوال کرنا ہر لحاظ سے محلِ غور ہی ہے کیونکہ دنیا امتحان گاہ (دار العمل) ہے جہاں قَالُوْا بَلٰی کے عہد اور طالب آخرت ہونے کے اقرار میں اپنے قول و عمل سے سچے ہونے کا ثبوت دینا ہے۔ یہ موقع و مقام تو موت کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ علاوہ اس کے دنیا سے جاتے وقت ہر انسان اپنا نامۂ اعمال کراماً کاتبین کا تیار کیا ہوا ریکارڈ علیین، سجین کے صدر رجسٹرات کے اندراجات جن میں انسان کی پوری زندگی کی تفصیل درج ہوتی ہے اور وہ آثار بھی جو اس نے اپنے قول و عمل سے دنیا میں چھوڑا ہے برابر ریکارڈ ہوتے رہتے ہیں۔ مزید انسان کی اپنی جلد، زبان، سماعت و بصارت، ہاتھ پیر، زمین کی شہادت انسان کی باتوں کا مکمل ٹیپ جو اس نے اپنی زندگی میں کہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ کی ہر چھپی ڈھکی اور وسوسوں سے تک کا باخبر ہونا ایسے گواہ و ثبوت و شہادت کے ہوتے ہوئے قبر میں سوال و جواب کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

بحوالۂ احادیث لکھا گیا ہے کہ

پھر وہ فرشتے اسے نیک و بد ٹھکانا بتا دیں گے۔ جنتی اپنا ٹھکانہ دیکھ کر خوش ہوگا اور فرشتوں سے کہے گا کیا میں اس خوشی کا حال اپنے عزیزوں سے کہہ آؤں۔ وہ جواب دیں گے اب تو تیامت تک آرام سے سو جا۔ ایماندار جو جواب فرشتوں کو ثابت قدمی سے دیں گے وہ خدا داد ہے۔

(کیا اس عبارت سے عذاب قبر کی نفی و تردید ہوتی ہے یا تصدیق غور کر لیا جا سکتا ہے اسکے علاوہ بخاری و مسلم میں ایک روایت ہے جس سے بھی عذاب قبر کی قطعی نفی ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ (۱۲)

مردے کی ثابت قدمی کو خدا داد کہا گیا ہے جو محلِ غور ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے مقرر کردہ قانون کے تحت ثابت قدمی صرف اسی کو عطا فرماتا ہے جو اللہ کی ہدایت کے مطابق صبر و استقامت سے کام لیتا ہے۔

صحیح بخاری کے حوالہ سے پاک روح اور خبیث روح کی باتیں لکھی گئی ہیں۔ حالانکہ روح کی یہ تقسیم صریحاً قرآن کے خلاف ہے کیونکہ انسان اپنے فکر و عمل کی بناء پر نیک و بد بنتا ہے نہ کہ روح کی بناء پر۔ روح کے متعلق ارشادِ الٰہی مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (میرے رب کے حکم سے ہے)۔ رب کا حکم خبیث نہیں ہو سکتا۔ علاوہ اس کے وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (اور میں پھونک دوں اس میں میری روح (حکم) سے الحجر ۳۰) کا ارشادِ الٰہی ہونے کے باوجود اللہ کے رسولؐ روح کے پاک و خبیث ہونے کی بات کیسے فرما سکتے ہیں یہ عجمی تصورات ہیں جن کو اسلام میں داخل کر لیا گیا ہے۔) پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔

(مٹی کے اجزاء سے بنا ہوا جسم تو موت کے ساتھ ہی تحلیل ہوتے ہوتے پھر مٹی میں مل جاتا ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۔ سورہ طٰہٰ ۵۵
(ہم نے تم کو مٹی سے بنایا اور پھر ہم تم کو اسی میں لوٹا دیں گے اور دوبارہ تم کو اسی سے نکالیں گے ۔)

اس لئے ماننا پڑے گا کہ برزخ میں برزخ کے لحاظ سے جسم ملتا ہے کیونکہ اس عالم میں بھی زندگی ہے ۔ (بقرہ ۔ ۱۵۴)

سورۂ بقرہ آیت ۲۸ ۔ سورۂ المومن آیت ۱۱ میں انسان کی چار حالتوں کا ذکر ہے جن میں سے دو کو موت اور دو کو زندگی کہا گیا ہے ۔ روح کی بات کا شائبہ بھی نہیں ۔ پہلی حالت موت ۔ میں ہم سب نے قَالُوْا بَلٰى کا اقرار کیا ہے ۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝۱۷۲ الاعراف (اور جب کہ آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ۔ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں ہم سب گواہ بنتے ہیں تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے ۔)

صاف ظاہر ہے کہ اولادِ آدم سے جسم و جان کے مرکب ہی مراد ہیں جن کو اس عالم کے لحاظ سے جسم ملا نہ کہ مجرد ارواح ۔ پہلی حالت زندگی دنیا کی ہے جس کے بعد دوسری حالت موت برزخی ہے اس میں بھی انسان کے زندہ رہنے کی بات کہی گئی ہے (بقرہ ، ۱۵۴) جو صرف حشر تک ہے جس کے بعد اُخروی و ابدی زندگی ہے اس بنا پر روح کی بات غیر قرآنی قرار پاتی ہے ۔)

بحوالہ حدیث کتابچہ میں لکھا گیا ہے : ۱۔ مردہ کے لئے قبر اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں ۔ جب یہ جسم ہی باقی نہیں رہتا تو پسلیاں گھس جانے کی بات محل غور ہے ۔
۲۔ قبر میں ایک اندھا ، بہرہ اور گونگا فرشتہ گرز سے مارتا ہے جس سے مردہ مٹی ہو جاتا ہے ۔ پھر فوراً ہی ویسا ہی ہو جاتا ہے ۔ اس کی چیخ سوائے جن و انس کے ہر کوئی سنتا ہے ۔ (اس حدیث کے غلط و جھوٹ ہونے کا ثبوت جانوروں کا قبرستانوں اور مسان گھٹیوں میں چلنا پھرنا ہے ۔ یہ عذاب تو صرف دوزخ ہی میں ہوگا ۔
۳۔ سانپ بچھو چھوٹ جاتے ہیں ۔ کالے ناگ قیامت تک اس کو ڈستے رہتے ہیں ۔
۴۔ عذاب قبر کو کم کرنے کے لئے دو قبروں پر ہری ڈالی کے ٹکڑے لگانے کی حدیث بھی لکھی گئی ہے اس حدیث کے غلط و جھوٹ ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کے وہ ارشادات ہیں جن میں کائنات کا ذرہ ذرہ بشمول قبر کی مٹی کے ذرات بھی شامل ہیں ۔ رب کی حمد و پاکی بیان کرنے میں مصروف رہنے کی بات کہی گئی ہے مثلاً سورۂ بنی اسرائیل آیت ۴۴ ۔ اور سورۃ النور آیت ۴۱ ۔ اس لئے اللہ کے رسول اللہ کی بات کے

خلاف ہرگز کوئی بات نہیں فرما سکتے۔ دوسرے کسی بھی ذریعہ سے اللہ کے مقرر کردہ عذاب میں نہ کمی ہوسکتی ہے اور نہ وہ موقوف ہوسکتا ہے اگر ایسا ہو تو یہ اللہ کے عجز کا بین ثبوت ہوگا جو قطعی ناممکن ہے۔

(۵) بنو نجار کے باغ میں عذاب قبر کی وجہ سے نبی کریمؐ کی سواری کا خچر بدکنے کی بات بیان ہوتی ہے۔ اللہ کے رسولؐ سے پہلے خچر کو عذاب قبر کا علم ہونا صاف بتا رہا ہے کہ یہ حدیث دراصل اس حدیث کی صحت ثابت کرنے کے لئے گھڑی گئی ہے جس میں قبر والوں کی چیخ و پکار سے جن و انس کے سوا ہر ایک سنتا ہے کا ذکر ہے۔ حدیث ہی سے ثابت ہے کہ یہ واقعہ مکہ کے تیرہ سالہ دور میں نہیں بلکہ ہجرت کے کئی سال بعد مدینہ میں پیش آیا ہے۔ غور کیجئے کہ اللہ کے رسولؐ جن کا اولین اور بنیادی فرض عالم غیب کے حقائق سے لوگوں کو خبردار کرنا تھا اور عالم غیب کی پہلی منزل عذاب قبر ہونے کی بات آغاز نبوت ہی سے اس سے آپؐ کا واقف ہونا اور اس سے لوگوں کو خبردار کرنا لازمی و ضروری تھا۔ اس کی بجائے نبوت کے پندرہ، سولہ سال بعد تک بھی آپؐ کا اس سے لاعلم و بےخبر رہنا یا بےخبر رکھا جانا قطعاً ناممکن ہے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ایک یہود دن آپؐ کو عالم غیب (عذاب قبر) کی بات بتاتی ہے۔

(۶) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنے بھی ہولناک مناظر میں نے دیکھے ہیں قبر ان سب سے زیادہ ہولناک ہے۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوقت معراج جنت و دوزخ کے مناظر دکھائے جانا سب کا مسلمہ ہے اور یہ بھی کہ سب سے زیادہ شدید اور ہولناک مناظر تو صرف دوزخ ہی کے ہیں پھر آپ قبر کے عذاب کو سب سے زیادہ ہولناک کیسے فرما سکتے ہیں۔ دوزخ سے زیادہ قبر کی ہولناکی کا ذکر اس حدیث کے جھوٹا ہونے کا کھلا ثبوت ہے۔

برزخ کا یہ عذاب ... ان پر قیامت کے قائم ہونے تک برابر جاری رہے گا۔ ... یعنی زمین میں (ابن کثیر)

غور کیجئے کہ قیامت قائم ہونے تک عذاب قبر برابر جاری رہنے کی بات نفخۃ البعث سے ۴۰ سال پہلے عذاب قبر موقوف ہونے کی بات کے خلاف ہے جس کو کتابچہ کے صفحہ ۱۸ میں لکھا گیا ہے۔ ملحوظ ہے یہ دونوں باتیں تفسیر ابن کثیر کی ہیں۔ دوسرے برزخ کا زمین ہی میں واقع ہونا قطعی من گھڑت بات ہے کیونکہ ارشاد الٰہی ﴿وَنُنْشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ الواقعہ ۶۱ (ہم تم کو ایسی جگہ پیدا کر دیں گے جس کو تم نہیں جانتے) سے ثابت ہے کہ برزخ کہاں واقع ہے۔ اس کا ہم کو علم نہیں دیا گیا ہے۔)

برزخ کی دو قسمیں ہیں ایک سجین اور دوسری علیین ...... ﴿كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ﴾

... كِتَابٌ مَّرْقُومٌ (التطفیف ۷ تا ۹) یعنی بدکاروں کے اعمال (بد) سجین

میں ہیں۔ اور تمہیں کیا معلوم سجین کیا ہے؟ یہ بہت بڑی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ سجین المناک اور ہمیشہ درد، دکھ کی جگہ ہے۔ یہ جگہ ساتوں زمینوں کے نیچے ہے ایک حدیث میں ہے کہ کافروں کی روحوں کے بارے میں جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ اس کو کتاب سجین میں لکھ لو اور سجین ساتوں زمین کے نیچے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے علیین و سجین دونوں کو کتاب مرقوم فرمایا ہے یعنی یہ وہ صدر رجسٹر ہیں جن میں نیک و بد لوگوں کے اعمال کا اندراج ہوتا ہے لیکن کتابچہ میں علیین اور سجین کو نہ صرف برزخ کی دو قسمیں قرار دیا گیا ہے بلکہ سجین المناک اور ہمیشہ درد و دکھ کی جگہ لکھا گیا ہے۔ لکھی ہوئی کتاب کو جگہ قرار دینا کیا یہی اصولِ تفسیر ہے اور اصولِ حدیث کی رو سے ایسا لکھنا شاید جائز ہے۔ سجین میں روحوں کو لکھنے کی بات بھی محلِ غور ہے کیوں کہ رجسٹر میں اعمال کا اندراج ہوتا ہے نہ کہ روحوں کا)

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ کی تفسیر میں

حضرت ابن عباسؓ اور کعب احبارؓ کے اقوال کے تحت مومن کی روح نکلنے کے بعد عرش تک پہنچ جاتی ہے لکھا گیا ہے حالانکہ روح کے عرش تک پہنچنے کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ یہ معاملہ بالکلیہ غیب سے تعلق رکھتا ہے البتہ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۔۔۔۔ ۱۰ الفاطر (اس کی طرف جو چیز اوپر چڑھتی ہے وہ صرف پاکیزہ قول ہی ہے اور صالح عمل اس کو اوپر چڑھاتا ہے۔) فرمایا گیا ہے۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ تفسیر ابن عباسؓ ہو یا اقوالِ کعب احبارؓ ہوں ان میں زیادہ تر اسرائیلیات ہی ہیں۔

سماع موتیٰ ابن جریر کے حوالے سے ارشادِ رسولؐ "اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میت تمہارے جوتیوں کی آہٹ کو سنتی ہے جبکہ تم اسے دفنا کر واپس لوٹتے ہو۔۔۔۔۔ مردے زندوں کی آواز سنتے ہیں یا نہیں؟ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے کہ مردے زندوں کی آواز نہیں سنتے اور یہی صحیح ہے — وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ۲۲ (الفاطر) یعنی اللہ تو جسے چاہے سنا سکتا ہے مگر آپؐ (اے نبیؐ) قبروں میں پڑے ہوئے مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ چنانچہ کوئی مرنے کے بعد قبر میں دفنا دیا جائے تو اسے پکارنا بے سود ہے (صرف بے سود ہی نہیں بلکہ سنگین جرم (شرک) ہے)۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ مردے زندوں کی آواز سنتے ہیں ان کا استدلال اس حدیث پر ہے: بدر کے دن مقتولین کفار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نام بنام پکار کر فرمایا تھا۔ فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۔۔۔۔ ۴۴۔ سورۂ اعراف (پس کیا تم نے بھی اپنے رب کا وعدہ سچا پایا۔)

سماع موتیٰ کی سب سے اہم و بنیادی دلیل مقتولانِ بدر والی حدیث ہی ہے جو پیش ہے۔

بخاری

حضرت عمرؓ بول پڑے یا رسول اللہ آپ ان لاشوں سے کیوں خطاب فرما رہے ہیں جن میں کوئی جان نہیں ہے آنحضورؐ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم لوگ ان سے زیادہ اسے نہیں سن رہے ہو۔ قتادہؒ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا تھا (اس وقت) تا کہ آنحضورؐ انہیں اپنی بات سنا دیں۔ ان کی توبیخ، ذلت، نامرادی اور حسرت و ندامت کی توثیق کے لئے۔

(حدیث ۱۱۵۵ تفہیم البخاری)

ابن کثیر

حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مردوں سے تخاطب فرما رہے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ خدا کی قسم وہ تم سے کم نہیں سن رہے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر پارہ: ۷)

کتابچہ

حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرے ہوئے مردوں سے خطاب فرما رہے ہیں کیا یہ سنتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میری بات کو یہ تم سے زیادہ سن رہے ہیں مگر جواب دینے کی طاقت نہیں ہے۔

(غور فرمایئے کہ مردے اگر واقعی سنتے ہوتے تو آپ کا سیدھا سادھا جواب لازماً یہی ہوتا۔ کہ "ہاں سنتے ہیں"۔ اس کی بجائے "تم لوگ ان سے زیادہ اسے نہیں سن رہے ہو" فرمانا اپنے اندر جو معنویت رکھتا ہے اس کی حسبِ ذیل وضاحت حضرت عائشہؓ نے کی ہے جو پیش ہے:

"حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ نبی کریمؐ نے بدر کے کنویں پر کھڑے ہو کر فرمایا کیا جو کچھ تمہارے رب نے تمہارے لئے وعدہ کر رکھا تھا اسے تم نے حق پا لیا پھر آپ نے فرمایا جو کچھ میں نے کہا ہے یہ اب بھی اسے سن رہے ہیں۔ اس حدیث کا ذکر جب حضرت عائشہؓ سے کیا گیا تو آپ نے کہا کہ آنحضورؐ نے یہ فرمایا تھا کہ انھوں نے اب جان لیا ہوگا کہ جو کچھ میں نے ان سے کہا تھا وہ حق تھا اس کے بعد آپ نے آیت "بے شک آپؐ مردوں کو نہیں سنا سکتے" پوری پڑھیں۔

(تفہیم البخاری حدیث ۱۱۵۸)

نبی کریمؐ ان مقتولین کو نہ سنانے کے لئے ان کے نام لے کر پکار رہے تھے اور نہ آپ یہ سمجھتے تھے کہ مقتولین آپ کی آواز کو سن رہے ہیں کیونکہ آپؐ کا کوئی قول و فعل قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ علاوہ اس کے مقتولین تو دارالعمل سے عالم برزخ میں پہنچ چکے تھے جہاں وہ رسولؐ کی بتائی ہوئی باتوں کے حق ہونے کا صبح و شام مشاہدہ بھی کر رہے تھے۔ اس لئے مقتولین کو سنانے یا ان کے سننے کا سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ دراصل جو حضرات اس وقت آپ کے ساتھ موجود تھے جو آپ کی باتیں صرف سن کر غیب پر ایمان لائے تھے ان کو ایسے موزوں موقع پر سنانے کے لئے آپؐ نے ایسا کیا تا کہ غیب پر ان کے ایمان میں زیادتی اور پختگی ہو۔ غور کیجئے حقیقت واقعہ کیا تھا اور اس کو کیا بنا دیا گیا۔ ایک ہی بات نقل ہوتے ہوتے کیا سے کیا ہو جاتی ہے۔ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ نبی کریمؐ کی بات سنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقتولانِ بدر کو

زندہ کر دیا تھا کی بات محض غلو پر مبنی ہے کیونکہ کوئی بھی اس بات کو نہ آنکھوں سے دیکھا نہ کانوں سے سنا اور نہ دیگر حواس سے اس کو محسوس کیا۔ اور نہ نبی کریمؐ نے اس کو معجزہ فرمایا ہے۔ بات کا تبنگڑ بنانا اسی کو کہتے ہیں۔ مردہ لوگوں کی توبیخ و ذلت وغیرہ کی باتیں کرنا نبی کریمؐ کے اخلاقِ حمیدہ کے صریحاً خلاف ہے اور مُردوں کا ذکر بُرے الفاظ میں کرنے سے منع فرمایا ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت نہ صرف مردے سننے کا بلکہ مردے زندوں کی مدد کرنے کا عقیدہ کار فرما تھا۔ جس کے نتیجہ میں کعبہ میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) بُت نصب تھے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے علم کی کتاب القرآن نازل فرما کر نہ صرف باطل، غلط، جھوٹ، قرار دیا بلکہ واقعات کے ذریعہ (یونس آیت ۲۹، النحل ۸۶، الاحقاف ۵، ۶) اس کا ثبوت بھی فراہم فرما دیا۔ چنانچہ مردوں کا نہ سننا ہر ایک کے مشاہدہ میں ہے جو اللہ کی بات کے سچ ہونے کا کھلا اور ناقابلِ انکار ثبوت ہے اس لئے جو قرآن کی روشنی میں سمع موتیٰ کا انکار کرتے ہیں وہی حق پر ہیں اور جو حدیث کی آڑ میں معجزہ قرار دے کر مُردے سننے کے قائل ہیں وہ دراصل قدیم بگاڑ کے نہ صرف صحیح و درست ہونے کا بلکہ اللہ کی بات کے غلط و جھوٹ ہونے کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے سامنے کیا عذر پیش کر سکیں گے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کی بنا پر ہی حق و باطل کا فیصلہ فرمائے گا۔

کتابچہ کے صفحہ ۷ تا ۱۱ میں تفسیر ابن کثیر کی تقریباً عبارت نقل کر دی گئی ہے جس میں تکرار ہے جس کا خلاصہ پیش ہے۔

"حضرت عائشہؓ کی ایک یہودی خدمت گذار آپ کے حسنِ سلوک پر اللہ تجھے عذابِ قبر سے بچانے کی دعا دیتی ہے۔ آپ نے نبی کریمؐ سے پوچھا کہ کیا قیامت سے پہلے قبر میں عذاب ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں تو ... کہا؟ حضرت عائشہؓ نے یہودیہ کا حوالہ دیا تو آپؐ نے فرمایا: یہود جھوٹے ہیں اور وہ تو اس سے ... وہ جھوٹ اللہ پر باندھا کرتے ہیں۔ قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں۔ کچھ دن گذرنے کے بعد آپ نے عذابِ قبر ہونے کی بات فرمائی ہے۔

سوال کے جواب میں نبی کریمؐ کی سنّت قائمہ یہ رہی ہے کہ جن امور کا آپؐ کو علم ہوتا تو جواب دیتے ورنہ آپ سکوت فرماتے ضروری ہوتا تو وحی الٰہی کے ذریعہ سوال کا جواب عطا کر دیا جاتا۔ عذابِ قبر کی بات سنتے ہی آپ کا نفی و تردید فرمانا اگر حقیقت واقعہ کے خلاف ہوتا تو فوری وحی کے ذریعہ عذابِ قبر کے حق ہونے کا علم دیدیا جاتا جس کا ذکر ... قرآن میں بھی ہوتا ——— یہاں قابلِ نوٹ بات یہ ہے کہ عذابِ قبر کے ثبوت میں جو قرآنی آیات پیش کی جاتی ہیں وہ سب کی سب مکہ میں ہی نازل ہو چکی تھیں اس لئے آپ کا انکار کرنا ... یا تو یہ آیتیں آپ کو یاد نہیں رہیں یا ان کے ... مفہوم سے آپ اس وقت تک لا علم تھے نعوذ باللہ من ذالک ...

تعلق عذاب قبر سے نہیں ہے۔ غور کر لیا جا سکتا ہے کہ کونسی صورت درست ہے۔

۲۔ ایک یہودیہ نے حضرت عائشہؓ کی عطا پر آپ کو عذاب قبر سے بچانے کی دعا دی۔ جس کے آخر میں ہے کہ کچھ دنوں بعد نبی کریمؐ نے فرمایا کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ تمہاری آزمائش قبر میں کیجاتی ہے۔

۳۔ ایک مرتبہ نبی کریمؐ حضرت عائشہؓ کے ہاں ایسے وقت تشریف لائے جبکہ ایک یہودیہ آپ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی جس نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ تم لوگ اپنی قبروں میں آزمائے جاؤ گے۔ اسے سن کر نبی کریمؐ کانپ گئے اور آپ نے فرمایا یہودی آزمائے جاتے ہیں۔ پھر چند دنوں بعد آپ نے قبر کے فتنوں میں ڈالے جانے کی بات فرمائی۔ غور کیجئے کہ کانپنے اور یہودی آزمائے جانے کی بات کہنے میں کوئی مناسبت ہے۔ قبر میں آزمائش اور قبروں میں فتنے کی بات ان کے جھوٹے ہونے کا کھلا ثبوت ہے۔ کیونکہ آزمائش اور فتنہ کا مقام تو دنیا دارالعمل ہے جو موت کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے برزخ میں فتنہ و آزمائش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسرے آزمائش وفتنہ دونوں عذاب نہیں ہو سکتے۔ تیسرے حدیث ۱، ۲، ۳ میں "کچھ ہی دن گذرے تھے"، "کچھ دنوں بعد"، "پھر چند دنوں بعد" کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ عذاب قبر کی باتیں بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط منسوب کر دی گئی ہیں۔

۴۔ (صحیح بخاری) ایک یہودیہ حضرت عائشہؓ کے پاس آکر کہا کہ ہم عذاب قبر سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں تو آپ نے نبی کریمؐ سے عذاب قبر کی بات دریافت فرمائی تو نبی کریمؐ نے فرمایا" ہاں عذاب قبر حق ہے۔

مندرجہ بالا چاروں احادیث سے ثابت ہے کہ ایک یہودن ہی نے اللہ کے رسولؐ کو عذاب قبر (عالم غیب) سے باخبر کیا جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں نے اسلام میں عذاب قبر کی باتیں اسی طرح داخل کر دیئے ہیں جس طرح نقش، تعویذ، دم، کڑا، چھلہ، جادو، نظر بد وغیرہ کو داخل کئے ہیں۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۚ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ ۴۶ سورۃ المومن [یعنی وہ (آج تک) صبح و شام آگ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس دن حکم ہوگا فرعونیوں کو بڑے سخت عذاب میں داخل کر دو]

اس آیت کو عذاب قبر کی ایک اہم دلیل اور بہت موٹی دلیل لکھا گیا ہے اور اس آیت کا مکی ہونا اور نبی کریمؐ کو عذاب قبر کا علم مدینہ کی ہجرت کے بعد ہونا سب کا مسلمہ ہے چنانچہ لکھا گیا ہے ــــ

پس احادیث اور قرآن کو ملا کر مسئلہ یہ ہوا کہ عذاب قبر روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے اور یہی حق ہے۔

(مندرجہ بالا سے روح اور جسم پر الگ الگ عذاب ہونے کی بات معلوم ہوتی ہے جو محض قیاس ہے دلیل نہیں)

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آلِ فرعون کی روحوں کو نہیں بلکہ آلِ فرعون (جسم و جان کے مرکب) کو آگ کے سامنے پیش کئے جانے کی بات فرمائی ہے۔

اشد العذاب کی بناء پر یہ قیاس قائم کرلینا کہ اشد العذاب سے پہلے یعنی عالمِ برزخ میں ہلکا یا کم عذاب ہو رہا ہے نہ صرف من گھڑت ہے بلکہ قرآن کے خلاف ہے۔ آگ کے سامنے پیش کیا جانا اگر عذاب ہوتا تو خود آیت ہی میں عذابِ ادنیٰ، یا عذابِ اصغر، یا عذابِ خفیف کی صراحت ہوتی ۔ آگ کے سامنے پیش کئے جانے کو جب عذاب نہیں کہا گیا ہے تو ہمارا اس کو عذابِ قبر قرار دے لینا ہر لحاظ سے محلِ غور ہے۔ فیصلہ سے پہلے مجرم کو قید خانہ بتانے کو کسی طرح بھی سزا قرار نہیں دیا جاسکتا تو دوزخیوں کو دوزخ بتانا کیسے عذاب قرار دیا جاسکتا ہے۔

دوسرے یہ آیتیں رسول اللہ پر مکہ میں نازل ہو چکی تھیں لیکن ان کا مطلب و مراد پندرہ، سولہ سال بعد مدینہ میں سمجھایا جانا کیسے قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ نبیؐ کلام الٰہی کے مفہوم سے اس قدر طویل عرصہ تک لاعلم و بے خبر رہے۔

تیسرے عذابِ قبر کے ثبوت میں اللہ کے رسولؐ نے کسی قرآنی آیت کو پیش نہیں فرمایا لیکن ہمارے علماء و مفسرین نے عذابِ قبر کے ثبوت میں قرآنی آیات پیش کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآنی آیات کا فہم اللہ کے رسولؐ سے زیادہ ہمارے علماء و مفسرین کو حاصل ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

اللہ کے رسولؐ کے ارشادات میں تضاد کیسے ہو سکتا ہے اس لئے یہ ماننے بغیر چارہ نہیں کہ دو متضاد حدیثوں میں سے کوئی ایک حدیث ہی ارشادِ رسولؐ ہو سکتی ہے جس کا فیصلہ قرآن کی روشنی میں بآسانی کرلیا جاسکتا ہے۔ یعنی جو حدیث قرآن کے مطابق ہو وہی دراصل ارشادِ رسولؐ ہے اور جو قرآن کے خلاف ہو وہ ہرگز ارشادِ رسولؐ نہیں ہو سکتا اس کے لئے دو ارشاداتِ رسول پیش ہیں۔

(۱) جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کی ابدی قیامگاہ اسے صبح و شام دکھائی جاتی ہے خواہ وہ جنتی ہو یا دوزخی اسے کہا جاتا ہے کہ یہ تمہاری ہونے والی ابدی قیامگاہ ہے جب تمہیں اللہ تعالیٰ حشر کے دن دوبارہ اٹھائے گا۔ (تفہیم البخاری حدیث ۱۲۸۹)۔

(۲) جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا ٹھکانا صبح و شام اس کے سامنے کیا جاتا ہے اگر وہ جنتی ہے تو جنت دکھائی جاتی ہے اور اگر دوزخی ہے تو دوزخ دکھائی جاتی ہے پھر کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانہ ہے جہاں تو حشر کے دن بھیجا جائے گا۔ (مسلم جلد ۶)

یہ حدیثیں سورۃ المومن کی آیت ۴۶ کی وضاحت کرتی ہیں۔ جس میں آلِ فرعون کو صبح و شام آگ کے سامنے لائے جانے کا ذکر ہے۔ غور کیجئے کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں یا عذابِ قبر والی حدیثیں؟

بعض کلمہ گو حضرات عذابِ قبر کو نہیں مانتے ان کا استدلال سورۂ یٰسین کی آیت پر ہے۔ قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۵۲
یعنی کہیں گے کہ ہائے ہم کو ہماری خوابگاہ سے کس نے اٹھایا؟ یہ تو وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔

کاش! یہ حضرات اس آیت کی تفسیر ملاحظہ فرماتے تو اتنے بڑے گناہ کے مرتکب نہ ہوتے۔

(مندرجہ بالا عبارت مولف کتابچہ کے ذہن کی غمازی کر رہی ہے۔ ایک تو یہ کہ عذابِ قبر کے نہ ماننے والے ان کے خیال میں مسلمان نہیں ہیں۔ دوسرے قرآن پڑھنے سے نہیں بلکہ تفسیر پڑھنے سے گناہ سے بچا جا سکتا ہے۔ تیسرے مفسر ابن کثیرؒ ۷۰۱ھ میں پیدا ہوئے، مولف صاحب کے خیال کی رو سے ابن کثیر کی تفسیر سے پہلے کے لوگوں کا گناہ سے نہ بچ سکنا لازم آتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے جو تفسیر اس سے پہلے موضوع کی آئی ہے اس کا حاصل یہ ہے۔ جس کا خلاصہ پیش ہے۔

جس میں سورۂ یٰسین کی آیت ۴۹ و ۵۰ میں بیان کردہ باتوں کے علاوہ اور بھی دوسری باتیں لکھی گئی ہیں جو عذابِ قبر سے غیر متعلق ہیں۔ نفخ صور سے متعلق بخاری و مسلم میں صرف حضرت ابوہریرہؓ والی روایت ہی ملی جن میں بین النفختین اربعون (دونوں صور کے درمیان چالیس کا فرق) کے الفاظ ہیں۔ جن سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کون سے دو صور، پہلا و دوسرا یا دوسرا و تیسرا کیونکہ ابن کثیر میں نفخۃ البعث کو تیسرا صور کہا گیا ہے۔ صور کی عدم وضاحت روایت کو مجہول کر دیتی ہے۔

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ سے جب پوچھا گیا کہ چالیس سے کیا چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال مراد ہیں تو آپ نے ہر ایک کے جواب میں اَبَیْتُ (مجھے نہیں معلوم) فرمایا۔ جو روایت کو مجہول قرار دینے والی بات ہے۔

۳۔ اس میں یہ بھی وضاحت نہیں ہے کہ یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس موقع پر یا کس سلسلہ میں فرمایا ہے۔

۴۔ قرآن میں اس چالیس کے متعلق کوئی اشارہ نہیں ہے۔

۵۔ بلکہ تردید و نفی ہے۔ چنانچہ آلِ فرعون کو حشر کے دن تک صبح و شام آگ کے سامنے پیش کئے جانے کی بات بیان ہوئی ہے۔

۶۔ آخری صور پر دفعتاً اٹھ کھڑے ہونے والے برزخ کو خوابگاہ کہیں گے۔ اگر چالیس سال سے وہ عذابِ قبر سے محفوظ تھے تو اس کا بھی تذکرہ ضرور کرتے۔ اس کے عدم تذکرہ سے عذابِ قبر کی کلی نفی و ترد

ہو جاتی ہے اس کے علاوہ سورہ روم آیت ۵۵ و ۵۶ میں قیامِ برزخ کا بھی ذکر ہے جس میں چالیس سال کے وقفہ کا اشارہ بھی نہیں۔

۷۔ آخری صور پر تمام انسان اسی مٹی کے اجزاء سے بنے ہوئے جسم کے ساتھ جو موت کے بعد مٹی میں مل گیا تھا۔ دفعتاً اٹھ کھڑے ہوں گے جو ہم سب کا مسلّمہ ہے۔ جس سے قبر یا برزخ میں جسم و روح کو عذاب ہونے کی بات محلِ نظر قرار پاتی ہے۔

اس تفسیر کے متعلق لکھا گیا ہے۔ امید ہے کہ یہ تفسیر منکرین عذاب قبر کو توبہ کرنے پر مجبور کر دے گی۔

(دیکھا آپ نے کہ کس طرح اللہ کی کتاب کو انسانوں کے لیے ناکافی قرار دیا گیا ہے اور تفسیر کو قرآن سے بڑھا دیا گیا ہے۔)

احمد، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ کے حوالے سے رسول اللہ کا یہ ارشاد لکھا گیا ہے: قرآن مجید میں ایک سورۃ تیس آیات کی ہے وہ اپنے پڑھنے والے کی سفارش کرتی رہیگی یہاں تک کہ اسے بخشا جائیگا۔ وہ سورۃ الملک ہے۔

ایک اور ارشادِ رسولؐ ہے یہ سورۃ عذاب سے مانع ہے۔ نجات دلانے والی ہے اس کے پڑھنے والے کو اللہ کے عذاب سے نجات دلا دے گی۔ (ترمذی) مولف صاحب کی نصیحت بعد نماز عشاء ہر روز اس سورۃ کو پڑھنا چاہیئے۔

(قرآن مجید کی سورتوں کے فضائل والی تمام احادیث کا گھڑی ہوئی ہونا ایک حقیقت واقعہ ہے جس کا انکار کوئی بھی عقلمند آدمی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ پورے کا پورا قرآن احسن الحدیث ہے۔ اس احسن الحدیث کی ایک سورۃ کو اس کی دوسری سورتوں کے مقابلہ میں زیادہ یا کم اہم و ثواب والی قرار دینا ہرگز پیغمبر کا کام نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تو قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہوا (الحجر ۹۱ تا ۹۲)۔ چنانچہ احادیث کی صحت کی جانچ کے لئے درایت کے حسب ذیل اصول مقرر ہیں جس کو سیرۃ النبی جلد اول بعنوان درایت کی ابتداء مولفہ علامہ شبلی نعمانیؒ بحوالۂ امام جوزیؒ اور ملا علی قاریؒ نقل کیا گیا ہے۔

"اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ حسب ذیل صورتوں میں روایت اعتبار کے قابل نہ ہوگی اور اس کے متعلق اس تحقیق کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا نہیں۔ ۱۔ جو روایت عقل کے مخالف ہو ۲۔ جو روایت اصولِ مسلمات کے خلاف ہو۔ ۳۔ محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو ۴۔ قرآن مجید یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے خلاف ہو اور اس میں تاویل کی کچھ گنجائش نہ ہو۔ ۵۔ جس حدیث میں معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو ۶۔ معمولی کام پر بہت بڑے انعام کا وعدہ ہو ۷۔ وہ روایت رکیک المعنی ہو مثلاً کدو کو بغیر ذبح کئے نہ کھاؤ ۸۔ جو راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہے کہ کسی اور نے نہیں کی اور یہ راوی اس شخص سے نہ ملا ہو ۹۔ جو روایت ایسی ہو کہ تمام لوگوں کو اس سے واقف ہونے کی ضرورت ہو با ایں ہمہ ایک راوی کے سوا کسی اور نے اس کی روایت نہ کی ہو ۱۰۔ جس روایت میں ایسا قابل اعتناء واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو سینکڑوں آدمی اس کو روایت کرتے، وجود اس کے صرف ایک ہی راوی نے اس کی روایت کی ہو

ملا علی قاریؒ کے اصول :۔ (۱) جس حدیث میں فضول باتیں ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نہیں نکل سکتیں۔ مثلاً یہ کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے خدا اس کلمہ سے ایک پرندہ پیدا کرتا ہے جس کی ستر زبانیں ہوتی ہیں ہر زبان میں ستر ہزار لغت ہوتے ہیں۔ (۲) وہ حدیث جو مشاہدہ کے خلاف ہو۔ مثلاً یہ حدیث کہ بیگن کھانا ہر مرض کی دوا ہے۔ (۳) وہ حدیث جو صریح حدیثوں کے مخالف ہو۔ (۴) جو حدیث واقعہ کے خلاف ہو مثلاً یہ کہ دھوپ میں رکھے ہوئے پانی سے غسل نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے۔ (۵) وہ حدیث جو انبیاء علیہم السلام کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہو۔ مثلاً یہ حدیث کہ تین چیزیں نظر کو ترقی دیتی ہیں، سبزہ زار، آب رواں، خوبصورت چہرہ کا دیکھنا۔ (۶) وہ حدیث جن میں آئندہ واقعات کی پیشین گوئی بقید تاریخ مذکور ہوئی ہے۔ مثلاً یہ کہ فلاں سنہ اور فلاں تاریخ میں یہ واقعہ پیش آئے گا۔ (۷) وہ حدیثیں جو طبیبوں کے کلام سے مشابہ ہیں مثلاً یہ کہ "ہریسہ کے کھانے سے قوت آتی ہے" یا یہ کہ "مسلمان شیریں ہوتا ہے اور شیرینی کو پسند کرتا ہے۔" (۸) وہ حدیث جسکے غلط ہونے کے دلائل موجود ہیں مثلاً "عوج بن عنق کا قد تین ہزار گز کا تھا۔ (۹) وہ حدیث جو صریح قرآن کے خلاف ہو مثلاً "دنیا کی عمر سات ہزار برس کی ہے کیونکہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو ہر شخص بتا دے گا کہ قیامت کے آنے میں اس قدر دیر ہے۔ حالانکہ قرآن سے ثابت ہے کہ قیامت کا وقت کسی کو معلوم نہیں۔ (۱۰) وہ حدیثیں جو خضرؑ کے متعلق ہیں۔ (۱۱) جس حدیث کے الفاظ رکیک ہوں۔ (۱۲) وہ حدیثیں جو قرآن مجید کی الگ الگ سورتوں کے فضائل میں وارد ہیں حالانکہ یہ حدیثیں تفسیر بیضاوی اور کشاف وغیرہ میں منقول ہیں۔"

ملحوظ رہے کہ درایت کے مندرجہ بالا اصول کے تحت احادیث کی صحت کی جانچ کرنا ابھی باقی ہے۔

غور و فکر کے لئے عرض ہے کہ قرآن علم کی کتاب ہے اور علم صرف عقل ہی سے حاصل ہو سکتا ہے علم کی یہ کتاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (امیؐ) پر اسی لئے ہی تو نازل کی گئی کہ آپ اس زمانہ میں اور اس قوم میں سب سے زیادہ عقل سے کام لینے والے تھے۔ چنانچہ مخالفین بھی آپ کی امانت، صداقت و شرافت کے قائل تھے۔ علم ہی سے فکر کی اصلاح ہوتی ہے۔ فکر کی اصلاح سے اعمال درست ہوتے ہیں۔ اصلاح و انقلاب کا یہی الٰہی قانون ہے۔ علم الفاظ ہی کی شکل میں ہوتا ہے۔ اگر علم کے ان الفاظ کے معنیٰ و مطلب کو نہ سمجھا جائے صرف زبان سے ان کو ادا کر دیا جائے تو یہی الفاظ اس کے لئے حجاب بن جاتے ہیں۔ قرآن کتاب ہدایت ہے ہدایت عمل کے کرنے کے لئے ہوتی ہے نہ کہ ہدایت کے الفاظ مخارج کے ساتھ صرف زبان سے ادا کرنے کے لئے کیونکہ ہدایت پر عمل کرنا اسی وقت ممکن ہے جبکہ ہدایت سمجھ کر پڑھی جائے۔ نیز دارالعمل ہے جہاں عمل کئے بغیر زبان سے صرف یا رزاق کے الفاظ جپنے سے رزق کا حاصل ہونا اس وقت تک نا ممکن ہے جب تک کہ قانون رزاقیت کے تحت سامان و ذرائع رزق کو نہ اپنایا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے زبانی ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کے ایمان کی نفی و تردید فرمائی ہے۔ (سورہ بقرہ۔ ۸)

کتاب اللہ پر ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کے عقائد و اعمال اگر کتاب اللہ کے خلاف ہوں تو ان کو کافر قرار دیا گیا ہے (بقرہ : ۸۵)۔

کتاب اللہ کی عظمت، تقدس اور اہمیت ماننے والے اسکو اگر بغیر سمجھے یا ثواب برکت یا عذاب قبر سے بچنے یا رزق شفاء، حل مشکلات، دفع مضرت کے لئے پڑھیں تو یہہ نہ صرف کتاب کی اور کتاب نازل کرنے والے کی بلکہ کتاب پہچانے والے کی بھی سخت ناقدری و توہین ہے۔ مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ (انعام : ۹۱)۔ کتاب الٰہی کو بغیر سمجھے پڑھنے والوں کو اللہ نے جاہل قرار دیا ہے (بقرہ : ۷۸)۔ حشر کے دن اللہ کے رسولؐ رب سے امت کے قرآن چھوڑنے کی شکایت کریں گے (الفرقان ۳۰)۔ ولو فرض یہہ حدیث صحیح بھی مان لی جائے تو یہہ صرف انہی کیلئے ہوسکتی ہے جنکی مادری زبان عربی ہو یا جو اس سورۃ کو سمجھ کر اپنی فکر و عمل کی اصلاح کیلئے پڑھتے ہیں اس کی بجائے سورۃ کے الفاظ کو صرف زبان سے ادا کرنے والوں سے متعلق سمجھنا اللہ کے رسولؐ پر بہت بڑا الزام لگانا ہے۔ کیونکہ اللہ کے رسولؐ ہرگز ہرگز ایسی کوئی بات نہیں فرماسکتے جس سے قرآن سمجھ کر پڑھنے کی بجائے صرف الفاظ زبان سے ادا کرنے کی ترغیب ہو۔ جس کی تصدیق خود سورۃ کے مضامین سے ہوجاتی ہے جس میں انسان کو یہہ بتایا گیا کہ تیری امتحانی زندگی کے لئے تیرے قادر مطلق خالق و رب نے یہ کائنات بنائی ہے اس لئے تو یہاں من مانی نہیں کرسکتا۔ امتحان میں کامیابی کیلئے سماعت، بصارت، عقل دی گئی اور کتاب و پیغمبر کے ذریعہ عارضی کے مقابلہ میں ابدی، ادنیٰ کے مقابلہ میں اعلیٰ، قلیل کے مقابلہ میں بے حد حساب کے حصول کی نہ صرف ترغیب دی گئی بلکہ رہنمائی بھی کی گئی۔ شیطان کے پیدا کردہ گمراہیوں سے بچانے کے لئے یہی بتایا گیا کہ صرف خالق ہی اپنی مخلوق، رب ہی اپنے مربوب، معبود ہی اپنے عبد کی ضرورت و حاجت کو جانتا ہے اور کوئی نہیں چنانچہ ان کا پورا کرنے والا صرف تنہا وہی ہے جس نے آسمان، زمین و پانی کے ذریعہ اس نظام کو پر ان چلا رہا ہے اور دلیل میں پرندوں کا ذکر فرمایا گیا۔ اس لئے بلا اسباب و ذرائع کے اور مردہ و غائب ہستیوں کے فیض و سفارش سے ضرورتیں پوری ہونے کا تصور شیطانی ہے اور جزا و سزا کو دیا گیا کہ بھول چوک، غلطی و گناہ معاف کرائے جاسکتے ہیں لیکن ابدی گھاٹے سے جہل، غفلت و لاپرواہی دنیا میں بھی موجب عذاب ہوگی۔

مولف کتابچہ کی دعا ملاحظہ ہو: آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو عذاب قبر پر ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائے اور اس عذاب سے بچنے کے لئے نیک اعمال کرے۔ (آمین)

رب العالمین سے راقم الحروف کی التجا ہیکہ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا ھِیَ (اے اللہ ہر چیز کی وہ حقیقت دکھا جیسی کہ وہ فی الواقعی ہے) اور اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّ ارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّ ارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ اے اللہ حق کو حق کی شکل میں ہم کو دکھا اور اس کی اتباع کرنے کی ہم کو توفیق دے اور باطل کو باطل کی شکل میں ہم کو دکھا اور اس سے بچنے کی ہم کو ہمت عطا فرما آمین ثم آمین۔ یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (الانبیاء ۱۰)

تحقیق ہم نے تمہاری طرف کتاب بھیجی ہے اس میں تمہارا ہی ذکر ہے۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ (الانبیاء ۱۸)

بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر کھینچ مارتے ہیں سچ اس کی ایسی ضرب لگاتے ہیں کہ اس کا دماغ پاش پاش ہو جاتا ہے پھر وہ نیست و نابود ہو جاتا

ماہنامہ

الحق

حیدرآباد

فطرتِ انسانی کا تذکرہ

مؤسس:
مولانا صفوۃ الرحمٰن صاحب مرحوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

اطاعتِ امیر کی اہمیت

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۵

(سورۃ النساء)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور صاحبِ امر "امیر" کی اطاعت کرو، جو تم ہی میں سے ہو۔

اہلِ ایمان کو اللہ کا یہ حکم ہے کہ وہ اپنی زندگی امیر کے تحت بسر کریں۔ ہر لحاظ سے بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اہلِ ایمان کی اطاعت اسی وقت مکمل و پوری ہوگی جب کہ ان کی زندگیوں میں مذکورہ بالا تینوں اطاعتیں موجود ہوں۔

نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم دراصل اطاعتِ امیر کے جذبے کی پرورش اور اس کی عملی مشق ہے۔ اللہ و رسول کے کسی بھی حکم کی اس طرح تعمیل کرنا کہ مقصدِ حکم فوت ہو جائے اللہ و رسول کے حکم کا مذاق اڑانا ہے۔ غور کیجئے کہ اگر نماز باجماعت ادا نہ ہو تو صرف جماعت کے ثواب سے ہی محرومی رہے گی۔ لیکن بلا امیر کے زندگی بسر کرنا وہ نقص و خرابی ہے جس کی تلافی جماعت کے ثواب سے نہیں ہو سکتی۔ اس صریح حکمِ الٰہی کی نافرمانی کے نتائجِ بد سے دوچار ہونے اور اجتماعی زندگی کے فوائد کو شمار سے دیکھنے کے باوجود ہماری آنکھیں نہیں کھلتیں۔

ابتدائی زندگی اپنانے کے بجائے پہلے اقتدار کی بحث اٹھانا قطعی غلط ہے کیونکہ بیعت اقتدار کا نتیجہ نہیں بلکہ اقتدار کا ذریعہ و سبب ہے۔

ہر دعویدارِ ایمان کو غور کرنا چاہیئے کہ وہ اپنے دعوے ایمان و اطاعت میں کس حد تک سچا ہے۔ نماز باجماعت کی تنظیم سے پہلے ایک امیر کے تحت زندگی بسر کرنے کی فکر و کوشش کرنا لازمی ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

الحق

مدیر:۔ سید عبد الجلیل

جلد (۴۲) ماہ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۴ء شمارہ (۴۶۳)

۱۔ توحید خالص .... ماخوذ

پاکستانی حضرات مندرجہ ذیل پتہ پر مراسلت کریں

۱۔ جناب انور حسن صاحب نعمانی:۔ مکان نمبر (433/17) انجولی سوسائٹی فلٹ بی۔ ایریا، کراچی۔ پاکستان۔

۲۔ احسن لائبریری۔ A 220, Block - J. North, Nazimabad. کراچی پاکستان۔

مالکہ:۔ امتہ الرحمٰن ماجد

ایڈیٹر و پبلشر:۔ سید عبد الجلیل نے نیشنل فائن پرنٹنگ پریس چار کمان حیدر آباد میں طبع کروا کر سیتارام پیٹھ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(سلسلہ گذشتہ توحید خالص)

حضرت شیخ نے فرمایا کہ وہ ابدال میں سے ہے بکل اس قوتِ پرواز کے مطابق کہ ابدال کو بخشی گئی ہے وہ اپنے دو ساتھیوں کی معیت میں ہوا میں اڑ رہا تھا جب وہ تینوں اس خانقاہ کے اوپر پہنچے تو اس کا ایک ساتھی اڑتے ہوئے خانقاہ سے ایک طرف ہٹ گیا اور ادب کے طور پر خانقاہ کی دائیں جانب سے نکل گیا۔ اس کا دوسرا ساتھی بھی اڑتا ہوا خانقاہ کی بائیں جانب سے نکل گیا۔ اس نے بے ادبی سے خانقاہ کے اوپر سے گذرنا چاہا۔ لہٰذا نیچے گر گیا۔

(عکس ص ۲۵۴ فوائد الفواد ملفوظات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء مرتبہ خواجہ حسن دہلوی ترجمہ پروفیسر محمد سرور صاحب علماء اکیڈمی اوقاف پنجاب لاہور (۱۹۷۳ء)

معلوم ہوا کہ ابدال فلک پیما اور ہوا باز ہوا کرتے تھے کاش یہ اس زمانے میں بھی موجود ہوں اور اللہ تعالیٰ ان سے ملاقات کا شرف بخشے۔ باقی اس ملک پاکستان کو ایسے ہوا بازوں کی سخت ضرورت ہے جو ہوائی جہاز کے محتاج نہ ہوں اور چشم زدن میں لاہور سے اڑ کر جمیسر تک پہنچ جائیں۔

اسی اثناء میں اولیائے حق اور ان کے کمال محبت کا ذکر چلا۔ اس موقعہ پر آپ نے فرمایا کل قیامت کے دن حشر کے میدان میں معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کو لایا جائے گا اور وہ یوں نظر آئیں گے جیسے کوئی حد سے زیادہ مست ہو۔ خلقت انہیں دیکھ کر حیران ہو جائے گی اور پوچھے گی یہ کون ہیں؟ پھر وہ یہ آواز سنے گی کہ یہ ہماری محبت میں مست ہے۔ اسے معروف کرخی کہتے ہیں یا معروف کرخی کو یہ حکم ہوگا کہ بہشت میں چلو۔ وہ کہیں گے میں نہیں جاتا۔ میں نے تیری بہشت کے لئے پرستش نہیں کی۔ بعد ازاں فرشتوں کو حکم دیا جائے گا انہیں نور کی زنجیروں میں جکڑ کر کھینچتے کھینچتے بہشت میں لے جاؤ۔

(عکس ص ۳۵۳ فوائد الفواد ملفوظات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء مرتبہ خواجہ حسن دہلوی ترجمہ پروفیسر محمد سرور صاحب علماء اکیڈمی اوقاف پنجاب لاہور مطبوعہ ۱۹۷۳ء)

یہ میدان حشر کی خبریں سنانا یا تو ذاتِ خداوندی کی طرف سے ہو سکتا ہے یا اس کا کوئی نمائندہ ہی کل کی بات اس اعتماد کے ساتھ بیان کر سکتا ہے آپ نے حضرت معروف کرخی کا بے نیازی سے بھرپور بانکپن بھی دیکھا۔ اگر وہ فرشتوں کے قابو میں بھی نہ آئے تو کیا ہوگا۔

محبت نام مستی کا

خواجہ حسن دہلوی نے لکھا

وہی آزمائشی کلمہ جو خواجہ معین الدین چشتی نے استعمال کیا تھا

خواجہ نظام الدین اولیاء نے زبان مبارک سے ارشاد کیا کہ شیخ کا فرمان رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کی طرح ہوتا ہے۔

اس وقت آپ نے یہ حکایت بیان کی کہ ایک شخص شیخ شبلی کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میں آپ کا مرید ہونا چاہتا ہوں شیخ شبلی نے کہا کہ میں اس شرط پر تمہیں مرید بنانا قبول کرونگا کہ جو میں حکم دوں تم وہ کروگے مرید نے کہا کہ میں ایسا کروں گا شبلی نے اس سے پوچھا کہ تم کلمہ طیبہ کیسے پڑھتے ہو؟ مرید نے کہا میں اس طرح پڑھتا ہوں۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ شبلی کہنے لگے کہ اب اس طرح پڑھو۔ لا الٰہ الا اللہ شبلی رسول اللہ مرید نے فی الفور اسی طرح پڑھ دیا۔ بعد ازاں شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ شبلی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں سے ایک غلام ہے۔ اور اللہ کے رسول وہی ہیں میں تیرے اعتقاد کا امتحان کر رہا تھا۔

(عکس صفحہ ۱۱۲ فوائد الفواد ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء مرتبہ خواجہ حسن دہلوی ترجمہ پروفیسر محمد سرور صاحب علماء اکیڈمی اوقاف پنجاب لاہور مطبوعہ ۱۹۷۳ء)

یہ ایک پیٹنٹ آزمائشی کلمہ ہے پرانے زمانے میں بھی استعمال کیا گیا اور آج بھی اسکا استعمال جاری ہے حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحب "تکشف" میں تھانہ بھون کے پیر صادق صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ وہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ صادق رسول اللہ کو آزمائش کے طور پر استعمال فرماتے تھے اور پھر چشتی رسول اللہ اور شبلی رسول اللہ پڑھوانے والوں کی طرح اس کے بعد معذرت بھی نہیں کرتے تھے کیونکہ یہ کلمہ بالکل صحیح تھا صرف یہ ہوا کہ صادق رسول اللہ میں خبر مقدم اور مبتدا موخر ہو گیا تھا۔ اس طرح سے حکیم الامت اشرف علی تھانوی کے فرمانے کے بموجب کلمہ کچھ یوں بنتا ہے۔

"لا الٰہ الا اللہ رسول اللہ صادق" یہ تبدیلی کیا بڑی بات ہے یہ تو کلمہ کے دوسرے جز میں تھوڑا سا ردوبدل ہے۔ امام غزالی نے تو کلمہ کے پہلے جز ہی کو "لَا ھُوَ اِلَّا ھُوَ" میں تبدیل کر دیا۔ پھر نہ تو زمین روئی اور نہ آسمان نے آنسو بہائے۔

پیر کے سامنے سر جھکا کر سجدہ کرنے سے درجے بلند ہوتے ہیں

خواجہ نظام الدین اولیاء کی بارگاہ میں:-

پھر کچھ دیر اس بارے میں گفتگو رہی کہ مرید حضرت

* [illegible] لکھتے ہیں۔

خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے ۔ فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو اس سے منع کروں لیکن چونکہ میں نے خود اپنے شیخ (شیخ الاسلام فریدالدین) کے سامنے اسی طرح کیا ہے اس لئے میں منع نہیں کرتا ۔ اس پر بندے نے عرض کیا کہ وہ لوگ جو حضور مخدوم کی ذات سے وابستہ ہیں وہ آپ کے ارادت مند ہیں اور آپ سے انہوں نے بیعت کی ہے تو ان کی ارادات و بیعت عبادت ہے پیر کے ساتھ عشق و محبت سے پس جہاں عشق و محبت ہوگی وہاں زمین پر سر رکھنا ایک سہل سا کام ہے ۔ حضرت خواجہ نے ـــــ اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے میری اس بات کی موافقت میں فرمایا ۔ کہ میں نے حضرت شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز سے سنا ہے کہ ایک دفعہ ایک راستے میں شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ ایک گھوڑے پر سوار جا رہے تھے سامنے سے ایک مرید آگیا ۔ وہ مرید پیدل تھا ۔ اس نے شیخ ابوسعید ابوالخیر کے زانو کو بوسہ دیا ۔ شیخ نے فرمایا کہ اس سے نیچے بوسہ دو ۔ اس نے شیخ کے پاؤں کو بوسہ دیا ۔ شیخ نے کہا اور نیچے مرید نے گھوڑے کے زانو کو بوسہ دیا ۔ شیخ نے فرمایا اور نیچے ، مرید نے گھوڑے کے سم کو بوسہ دیا ۔ شیخ نے کہا اور نیچے ، مرید نے زمین کو بوسہ دیا ۔ اس وقت شیخ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں اور نیچے اور نیچے بوسہ دینے کو کہا تو اس سے میرا مقصد یہ نہ تھا کہ تم زمین کو بوسہ دو ۔ میرا اس سے یہ مقصد تھا کہ تم جتنا نیچے جاؤ گے اتنا ہی تمہارا درجہ بلند ہوگا ۔

(عکس صفحہ ۱۳۰ فوائد الفواد ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء مرتبہ خواجہ حسن دہلوی) ترجمہ پروفیسر محمد سرور صاحب علماء اکیڈمی اوقاف پنجاب لاہور مطبوعہ ۱۹۷۳ء)

فنا فی اللہ ہونے کے لئے بعض صوفیا سرپٹ جانا مناسب نہیں سمجھتے بلکہ تدریجاً چلتے ہیں ۔ پہلے فنا فی الشیخ پھر فنا فی الرسول اور پھر فنا فی اللہ ۔ یہ سجدہ تعظیمی یہ پابوسی فنا فی الشیخ کی تکمیل کے لئے کی جاتی ہے ۔ سجدہ تعظیمی کے انکاری کہاں ہیں انہیں آواز دو اور انہیں خواجہ حسن سنجری کا یہ شعر بھی سناؤ کہ

کافراں سجدہ کہ بر روئے بتاں می کردند
ہمہ رو سوئے تو بود و ہمہ سو روئے تو بود

(ترجمہ) کافروں نے اگر بتوں کے سامنے سجدہ کیا تو کیا ہوا ہر رُخ تیری طرف تھا اور ہر سمت میں تیرا رخ تھا ۔

علم قرآن وحدیث اور دین طریقت میرے باپ مارے کا بیر ہے

خواجہ نظام الدین اولیاء کا ذکر ہو رہا ہے ۔ الغرض خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے یہ حکایت فرمائی اور آنکھوں

میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ پیران راہ میں سے ایک پیر تھا اور اس کا بیٹا محمد نامی صاحب علم اور مرد اہل تھا جب اس نے چاہا کہ میں عالم طریقت میں آؤں تو اس نے اپنے باپ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ درویش بنوں اس کے باپ نے کہا کہ پہلے تو ایک چلہ کر۔ اس نے کہا بہت اچھا باپ کے فرماتے ہی چلہ میں بیٹھ گیا جب وہ تمام ہوا تو باپ کی خدمت میں آیا باپ نے اس سے چند مسائل پوچھے اس نے سب کا جواب دیا۔ باپ نے کہا ایک چلہ اور کرو۔ یہ چلہ تمہارے لئے سود مند نہیں ہوا اس نے ایک چلہ اور کیا پھر باپ کی خدمت میں آیا باپ نے اس سے پھر چند مسئلے پوچھے اس نے کچھ کچھ ان کا جواب دیا باپ نے کہا بیٹا ایک چلہ اور کرو پھر اس نے تیسرا چلہ پورا کیا اور باپ کی خدمت میں آیا اور اس نے کچھ مسائل پوچھے وہ لڑکا حق میں ایسا مشغول ہو گیا تھا کہ کسی کا بھی کچھ جواب نہ دے سکا۔

(عکس ص ۱۹۵ فوائد الفواد (حصہ دوم) ملفوظات نظام الدین اولیاء مرتبہ خواجہ حسن دہلوی ترجمہ غلام احمد بریاں مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۹۱۶ء)

قرآن وحدیث دین طریقت کے لئے وبال جان ہیں جب تک ان سے پیچھا نہ چھڑا لیا جائے اس وقت تک راہ طریقت کی رہ نوردی ممکن نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ تو فرماتے کہ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَآءُ (فاطر ۲۸) (اللہ سے تو صحیح معنوں میں اس کے عالم بندے ہی ڈرتے ہیں) اور دین اتحاد کے یہ نمایندے اس کے دشمن بن جائیں۔ خواجہ نظام الدین اولیاء بھی فرماتے ہیں کہ اگر کار ہے تو مشغولی حق ہے باقی سب چیزیں اس دولت کی مانع ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جو کتابیں میں نے پڑھی ہیں اگر ان میں سے کسی وقت کچھ دیکھتا ہوں تو مجھ پر ایک وحشت ظاہر ہوتی ہے۔ میں اپنے جی میں کہتا ہوں کہ میں کہاں آپڑا۔

(ص ۲۰۵ ترجمہ فوائد الفواد جلد سوم ملفوظات نظام الدین اولیاء مرتبہ خواجہ حسن دہلوی۔ ترجمہ غلام احمد بریان)

خواجہ نظام الدین اولیاء بدایونی ثم دہلوی قرآن وحدیث کے عالم تھے مگر جب اس کوچہ طریقت میں قدم رکھا تو اس علم سے وحشت ہونے لگی۔ سچ ہے قرآن وحدیث کے دین اور طریقت کے دین میں سفیدی اور سیاہی کا فرق اور صبح و شام کا نیاپن ہے اس حقیقت کے باوجود ظلم دیکھئے کہ کہا جاتا ہے کہ اس برصغیر ہند و پاکستان میں اسلام ان حضرات کے ذریعہ

پہنچا ہے۔ کیا خوب!

یہ ہیں مشہور بزرگانِ چشت کے حالات جو پوری طرح واضح کر دیتے ہیں کہ یہ سارے کے سارے حضرات دین اتحاد کے پیروکار ہی نہیں بلکہ اس کے علمبردار تھے اور انہوں نے اپنی مسلسل کوششوں سے وہ حالات پیدا کر دیئے کہ کسی شخص کا اس دین طریقت کے اثرات سے بچ نکلنا ممکن نہ رہا آج جو عرسوں، میلوں، نذر و نیازوں، سجدہ ہائے تعظیمی، علَم اور تعزیوں، قبروں اور آستانوں مراقبوں، اور مشاہدوں والا دین اس ملک میں رائج ہے اس میں ان حضرات کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ بہرحال جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب اصلاح حال کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ دنیا کو پوری طرح کھول کر بتایا جائے کہ اس دین طریقت اور اصل دین اسلام میں جو قرآن و حدیث کے اندر ہے کیا فرق ہے پھر ایسے لوگوں کو تیار کر کے جمع کیا جائے جو قرآن و حدیث کے دین خالص کے ماننے والے بن کر اٹھیں اور اس دین اتحاد کی دھجیاں اڑا دیں۔ پھر کہیں اللہ کی وہ رحمت متوجہ ہوگی جس نے صدیوں سے منہ پھیر لیا ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ یہ راستہ سخت کٹھن اور انتہائی جرأت آزما راستہ ہے لیکن اس سے مفر نہیں آج بھی اگر یہ کام نہ کیا گیا تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی جواب بن نہ پڑے گا۔ غضب ہے کہ ہر حق ناحق بنا ڈالا گیا اور ہر ناحق اُبھرا اور چھا گیا۔ حرام حلال ہو گیا اور حلال پر قدغنیں لگا دی گئیں۔ قرآن کی تنزیل کا مطالعہ کیجئے تو نظر آئے گا کہ ہمیشہ اصلاح کے لئے پہلا قدم یہی رہا ہے کہ باطل عقائد پر سب سے پہلے ضرب لگائی جائے اور پوری طرح سے ان کا پول کھول ڈالا جائے۔ تیرہ ۱۳ سال کی مکی زندگی میں مشرکین عرب کا کوئی باطل عقیدہ ایسا نہ تھا جس سے تعرض نہ کیا گیا ہو ایسے ہر عقیدہ کی سفاہت، اس کا فساد، واضح کر کے اس جگہ پر عقیدۂ حق کی برکتوں سے روشناس کرایا گیا اور جب ہجرت کے بعد مدینہ میں اہل کتاب سے سابقہ پیش آیا تو سورۃ البقرہ، آلِ عمران النساء، المائدہ کے ذریعہ اہلِ کتاب کے عقائد کا تیا پانچا کر ڈالا گیا۔ آج بھی یہی کام ہونا چاہئے۔ یہ "اتحاد ثلاثہ" اگر پارہ پارہ نہ کیا گیا تو یہ موجودہ بے آبروئی نہ جائے گی اور انجام کار جہنم کی آگ سے بچنا ممکن نہ ہو سکے گا۔ اس لئے وقت آگیا ہے کہ کھول کر بے دھڑک اعلان کیا جائے کہ یہ "دین اتحاد" توحید قرآنی کا مقابلہ کرنے کے لئے ایجاد کیا گیا ہے۔

اور آج تک کوئی صوفی ایسا نہیں گذرا جو "اتحادی" نہ ہو یہ وہ دین ہے جس نے شرک و بدعت کو سند جواز دی ہے۔ طبیب کا روپ دھار کر بیمار کو اپنے ہاتھ سے زہر پلایا ہے۔ گمراہی کو خوش نما بنانے کے لئے اصطلاحات کا ایک جنگل تیار کیا ہے اور خالق و مخلوق۔ عبد و معبود کو ایک دوسرے میں ہو کر بے حساب ایسی مرکب ذاتیں پیدا کی ہیں جنہوں نے اپنی اپنی گدی سنبھالی ہے اور پھر یہ خدائی میراث باپ سے بیٹے کو منتقل ہوتی رہی ہے۔ ان کی محفلوں میں قرآن و حدیث کے بجائے کشف و کرامات۔ مراقبہ۔ مشاہدہ وصل و ہجر سکر و صحو کی آوازیں گونجتی رہی ہیں۔ اور اگر کبھی انہوں نے قرآن و حدیث کا نام لیا بھی ہے تو صرف اپنے دین اتحاد کی مخصوص اصطلاحات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے جیسے وحدت الوجود کے ثبوت کے لئے اس حدیث قدسی کو استعمال کیا گیا جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کی سماعت و بصارت بن جاتا ہوں۔ اس کے ہاتھ پیر بن جاتا ہوں اور ایسا کرتے ہوئے حقیقت و مجاز کے سارے تقاضوں کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ اسی طرح جب اپنی اصطلاحات سکر و صحو کے ثابت کرنے کا موقع آیا تو یہود و نصاریٰ کی اور مشرکین و منافقین کی طرف سے انبیاء پر لگائے ہوئے جھوٹے الزامات کو سچا مان کر ان خود ساختہ اصطلاحات کا ثبوت بہم پہنچایا گیا۔ جیسے علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش نے "کشف المحجوب" نامی اپنی کتاب میں حضرت داؤد علیہ السلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمتوں پر لگائے ہوئے جھوٹے الزامات کو جوں کا توں مان لیا اور ثابت کر دکھایا کہ یہ سب سکر و صحو کی کرشمہ کاریاں تھیں۔

بائیبل میں جو عیسائیوں اور یہودیوں کی کتاب مقدس مانی جاتی ہے، لکھا ہوا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریاہ حتی (URIAH-HITTITE) کی بیوی کو اپنے محل کی چھت پر سے برہنہ نہاتے ہوئے دیکھ لیا اور اس پر عاشق ہو گئے۔ پھر اس کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا اور جب وہ حاملہ ہو گئی تو انہوں نے اوریاہ حتی، اس کے شوہر کو بنی عمون کے مقابلہ پر جنگ میں بھیج دیا اور یوآب کے سالار اعلیٰ کو حکم دیا کہ اس کو ایسی جگہ مقرر کرے جہاں وہ زندہ نہ بچ سکے اور جب وہ مارا گیا تو داؤد علیہ السلام نے اس کی بیوی سے باقاعدہ شادی کر لی اور شادی کے بعد اس کے پیٹ سے

سلیمان علیہ السلام چھ مہینے سے بھی کم مدت میں پیدا ہوئے۔ معاذ اللہ یہ جھوٹے الزام یہودیوں نے اپنے دو محسن پیغمبروں داؤد اور سلیمان علیہما السلام پر لگا کر اپنی کتاب مقدس میں قیامت تک کے لئے ثبت کر دیئے ہیں۔

(بائیبل کتاب سموئیل دوم باب ۱۱-۱۲)

اور دوسرا الزام جو یہود مدینہ، منافقین اور مشرکین عرب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو پر لگایا وہ یہ تھا کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا (جو نبیؐ کی سگی پھوپی زاد بہن تھیں) جب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو برہنہ دیکھ لیا اور عاشق ہو گئے (نعوذ باللہ) پھر حضرت زیدؓ سے طلاق دلوائی اور اپنے نکاح میں لے آئے۔ علی ہجویری صاحب نے کشف المحجوب کے اندر ان دونوں الزامات کو جو داؤد علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ السلام پر کافروں اور منافقوں نے لگائے تھے صحیح مان کر اپنے نظریہ صحو (ہوش مندی) اور سکر (مدہوشی) کو ثابت کر دکھایا۔ ملاحظہ فرمائیے

صحو و سکر کی جہنم زاریاں

تو جب فعل حق مضاف ہو بندہ کی طرف تو بندہ بخود قائم ہوتا ہے اور جب بندہ کا فعل حق کی طرف مضاف ہو تو بندہ حق قائم ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ داؤد علیہ السلام کی نظر مبارک وہاں پڑی۔ جہاں پڑنی نہ چاہیئے تھی یعنی ایک عورت پر جو اوریا کی عورت تھی۔ جسے دیکھا وہ ان پر حرام تھی اور جب بندہ حق قائم ہو گیا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ نظر تو آپ کی بھی پڑی اس طرح زید کی بیوی پر مگر وہ بیوی زید پر حرام ہو گئی۔ اسلئے کہ وہ نظر جو داؤد علیہ السلام کی تھی۔ وہ محل صحو میں تھی اور یہ نظر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی یہ محل سکر میں تھی۔

(عکس ص ۳۴۹ کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب مصنفہ علی ہجویری المعروف بداتا گنج بخش لاہوری)

کوئی تو بتائے کہ آخر یہ سب کچھ ہے کیا؟ کیا انبیاء کی ذاتیں بھی معصوم نہ رہیں گی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان حضرات ہی کے ذریعہ تو اس برصغیر میں دین پھیلا ہے۔ ہاں دین تو ضرور پھیلا مگر وہ قرآنی دین نہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے بلکہ وہ "اتحادی دین" جس نے اللہ کی اس زمین پر ہزاروں اور لاکھوں مرکب ذاتیں' اقدار مشترکہ کی شکل میں پیدا کر ڈالیں۔ جو کبھی عروج کر کے الٰہ بنیں اور کبھی بندہ کے مقام تک نزول فرما کر بندگی کرنے لگیں قرآن و حدیث کے علم کو آگے وہ آگے لے کر چلیں ہیں

تو اس لئے کہ دین حق کو تفسیر اور تشریح کے ذریعہ دین اتحاد ثابت کر دکھائیں اور آج اسی "اتحادی دین" کی دھوم مچی ہوئی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان میں کتنے حضرات ایسے ہیں جنہوں نے اللہ کی دین کی مدافعت کی ہے اور اس سلسلہ میں بادشاہان وقت سے ٹکر لی ہے۔ اس سے انکار نہیں کہ بادشاہان وقت سے تصادم ہوا ہے مگر دین اللہ کی مدافعت کے بجائے اپنی قدر مشترک کے دفاع کے لئے یہ پاپڑ بیلے گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے توحیدی دین پر یقین ہی نہیں رکھتے وہ اس کے لئے سر دھڑ کی بازی کیا لگائیں گے۔

اتحادی دین کی ایجاد کے بعد اس کے دباؤ کا یہ حال رہا ہے کہ گذشتہ صدیوں میں بہت کم ایسے علم والے ملیں گے جو پوری طرح قرآنی توحید کی ترجمانی کر پائے ہوں۔ رہا یہ برصغیر تو یہاں ایک بھی ایسا عالم نہیں گذرا ہے جو اس اتحادی فلسفہ سے متاثر نہ رہا ہو اسی لئے اس ملک میں جو گروہ کم سے کم عقیدہ کے فساد میں مبتلا ہے اس میں بھی اتحادی فلسفہ کی وجہ سے عقیدہ کی دو صریح خرابیاں موجود ہیں۔ ہر چند کہ اس گروہ نے دوسری ساری شریک ٹھہرائی جانے والی ہستیوں سے تو پیچھا چھڑا لیا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہی عقیدہ رکھا کہ وہ وفات کے بعد بھی قبر میں زندہ ہیں اور اگر کوئی وہاں پہنچ کر درود و سلام پڑھے تو سنتے ہیں اور اس کے لئے انہوں نے اس جھوٹی اور موضوع (گھڑی ہوئی) روایت کو دلیل بنایا جس میں محمد بن مروان السدی صیغہ صاحب الکلبی موجود ہے اور جس کو سارے محدثین نے کذاب اور وضاع کہا ہے اور امام عقیلی نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ لا اصل لہ اور دوسرے فاسد عقیدہ اس گروہ کا یہ ہے کہ کچھ خاص ملائکہ اس کام کے لئے مقرر ہیں کہ لوگوں کے پڑھے ہوئے درود و سلام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچائیں ان کے اس عقیدہ کی دلیل وہ روایت ہے جس کا اصل راوی "زاذان" رافضی ہے اور جس نے اپنے اس فاسد عقیدہ کو کہ رافضی مومنین کے اعمال ان کے بارہ ائمہ معصومین کے حضور میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اس روایت کے ذریعہ اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح سے وہ دو فاسد عقیدے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائی صفات کا حامل قرار دیتے ہیں اس ملک کے سب سے بہتر عقیدہ رکھنے والے گروہ میں بھی موجود ہیں۔ پہلا عقیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو "الحی" قرار دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ آپ

کو موت نہیں آئی اور اس طرح قرآن و حدیث کی ان ساری نصوص کی نفی کرتا ہے جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے لئے بھی موت ہے اور وفات پا جانے کے بعد کسی کے لئے سننا ممکن نہیں ہے اور یہ بات کہ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ (اور مرنے والوں اور اس دنیا کے درمیان ایک آڑ ہے قیامت کے دن تک (المومنون) اور دوسرا عرض درود وسلام کا عقیدہ: بعض اعمال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتِ الٰہی سے اشتراک اور ذاتِ الٰہی کی جزوی معطلی کی غمازی کرتے ہوئے۔ "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" کا انکاری ہے۔

یہ بات حق ہے کہ اس ملک کی دینی تاریخ مکمل نہ ہوگی جب تک حضرت عبدالحق محدث دہلوی صاحب کا معاملہ بھی سامنے نہ آجائے۔ کیونکہ آپ ہی حدیثوں کی مشہور کتاب مشکوٰۃ کے شارح ہیں اور آپ نے اس "دین اتحاد" کو اپنی تحریروں کے ذریعہ بے انتہا تقویت پہنچائی ہے۔ آپ نے مشہور تصنیف "مدارج النبوۃ" کے مقدمہ کا پہلا صفحہ کھولتے ہی نظر آتا ہے۔

حضور کی شانِ اولیت

اب رہا یہ امر کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم صفت "اول" کیسے ہے؟ تو یہ ازلیت اسی بنا پر ہے کہ آپ کی تخلیق موجودات میں سب سے اول ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِي اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو وجود بخشا۔ یہ کہ آپ مرتبہ نبوت میں بھی اول ہیں چنانچہ حدیث پاک میں ہے كُنْتُ نَبِيًّا وَإِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ (میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم اپنے خمیر میں ہی تھے)۔

(عکس خود نوشت مقدمہ مدارج النبوۃ مصنفہ عبدالحق محدث دہلوی مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کراچی)۔

یہاں بھی وہی اتحادی فلسفہ کام کر رہا ہے اور اس کو ثابت کرنے کے لئے "موضوع" (گھڑی ہوئی) روایتوں کو استعمال کیا گیا ہے۔ دراصل کہنا یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نور کے ہیں اور آپ کا یہ نور ذاتِ خداوندی کا ایک ٹکڑا ہے۔ اور آپ کے ہم عصر مجدد الف ثانی کے بیان میں گذر چکا ہے کہ کسی اور کو یہ تفضیلت حاصل نہیں ہے اس طرح سے سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ اتحاد ثابت کر کے امتیوں کے لئے اس راہ کو کھول دیا گیا حالانکہ یہ ہر شخص جانتا ہے کہ آپ اولادِ آدم میں سے ہیں

اور جب آدم علیہ السلام کا پتلا بنا کر اس میں پھونک ماری گئی تو اس وقت فرشتے اور ابلیس سب موجود تھے۔ اور اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ صفت علم میں آپ کو اللہ کے برابر سا شریک ٹھہرایا گیا۔ ملاحظہ ہو:۔

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (وہی ہر شئے کا جاننے والا ہے) **ہر شئی کے جاننے والے** کا ارشاد بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے ہے کیوں کہ فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ (ہر صاحب علم کے اوپر زیادہ جاننے والا ہے) کی صفات آپ تمام موجود ہیں۔ عَلَيْهِ مِنَ الصَّلَوٰتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّحِيَّاتِ أَتَمُّهَا وَأَكْمَلُهَا

(عکس خود نوشت مقدمہ مدارج النبوۃ مدینہ پبلشنگ کراچی۔ مصنف عبدالحق محدث دہلوی)

اب کوئی چیختا رہے کہ نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں تو اس سے کیا ہوتا ہے قرآن تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ آپ یہ اعلان کر دیجئے کہ اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں خیر کی کثرت کر لیتا اور مجھے کسی برائی سے سابقہ پیش نہ آتا۔ (لیکن) میں عالم الغیب نہیں ہوں بلکہ صرف نذیر و بشیر ہوں۔ (الاعراف آیۃ ۱۸۸)

اتحاد کی یہ راہ کتنی حسین راہ ہے۔ ایک بار اسے ہموار کر لیا جائے پھر الوہیت کا تخت اپنا ہے علم و اقتدار تصرف و اختیار سب اپنے قبضہ میں۔ اب دیکھئے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی صاحب کو کس طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار نامی کتاب لکھکر اتحاد کی انتہا تک پہنچا دیا ہے۔

نقل ست کہ چون وی متولد شد در بہار رمضان از پستان مادر شیر نمی خورد و در مردم شہرت گردید کہ در خانہ بعضے از اشراف کودکی متولد شدہ است کہ در روز رمضان شیر نمی خورد (عکس ص۱۶ اخبار الاخیار نامی مطبوعہ مجتبائی مصنفہ عبدالحق محدث دہلوی)

ترجمہ:۔ روایت ہے کہ آپ پیدائش کے بعد رمضان کے مہینہ میں دن کے وقت اپنی والدہ کا دودھ نہیں پیتے تھے حتیٰ کہ سب میں مشہور ہو گیا کہ بعض اشراف کے گھر میں ایک بچہ پیدا ہوا ہے جو رمضان میں دن کے وقت دودھ نہیں پیتا۔

یہ تو تھی شیر خواری کے زمانے میں آپ کی کیفیت جب آپ (عبدالقادر جیلانی صاحب) کچھ بڑے ہوئے تو

نقل ست کہ از آنحضرت پرسیدند
از کی باز شناختی تو خود را کہ ولی خدائی فرمود کہ ده سالہ
بودم کہ از خانہ بسوی مکتب می برآمدم و در راه فرشتگان
می بودم کہ گرد اگرد من میرفتند و چون بمکتب میرسیدم
می شنیدم کہ صبیاں را می گفتند فراخ کنید جای
را ولی خدا را۔

(عکس ص۲۲ اخبار الاخیار فارسی مصنفہ عبد الحق محدث دہلوی صاحب)

ترجمہ:۔ منقول ہے کہ لوگوں نے آپ سے (شیخ عبد القادر جیلانی سے) دریافت کیا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ آپ ولی اللہ ہیں۔ فرمایا کہ دس سال کی عمر تھی جب میں مدرسہ جاتا تو راستہ میں فرشتوں کو اپنے گرد چلتے ہوئے دیکھتا اور جب مکتب میں پہنچ جاتا تو فرشتوں کو یہ بات بچوں سے کہتا ہوئے سنتا کہ اے بچو! اللہ کے ولی کے لئے جگہ کشادہ کرو۔ بڑے ہوکر جب وعظ فرمانے لگے تو تصرفات کا یہ عالم ہوگیا

نقل ست از مشائخ کہ ہرگاہ کہ شیخ محی الدین عبد القادر بکرسی برمی آید و می گوید الحمد للہ خاموش می گردد ہر ولی خدائے کہ بر روئے زمین ست حاضراً و غائباً و ازیں جہت ست کہ این کلمہ را مکرر می گوید و در میان آں ساکت می گردد و اولیاء و ملائکہ ازدحام می کنند در مجلس او و آنہا کہ در مجلس او حاضر شوند و شمار ند بیشتر اند از آنہا کہ بنمایند یکی۔

(عکس اخبار الاخیار ص۱۳/۱۲ فارسی مصنفہ عبد الحق محدث دہلوی)

ترجمہ اُردو:۔

ثمرۂ وعظ مشائخ سے منقول ہے کہ حضرت شیخ جیلانیؒ جب وعظ کے لئے منبر پر بیٹھ کر الحمد للہ کہتے تو روئے زمین کا ہر غائب و حاضر ولی خاموش ہوجاتا اسی وجہ سے آپ یہ کلمہ مکرر کہتے اور اس کے درمیان کچھ سکوت فرماتے۔ بس اولیاء اور ملائکہ کا آپ کی مجلس میں ہجوم ہوجاتا جتنے لوگ آپ کی مجلس میں نظر آتے ان سے کہیں زیادہ ایسے حاضرین ہوتے جو نظر نہیں آتے تھے۔

(عکس ترجمہ ص۳۸ اخبار الاخیار مصنفہ عبد الحق محدث دہلوی ترجمہ سبحان محمود صاحب مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

منبر پر بیٹھ کر ایک **الحمد للہ** کا کہنا اور روئے زمین کے ہر غائب و حاضر ولی کا خاموش ہوجانا کیا کسی انسان کے بس کی بات ہوسکتی ہے اور پھر ذرا ان مجالس میں تمام زندہ اور مردہ اولیاء اور انبیاء کی حاضری کا نظارہ کیجئے۔

و فرمودہ اند کہ جمیع اولیا و انبیاء احیاء
باجساد و اموات بارواح و جن و ملائکہ در مجلس او
حاضر می شدند و حضرت حبیب رب العالمین

صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ اجمعین نیز از برای تربیت و
تایید تجلی می فرمودند و خضر علیہ السلام اکثر اوقات
از حاضران مجلس شریف می بود و از مشائخ عصر
ہر کرا ملاقات می کرد وصیت می نمود بملازمت مجلس
شریف او و می فرمود من اراد الفلاح فعلیہ
بملازمۃ ہذا المجلس ۔

(عکس ص ۱۳ اخبار الاخیار فارسی مصنفہ عبدالحق محدث دہلوی)

ترجمہ اردو۔

مشہور ہے کہ آپ کی مجلس وعظ میں تمام
اولیاء وانبیاء جو زندہ تھے وہ اپنے جسموں کے ساتھ
اور جو زندہ نہیں تھے وہ اپنی روحوں کے ساتھ موجود
ہوتے تھے اسی طرح آپ کی تربیت و تائید کے
لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تجلی فرماتے تھے
علی ہذا اکثر اوقات حضرت خضر علیہ السلام بھی
آپ کی مجلس میں آتے تھے اور حضرت خضر علیہ السلام
کی جس ولی سے بھی ملاقات ہوتی تو وہ اسے آپ
کی مجلس میں حاضر باشی کی نصیحت فرماتے ۔

(عکس ص ۳۹ ترجمہ اخبار الاخیار مترجم مولانا سبحان محمود صاحب
استاد الحدیث دار العلوم کراچی مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

سارے زندہ اور مردہ اولیاء اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کا حضرت کی مجلس میں حاضر ہونا عجیب بات سہی مگر ایک
محدث کو جھٹلانا بھی تو آسان نہیں ہے ۔

حضرت عبدالقادر جیلانی صاحب کا اپنی صفات پر سے پردہ اٹھانا

منم کہ تیغ مشہورست و قوس من موتور و تیر من
رسندہ و نیزۂ من بے خطا ست و اسپ من
بی زین ست من آتش سوزان الٰہی ام من سلب
کنندہ احوال من دریای بی کرانم من رہنمائے
وقتم من سخن کنندہ در غیبم من بوم بہ تحقیقتے دیگر در حالت
بود و سیف مسلولم منم محفوظ و منم ملحوظ ای روزہ داران
ای شب بیداران ای کوہ نشینان پست
بار کردہای شما ای صومعہ نشینان منہدم باد صومعہ
شما پیش آیید امر خدای را امر ما از خدا ست
ای راہ روان ای ابدان ای ابدال ای اوتا
د ای پہلوانان ای طفلان بیائید و بگیرید فیض از
دریائے کہ کران ندارد بعزت پروردگار کہ نیک بختان و
بدبختان ہمہ عرض کردہ می شوند بر من و نظر من بلوح
محفوظ ست منم غواص دریائے علم و مشاہدہ الٰہی
من حجۃ خدا ام بر شما ہمہ شما و نائب رسول اللہ و
وارث او ام در زمین و نیز فرمودہ است آدمیان
را مشائخ اند و پریان را مشائخ فرشتگان را
مشائخ من شیخ ہمہ ام ۔

(عکس ص ۱۴، ۱۵ اخبار الاخیار فارسی مصنفہ عبدالحق محدث دہلوی)

اُردو ترجمہ: اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں شمشیر برہنہ اور چڑھی ہوئی کمان ہوں میرا تیر نشانہ پر لگنے والا میرا نیزہ بے خطا اور میرا گھوڑا بے زین ہے۔ میں عشق خداوندی کی آگ، حال و احوال کا سلب کرنے والا دریائے بیکراں، رہنمائے وقت اور غیروں سے باتیں کرنے والا ہوں۔

ایک دفعہ آپ نے کیفیت حال میں فرمایا کہ میں ہوں محفوظ اور میں ہوں ملحوظ۔ اے روزہ دارو اے شب بیدارو۔ اے پہاڑوں پر بیٹھنے والو، خدا کرے تمہارے پہاڑ بیٹھ جائیں۔ اور اے خانقاہ نشینو، خدا کرے تمہاری خانقاہیں زمین دوز ہو جائیں۔ حکم خدا کے سامنے آؤ، میرا حکم خدا کی طرف سے ہے۔ اے راہروان منزل اے ابدال۔ اے اقطاب و اوتاد۔ اے پہلوانو۔ اور اے جوانو! آؤ اور دریائے بیکراں سے فیض حاصل کرو، عزت پروردگار کی قسم تمام نیک بخت اور بدبخت میرے سامنے پیش کئے گئے اور میری نظر لوح محفوظ میں جمی ہوئی ہے میں دریائے علم و مشاہدہ الٰہی کا غوطہ خور ہوں میں تم سب پر اللہ کی حجت رسول کا نائب اور اس کا دنیا میں وارث ہوں، پھر فرمایا کہ انسانوں کے بھی پیر ہیں، جنات اور فرشتوں کے بھی لیکن میں تمام پیروں کا پیر ہوں۔

(عکس ترجمہ ص۴۱ اخبار الاخیار مصنفہ عبدالحق محدث دہلوی ترجمہ مولانا سبحان محمود صاحب استاد الحدیث دارالعلوم کراچی)

شیخ عبدالقادر جیلانی المعروف بہ "غوث الاعظم" کا دوسرا ارشاد

پروردگار من عزوجل بفضل خود وعدہ کردہ است مرا اہل مذہب و تابعان طریق مرا و ہر کہ محب من بود در بہشت در آرد و نیز فرمودہ است البیضہ منا بالف والفرخ لایقوم یعنی بیضہ از ما ہزار از و چوچہ را خود قیمت نتوان کرد و نیز فرمودہ است حق سبحانہ تعالیٰ مرا سجلی نوشتہ داد کہ در وی نامہائے اصحاب و مریدان من کہ تا روز قیامت باشد ثبت ست و گفت عزوجل کہ این ہمہ را بتو بخشیدم و از مالک کہ خازن آتش دوزخ است پرسیدم کہ نزد تو ہیچ کسے از اصحاب من ہست گفت لا بعزت پروردگار کہ دست حمایت من بر مریدان من مثل آسمان ست بر زمین اگر مرید من جید نیست من خود جیدم بعزت پروردگار و جلال او کہ از پیش او عزوجل نروم تا مرا با اصحاب من بہشت برد اگر مرید من در مشرق بود و پردہ عفت او برافتد و من در مغرب ہر آئینہ بپوشم پردہ او را۔

(عکس اخبار الاخیار فارسی ص۱۹ مصنفہ عبدالحق محدث دہلوی)

ترجمہ اُردو: اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے وعدہ فرمالیا ہے کہ میرے مریدوں، سلسلہ والوں، میرے طریق کا اتباع کرنے والوں اور میرے عقیدتمندوں کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

نیز آپ نے فرمایا کہ ہم میں کا ایک انڈا ہزار میں ارزاں اور جوزہ کی قیمت تو لگائی نہیں جاسکتی۔ نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک لکھا ہوا دفتر دیا جس میں قیامت تک آنے والے میرے احباب اور مریدوں کے نام درج تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سب کو میں نے تیری وجہ سے بخش دیا۔

آپؒ نے فرمایا کہ میں نے داروغہ جہنم سے جن کا نام مالک ہے دریافت کیا میرے مریدوں میں سے تمہارے پاس کوئی ہے، جواب دیا، عزت پروردگار کی قسم کوئی بھی نہیں دیکھو میرا دست حمایت میرے مریدوں پر ایسا ہے جیسے آسمان زمین کے اوپر، اگر میرا مرید اچھا نہیں تو کیا ہوا۔ میں تو اچھا ہوں جلال پروردگار کی قسم جب تک میرے تمام مرید بہشت میں نہیں چلے جائینگے میں بارگاہ خداوندی میں نہیں جاؤنگا اور اگر مشرق میں میرے ایک مرید کا پردہ عفت گر رہا ہو اور میں مغرب میں ہوں تو یقیناً میں اسکی پردہ پوشی کردوں گا۔

(عکس ترجمہ ص ۴۹ اخبار الاخیار مترجم مولانا سبحان محمود استاد الحدیث دار العلوم۔ کراچی۔ مصنفہ عبدالحق محدث دہلوی)۔

آپ کا تیسرا ارشاد

نقل است که آنحضرت فرمود در زمان حسین بن منصور حلاج کسے نبود که او را دستگیری کند و از لغزشے که او را شده بود باز دارد۔ اگر من در زمان او می بودم او را دستگیری می کردم تا کار او باینجا نمی کشید۔ من دستگیری می کنم هر کرا از مریدان من مرکب بلغزد و از پای در آید تا روز قیامت و فرمود مرا و هر طویله نخلی ست که مقاومت کرده نشود و خیلے ست که مسابقت کرده نشود و مرا در هر لشکر سلطانی ست که مخالفت کرده نشود و در هر منصب خلیفه ایست که عزل کرده نشود و فرمود هرگاه از خدا چیزے خواهید بوسیله من خواهید تا خواهش شما بجانب رسد و فرمود هر که استغاثت کند بمن در کربتی کشف کرده شود آن کربت ازو و هر که منادی کند بنام من در شدتی کشاده شود آن شدت ازو و هر که توسل کند بمن سوی خدا در حاجتے قضا کرده شود آن حاجت مراد او و فرمود کسیکه دو رکعت نماز بگذارد و بخواند در هر رکعت بعد از فاتحه سوره اخلاص یازده بار بعد از آن درود بفرستد به پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بعد از سلام و بخواند آن سرور را صلی اللہ علیہ وسلم

بعد ازاں یازدہ گام بجانب عراق برود و نام مرا گیرد و حاجت خود را از درگاہ خداوندی بخواہد حق تعالیٰ آن حاجت او قضا گرداند بمنہ و کرمہ۔

(عکس اخبار الاخیار ص ۲۰۰۹ فارسی مصنفہ عبدالحق محدث دہلوی)

ترجمہ اردو:۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ حسین

روایت بن منصور حلاج کے زمانے میں کوئی ان کی دستگیری کرنے والا اور جس لغزش میں وہ مبتلا ہوئے اس سے کوئی بچانے والا نہیں تھا اگر میں ان کے زمانے میں ہوتا تو ان کی دستگیری کرتا اور نوبت یہاں تک پہنچی قیامت تک میں اپنے مریدوں کی دستگیری کرتا رہوں گا اگرچہ وہ سواری سے گرے اور فرمایا کہ ہر طویلہ میں میرا ایک ناقابل مقابلہ سانڈ اور ایک ناقابل مسابقت گھوڑا رہتا ہے اور فرمایا کہ ہر لشکر پر میرا ایسا تسلط ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں کرتا اور ہر منصب میں ایک خلیفہ ہے جسے ہٹایا نہیں جا سکتا۔

فرمایا کہ جب بھی اللہ سے کوئی چیز مانگو تو میرے وسیلہ سے مانگو تاکہ مراد پوری ہو اور فرمایا جو کسی مصیبت میں میرے وسیلہ سے امداد چاہے تو اسکی مصیبت دور ہو اور جو کسی سختی میں میرا نام لے کر پکارے اسے کشادگی حاصل ہو۔ اور جو میرے وسیلہ سے اللہ کے سامنے اپنی مرادیں پیش کرے تو پوری ہوں۔

آپ نے فرمایا کہ جو شخص دو رکعت نماز پڑھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے اور سلام کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور میرا نام لے کر اللہ سے دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کی حاجت برآری کرے (ایک روایت میں ہے کہ گیارہ قدم عراق کی جانب چل کر میرا نام لے کر دعا مانگے" لیکن یہ روایت ثابت نہیں ہے۔

(عکس ص ۴۷۵ ترجمہ اخبار الاخیار مصنفہ عبدالحق محدث دہلوی مترجم مولانا سبحان محمود)۔

دیکھا آپ نے کہ صرف آخری روایت ثابت نہیں ہے باقی سب کچھ ثابت ہے۔

مرض الموت میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا ارشاد

نقل ست کہ آنحضرت در مرض موت می فرمود نسبتی نیست میان من و شما و میان من و خلق تفاوت آسمان و زمین ست قیاس نکنید مرا بکسی و کسی را بمن و فرمود من از ورائے امور علمم و من ورای عقول ایشانم یا اہل الارض شرقاً و غرباً و اہل السماء حق تعالیٰ فرمودہ است **وَاَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ** من از انہا ام کہ مرخدا میداند و شما نمی دانید گفتہ می شود مرا در شب و روز بغداد بار داتما (باقی آئندہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

دوزخ سے نجات پانے والا فرقہ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
تَفْتَرِقُ أُمَّتِيْ عَلٰى ثَلٰثٍ وَّسَبْعِيْنَ
مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا مِلَّةً
وَّاحِدَةً قَالُوْا مَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ (دارقطنی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور وہ سب ناری ہوں گے، سوائے ایک فرقہ کے، صحابہؓ نے پوچھا یا رسولؐ اللہ وہ ایک فرقہ کون ہے؟ فرمایا وہ راہ جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔

حضرت معاویہؓ سے جو روایت ہے اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں: وهي الجماعة اور اسی سلسلہ میں محدثین علیہم الرحمہ نے بھی یہ روایت کی ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِيْ عَلٰى ضَلَالَةٍ وَيَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ

یقیناً اللہ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا لیکن ایک فرقہ حق پر رہے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے

مذکورہ ارشادِ نبویؐ سے ثابت ہوتا ہے کہ امت میں عقیدہ کی بنا پر بگاڑ پیدا ہو جائے گا جس کا انجام آخرت جہنم ہے اور اللہ و رسولؐ کے ارشاد سے ثابت ہے کہ "شرک" و "بدعت" ہی وہ بگاڑ ہے جس کا انجام آخرت جہنم ہے۔ ایسے دورِ ضلالت میں اہلِ حق وہ ہوں گے جن کا عقیدہ و عمل حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و تعلیم اور اسوۂ صحابہ کرام کے مطابق ہوگا اور یہ کہ تائیدِ الٰہی انہی کو حاصل ہوگی۔

عوام و خواص کو دعوتِ غور و فکر

MONTHLY
ALHAQ
HYDERABAD (AP) Regd No. H:154

الحق
ماہنامہ
حیدرآباد

مقاصد الحق

① باطل غیر فطری افکار، افترائی ادیان کا ابطال اور عالمِ انسانیت کے لئے ایک ہی دینِ حق
اسلام کا اثبات و تعارف

② آخروی ابدی زندگی سے غافل، اللہ تعالیٰ سے برگشتہ بندوں کو اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرنے کی بے لاگ
جدوجہد، تاکہ اللہ تعالیٰ کے بندے حیات بعد الموت کی خیر و ابقیٰ زندگی کے طالب و حریص بن کر دنیا میں
امن و سلامتی کی زندگی بسر کریں۔

③ مسلمانوں کی پوری زندگی میں علماً عملاً اتباعِ کتاب و سنّت اور باطل نظامِ زندگی کے خلاف علمی جہاد کی ترغیب

رسالہ الحق کا زرِ تعاون

یہ کسی فرد کی نہ ذاتی ملکیت ہے اور نہ کسی کا ذریعۂ معاش بلکہ ادارہ اہلِ سنّت و جماعت کا ترجمان ہے اس لئے زرِ تعاون بالکلیہ اشاعتِ حق کے اغراض میں صَرف ہوتا ہے۔
لہٰذا جو حضرات مالی تعاون فرمائیں گے وہ صرف انہی کے لئے ذخیرۂ آخرت ہوگا۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۞

مالکہ : امۃ الرحمٰن صاحبہ، مدیر پرنٹر پبلشر سید عبدالجلیل
مکان نمبر ۴۹۷-۱-۱۴ ـــــ سیتا رام پیٹ
روبرو گیان باغ، حیدرآباد ۱۲ ـ آندھرا پردیش
مطبعہ :- نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان حیدرآباد ۲

الحق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ کِتٰبًا فِیْهِ ذِکْرُکُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۞ الانبیاء

تحقیق ہم نے تمہاری طرف کتاب بھیجی ہے اس میں تمہارا ہی ذکر ہے کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَی الْبَاطِلِ فَیَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۞ الانبیاء

ماہنامہ

الحق

حیدرآباد

بلکہ ہم باطل پر حق کی ایسی ضرب لگاتے ہیں کہ اسکا دماغ پاش پاش ہوجاتا ہے پھر وہ مٹ جاتا ہے (انبیاء)

فطرتِ انسانی کا تذکرہ

از: مولوی صفوۃ الرحمن صابر

جلد (۴۶) شمارہ (۵۱۱ تا ۵۱۴) بابتہ رمضان و ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ مطابق مئی تا جولائی ۱۹۸۹ء

ایڈیٹر المجید ملنشر سید عبدالجلیل
مکان نمبر ۱۲-۱-۴۹۷ سیتارام پیٹ
حیدرآباد ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عذابِ قبر کے دلائل کا جائزہ

رسالہ التوعیہ جو اسلامک ریسرچ اکیڈیمی ۴ / جوگا بائی نئی دہلی ۲۵ سے شائع ہو رہا ہے۔ اس کی جلد ۳ شمارہ ۸ بابتہ ماہ ڈسمبر ۱۹۸۸ء میں "عذاب قبر کی احادیث کے عنوان سے ایک مقالہ شائع ہوا ہے۔ جس کے لکھنے والے جناب شیخ عبداللہ بن علی الحذی صاحب اور مترجم جناب سعید اختر لبستوی الذید الشارقہ ہیں۔ جس کے وقیع مقالہ ہونے کی بات چونکہ اسلامک ریسرچ اکیڈیمی کی طرف سے لکھی گئی ہے۔ اس لئے اس کا جائزہ لینا پڑا ہے۔

اس مقالہ میں عقلی و نقلی دلائل سے عذاب قبر کے صحیح ہونے کا تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے چنانچہ متعدد ایسی چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کے وجود کا علم سائنسی ایجادات و تحقیقات سے پہلے نہ تھا مثلاً خورد بین سے نطفہ میں زندہ جرثوموں کا وجود، فضاء میں مختلف جراثیم کا موجود ہونا، نباتات میں نظام تنفس کا ہونا اور جانداروں کے اجسام کا ہر آن تغیر پذیر ہونا وغیرہ۔ جواب اٹل حقیقت واقعہ بن چکے ہیں .... میں بھی راحت و تکلیف کا احساس ہونا ......۔

دو ......سننے کی وجہ سے بہرہ کا آوازوں کا منکر ہونا ان لوگوں کے لئے عذاب قبر کے انکار کی وجہ ہے۔ اس بنا پر کہ انہوں نے اسے محسوس نہیں کیا اور اسے دیکھا نہیں .... تو کیا یہ سب اشیاء محض اس لئے غیر موجود ہونگی کہ انسان نے اپنے حواس خمسہ کے ذریعہ انہیں محسوس نہیں کیا اور کیا حواس خمسہ کا فقدان، ان حواس کے ذریعہ معلوم کی جانے والی اشیاء کے فقدان کی دلیل ہوگی ہرگز نہیں۔ لہذا ان لوگوں کا عذاب قبر کا عدم احساس فی الواقع اس کے معدوم و مفقود ہونے کی دلیل نہیں .... حاصل کلام یہ ہے کہ قاری اگر دو باتیں جان لے اور ان کا جاننا ضروری ہے تو عذاب قبر اور اس کی نعمتوں کے سلسلہ کی اس کی ساری مشکل آسان ہوجائیگی۔

اوّل یہ کہ کائنات کی یہ حرکت اور اس کا یہ عجیب و غریب نظام ضروری ہے کہ اس کا مصدر و منبع غیر مادی امر ہو۔ دوم یہ کہ وجود کا دائرہ احساس سے زیادہ وسیع ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو چیز موجود ہو نظر بھی آ سکے۔"

مقالہ میں دی ہوئی سائنسی ایجادات و تحقیقات کی مثالیں ان لوگوں کے لیے تو حجت ہو سکتی ہیں جو تجربہ و مشاہدہ میں عذاب قبر کا ثبوت نہ ملنے کی بنا پر عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں لیکن ایمان والوں کے لیے یہ مثالیں عذاب قبر کے اثبات کے لیے دلیلیں نہیں بن سکتیں۔ ایک تو اس لیے کہ یہ تمام مثالیں صرف اس فانی دنیا ہی کی ہیں جو عالم غیب کے لیے دلیل نہیں بن سکتیں کیونکہ عذاب قبر کا تعلق اس دنیا سے نہیں بلکہ عالم غیب سے ہے۔ اللہ نے جس کو غیب قرار دیا ہے وہ کسی طرح بھی دنیا میں شہود ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر غیب شہود ہو جائے تو اللہ کی بات غلط قرار پاتی ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک

دنیا میں انسان کو مٹی کے اجزاء سے بنا ہوا جسم ملتا ہے جو موت کے بعد یہ اجزاء تحلیل ہو کر پھر مٹی میں مل جاتے ہیں۔ جسم باقی نہیں رہتا۔ مٹی کے ان ذرات کو عذاب دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے یہ ماننے کے سوا چارہ نہیں کہ عذاب قبر کا معاملہ انسان کی دوسری و آخری حالت موت (تیسری حالت) سے تعلق رکھتا ہے جو حشر تک قائم رہتی ہے جو بالکلیہ غیب کا معاملہ ہے۔

نوٹ:-

خالق انسان نے انسان کی چار حالتوں یعنی دو موت اور دو زندگی کا ذکر فرمایا ہے: وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (۲۸) سورۃ البقرہ (بھلا تم کیونکر اللہ کے ساتھ کفر کر سکتے ہو جبکہ تم مردہ تھے۔ تم کو زندہ کیا پھر تم کو موت دے گا پھر زندہ کرے گا پھر اسی کے پاس پھیرے جاؤ گے۔)

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ (۱۱) سورۃ المؤمن (وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہم کو دو دفعہ موت دی اور دو دفعہ زندہ کیا۔ ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں تو کیا یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل ہے۔) پہلی حالت میں ہم جسم و روح کا مرکب ہے۔ قَالُوْا بَلٰى (بے شک آپ ہی تنہا حاجت روا ہیں) کو روحوں نے دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے عہد کے متعلق فرمایا کہ قیامت کے دن تم اس عہد کا انکار کرو گے۔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ (۱۷۲) سورۃ الاعراف (کہ تم قیامت کے دن کہنے لگو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے)

اس سے ثابت ہے کہ اس پہلی حالتِ موت میں ہم جسم و جان کے ساتھ ہی تھے۔ تب ہی تو ہم پر حجت قائم ہو سکتی ہے ورنہ نہیں چنانچہ ذُرِّيَّتَهُمْ (ان کی اولاد) فرمایا گیا ہے۔ پہلی حالتِ موت کے بعد ہم کو اس دنیا میں امتحان و آزمائش کے لئے پیدا کیا گیا ہے جو ہماری پہلی زندگی ہے۔ اس کے بعد دوسری حالتِ موت اس دنیا میں مرنے کے بعد سے شروع ہو کر حشر تک قائم رہتی ہے۔
اس دوسری و آخری حالتِ موت میں بھی ہر انسان چاہے نیک ہو یا بد زندہ ہی ہوتا ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ ۱۵۴ سورۃ البقرہ [اور جو لوگ اللہ کے راستہ میں مارے جاتے ہیں ان کو مردہ مت کہو بلکہ زندہ ہیں لیکن تم اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔]

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ ۱۶۹ سورہ آل عمران [اور جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کو مردہ مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس سے انکو رزق ملتا ہے۔]

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ
سورۃ الحج [اور جو اللہ کے راستہ میں ہجرت کرتے ہیں پھر مارے جاتے ہیں یا مر جاتے ہیں اللہ ان کو رزق دیتا ہے اچھا رزق۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔]

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا ۖ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ سورۃ المومن [آل فرعون صبح و شام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں اور حشر کے دن (فیصلہ کے بعد) حکم ہو گا کہ آل فرعون کو نہایت سخت عذاب میں داخل کر دیا جائے۔]

زندہ رہنے کے لئے غذا لازمی ہے جو برابر ان کو ملتی رہتی ہے۔ لیکن حالتِ موت میں زندگی کیسی ہے دنیا میں رہنے والے اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ (بقرہ ۱۵۴)

غور کیجئے اس حالتِ موت (عالم برزخ) میں انسانی زندگی ہے فرمایا گیا ہے لیکن مسلمان ہے کہ اس کو مثالی یا روحانی زندگی یا مثالی یا روحانی عالم کہتے اور لکھتے ہیں۔

یہاں بحث برائے بحث کے طور پر عرض ہے کہ جسم انسانی کو بے حس (سُن) یا اس کو بیہوش کر کے آپریشن کرنے سے اس کو تکلیف کا جب کوئی احساس ہی نہیں ہوتا تو حالتِ موت میں عذابِ قبر کی بات کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔

دنیا میں مرنے کے بعد انسان دوسری جگہ منتقل کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے وَنُنْشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۶۱﴾ سورۃ الواقعہ (اور تم کو ہم ایسی جگہ پیدا کر دیں گے جس کو تم نہیں جانتے۔) اس نامعلوم جگہ کو عموماً عالمِ برزخ بولا اور لکھا جاتا ہے ہر عالم میں جسم عالم کی مناسبت سے ہی دیا جاتا ہے۔ چنانچہ دنیا میں خلاء میں جانے والوں کو اپنا پورا جسم مکمل غلاف سے ڈھانک لینا پڑتا ہے ورنہ جسم پھٹ کر موت واقع ہو جاتی ہے۔ دوسرے انسان حالتِ خواب میں جو بھی کام کرتا ہے وہ جسم کے ساتھ ہی تو کرتا ہے اس لئے جسم کی نوعیت کا سوال اٹھانا صحیح نہیں۔

مقالہ میں "وجود ارواح پر دلائل" کے تحت دس دلائل دیئے گئے ہیں جن میں سائنسی ایجادات، تحقیقات، حواسِ خمسہ، انسانی جذبات اور صفات کو مکرر بیان کر کے لکھا گیا:

> "مومن و کافر تمام امتوں میں یہ بات تواتر سے چلی آ رہی ہے کہ بہت سے انبیاء اولیاء، جادوگروں، کاہنوں اور دجالوں کے ہاتھوں خارق العادات امور کا صدور ہوا ہے۔ مجموعی طور پر ان چیزوں کا وجود تواتر سے ثابت ہے۔"

غور کیجئے کہ مقالہ نگار صاحب انبیاء کے معجزوں (کو جو صرف قدرتِ الٰہی سے ظہور پذیر ہوئے ہیں) اور اولیاء کے من گھڑت کہانیوں، جادوگروں کے دھوکے وفریب کے کرتب کاہنوں کی اٹکل پچو باتوں اور دجالوں کی جھوٹ و غلط باتوں کو نہ صرف برابر و مساوی سمجھتے ہیں بلکہ صحیح و درست بھی۔ یہ حق کی آڑ میں باطل، سچ کی آڑ میں جھوٹ کا پرچار کرنا ہے۔ دنیا دارالاسباب میں معجزوں کے سوا جتنے بھی امور بلا اسباب ظاہری و مادی ظہور پذیر ہونے کی باتیں ہیں۔ یہ سب کی سب جھوٹ و غلط کا پلندہ ہیں۔ جیسا کہ ان کے متعلق ارشادِ الٰہی ہے:

وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿۳۶﴾ سورہ یونس [اور ان میں سے اکثر صرف اپنے وہم و گمان کی پیروی کرتے ہیں بے شک وہم و گمان حقیقت نہیں بن سکتے۔]

إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿۶۶﴾ یونس۔

ترجمہ: یہ محض بے سرے وہم و گمان پر چل رہے ہیں اور یہ ہیں کہ محض اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔]

إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّن رَّبِّهِمُ الْهُدَىٰ ﴿٢٣﴾ سورۃ النجم [یہ پیچھے نرے وہم و گمان اور اپنے نفس کی خواہشوں پر چل رہے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت (حقیقت واقعہ، صحیح بات) آچکی ہے۔]

یہاں مقالہ کے دس دلائل میں سے صرف ایک ہی دلیل بطور نمونہ پیش کی جاتی ہے۔ جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بقیہ دلائل کس حد تک صحیح ہیں۔

دلیل ۱: "آخر میں سائنسدانوں نے ایسے طریقوں اور دلائل کا ثبوت پیش کیا ہے جس میں جدل و اختلاف کا شائبہ تک نہیں ہے۔ چنانچہ ان ماہرین نے روح کو حاضر کیا، اس سے بات کی اور خود روح نے بھی ان سے بات کی۔ طرفین نے ایک دوسرے کی باتیں سمجھیں۔ آج روح کو حاضر کرنا باقاعدہ ایک علم بن گیا ہے۔ اور ایسی متواتر خبر بن گئی ہے کہ جس میں کوئی نزاع نہیں اس سے عالم روحانی کا اثبات ہوتا ہے۔ اس سے قطع نظر یہ روحیں ان ہی کی ہوتی ہیں جن کو مخاطب کیا جاتا ہے یا دوسرے لوگوں کی، بہر حال یہ علم روحانی کی واضح دلیل ہے۔" لکھتے ہیں:

"عمومی طور پر روحانی دنیا کے وجود پر بے شمار دلائل ہیں جن کا حصر ممکن نہیں۔"

"جب انسان حواس سے بلند اس عالم روحانی کو پہچان لے تو عذاب قبر اور اس کی نعمتوں کے بارے میں اشکال کا جواب آسان ہوجاتا ہے۔ اور وہ جان لیتا ہے کہ اس خاکی جسم کی موت روح کے مبتلائے عذاب ہونے میں مانع نہیں ہے۔"

آتما پرماتما کا تصور قطعی عجمی ہے جو اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ روح کے متعلق ارشاد الٰہی وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٥﴾ سورہ بنی اسرائیل [اور تم سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں تو آپ کہدو کہ وہ میرے رب کے حکم سے ہے اور تم کو بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔]

یعنی روح کے متعلق بندوں کو جتنے علم کی ضرورت ہے اتنا دیدیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد فرمایا گیا کہ روح کے متعلق اور کچھ معلوم کرنے کی کوشش کروگے تو سلسلہ وحی کو مسدود کر دیا جائیگا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ سورۃ بنی اسرائیل [اور اے محمد اگر ہم چاہیں تو اس وحی کو سلب کر دیں گے جو تمہاری طرف کی گئی ہے پھر ہمارے مقابلہ میں کسی کو بھی اپنا حمایتی نہ پا سکو گے]

قانونِ الٰہی کے تحت مرنے کے بعد کوئی بھی چاہے پیغمبر ہو یا امتی، کافر ہو یا مومن اور کسی طرح بھی نہ جسمانی نہ روحانی طور پر پھر دنیا میں نہیں آسکتا۔ ملاحظہ ہو (سورۃ مریم آیت ۹۸، سورۃ الانبیاء ۹۵، سورۃ یٰسین آیت ۳۱) لیکن مقالہ میں روحوں کے آنے کی بات لکھ کر اللہ کی باتوں کو غلط قرار دیا گیا ہے۔

اللہ نے موت کے بعد سے حشر تک انسان کی حالت کو حالتِ موت فرمایا ہے ـــــ (البقرہ آیت ۲۸، المومن آیت ۱۱) اور ساتھ ہی اس حالتِ موت میں بھی انسان کے زندہ رہنے کو بیان فرمایا ہے۔ (بقرہ ۱۵۴، آل عمران ۱۶۹، المومن ۴۶) لیکن مقالہ میں اس حالت کو روحانی عالم کہا گیا ہے۔

حالانکہ قرآن میں کہیں بھی روح قبض کرنے کی بات نہیں کہی گئی ہے۔ بلکہ ہر جگہ وفات دینا، موت دینا اور جان نکالنے کی بات بیان ہوئی ہے۔ قرآن میں کہیں بھی روحانی عالم یا عالمِ ارواح یا مثالی عالم کا ذکر نہیں ہے لیکن مقالہ میں روحوں کی بات کہی گئی ہے۔

قرآن کی آیات متشابہات کا حقیقی [illegible] انسانی ذہن [illegible] ممکن نہیں۔ اس لئے [illegible] علمِ الٰہی کی بنا پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ﴿۵﴾ التکاثر (ہرگز نہیں [illegible] کے ذریعہ یقین کر لیتے۔)

آیاتِ متشابہات کا معنی و مطلب آیاتِ محکمات کے خلاف لینے کو زیغ قلب (دلوں کا ٹیڑھاپن) قرار دیا گیا ہے۔

اللہ نے اپنی کتاب میں نہ صرف مردے سننے کی نفی و تردید کی ہے (النمل ۸۰، [illegible] فاطر ۱۴، ۲۲) بلکہ واقعات (یونس آیت ۲۹، النحل ۸۶، احقاف آیت ۵، ۶، بیان کر کے مردے نہ سن سکنے کا ثبوت بھی دیدیا ہے۔ جس کی تفصیل رسالہ الحق شمارہ ۴۸۵، ۴۸۶ بابتہ ماہ مارچ و اپریل ۱۹۸۷ء کے صفحہ ۱۴، ۱۵ پر دیدی گئی ہے۔ لیکن کس قدر ماتم کا مقام ہے کہ مقالہ میں مردے سننے کی صرف تصدیق ہی نہیں کی گئی ہے بلکہ اس کو ایک حقیقتِ واقعہ ثابت کرنے کے لئے بے تکے دلائل بھی دیئے ہیں اور اس سے بھی زیادہ [illegible]

بات "تکلّم موتیٰ" یعنی مردے بات کرنے کی بات کو حقیقت واقعہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تکلّم موتیٰ (مردوں کا زندوں سے بات کرنا) کو اپنی قدرت کا کرشمہ قرار دیتے ہوئے اس کو بندوں کے لئے ایک امر محال قرار دیا ہے۔

وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوا لِيُؤْمِنُوٓا إِلَّآ أَن يَشَآءَ اللَّهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ ﴿۱۱۱﴾ سورۃ الانعام [اور اگر ہم ان کے پاس فرشتے بھی اتار دیں اور ان سے مردے بھی بات کرنے لگیں اور ہم سب (باپ دادا) کو اکٹھا کرکے ان کی آنکھوں کے سامنے لا کھڑا کر دیں تب بھی یہ ماننے والے نہیں مگر یہ کہ اللہ چاہے اور لیکن ان میں سے اکثر محض جہالت سے کام لے رہے ہیں۔]

وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتَىٰ ۗ بَل لِّلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا ۗ ﴿۳۱﴾ سورۃ الرعد [اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس کے ذریعہ (پڑھنے یا پھونکنے) سے پہاڑ چلائے جاتے یا اس کے ذریعہ (پڑھنے پھونکنے) سے طویل فاصلے آناً فاناً طے ہو جایا کرتے یا اس کے ذریعہ (پڑھنے پھونکنے) سے مردوں سے بات کرائی جاتی تب بھی یہ ماننے والے نہ تھے۔ یہ تمام باتیں حقیقت میں اللہ کی قدرت کی ہیں ایمان کے لئے "قانون" "ان دیکھے" کو ماننا ہے۔]

مقالہ نگار صاحب سائنسدانوں، فال کھولنے والوں اور عمل عملیات کرنے والوں حاضرات لگانے والوں کو ایک ہی زمرہ میں شامل کیا ہے جو بالکلیہ نئی بے پر کی تحقیق ہے۔ رشدی جیسے لوگ رسولؐ کی شخصیت پر جب جھوٹے الزامات لگاتے ہیں تو مسلمان فوری غصہ میں آجاتے ہیں۔ لیکن اللہ کی کتاب کو جھوٹا قرار دینے والے مضامین پر ان کی غیرت ایمانی میں کوئی جنبش پیدا نہیں ہوتی۔ اسلامک ریسرچ اکیڈیمی جو قرآن و حدیث اور تاریخ کے علماء پر ہی مشتمل ہو سکتی ہے اس کی طرف سے ایسے گمراہ کن مضامین کا شائع ہونا جرم کی سنگینیت کو اس کے انتہائی حد تک پہنچا دیتا ہے۔

مقالہ میں قرآن کی چھ آیات کو عذاب قبر کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے۔ ان کا جائزہ پیش ہے۔

قرآن سے متعلق سب سے اہم و بنیادی حقیقت جو نقش کالحجر کی طرح ذہن میں ہونا چاہئے وہ یہ کہ قرآن تضاد بیانی سے قطعی قطعی پاک ہے۔ اس حقیقت واقعہ کی

بنا پر قرآن کے کسی لفظ یا آیت کا ہر مطلب ومفہوم جو دیگر آیاتِ قرآنی سے ٹکراتا ہو قطعاً غلط ہے بالخصوص وہ مطلب جو اللہ کے مقررہ قانون کے خلاف ہو تو اس سے جرم کی سنگینیت بہت بڑھ جاتی ہے کیونکہ اس طرح قرآن کو قرآن سے ٹکراتا ہوا جس سے نہ صرف قرآن میں تضاد اور اختلافِ بیانی کا ثبوت فراہم کرنا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ پر تضاد بیانی کا الزام لگانا ہے۔
نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِكَ۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ سورہ نوح [وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کئے گئے، پھر دوزخ کی آگ میں ڈالے گئے، اور اللہ کے سوا انہوں نے کوئی مددگار نہیں پایا۔]

یہ آیت عذابِ قبر کے لئے حسبِ ذیل وجوہ کی بنا پر دلیل نہیں بن سکتی۔

۱۔ آیت کا لفظ "ناراً" سے مراد صریحاً دوزخ کی آگ ہے چنانچہ مقالہ میں بھی دوزخ کی آگ ہی لکھا گیا ہے۔

۲۔ واضح رہے کہ عذابِ قبر کی کسی حدیث میں بھی آگ کے عذاب کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن قائلین عذابِ قبر ہیں کہ قرآنی آیتوں سے برزخ میں آگ کا عذاب ثابت کر رہے ہیں جس سے اللہ کے رسول پر قرآن سے لاعلمی کا الزام عائد ہوتا ہے۔

۳۔ حشر کے دن فیصلہ کے بعد سزا و جزا ملنا قانونِ الٰہی ہے۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ ﴿۱۸۵﴾ آل عمران (ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور اس کے سوا نہیں کہ تم کو حشر کے دن تمہارے اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔) جو سب کا مسلّمہ ہے۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ فیصلہ سے پہلے آگ میں ڈال دیئے جائیں جس سے نہ صرف قرآن پر تضاد بیانی کا بلکہ اللہ پر ظلم کا الزام عائد ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

۴۔ قرآن ہی سے ثابت ہے کہ قوم نوح اور آل فرعون کو پانی میں غرق کیا گیا ان کے عذاب کی یکسانیت ان کے جرم کی یکسانیت پر دال ہے۔ اس لئے غرق کے بعد دونوں کے ساتھ یکساں ہی سلوک کیا جانا چاہیئے تھا بجائے اس کے قوم نوح غرق کے ساتھ ہی آگ میں داخل کر دی گئی لیکن آل فرعون کو غرق کے ساتھ ہی آگ میں داخل نہیں کیا گیا۔ (المومن ۴۶)

۵۔ قومِ نوح آگ میں داخل کئے جانے کے لاکھوں سال بعد آل فرعون غرق کئے گئے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آل فرعون کے مقابلہ میں قوم نوح لاکھوں سال زیادہ مدت تک آگ میں جلتی بھنتی رہے گی جو کسی طرح بھی قرینِ عقل وانصاف نہیں۔

۶۔ قوم نوح برزخی زندگی سے محروم کر دی گئی لیکن آل فرعون کو غرق کئے جانے کے بعد سے حشر تک ہزاروں سال برزخی زندگی نصیب رہے گی۔

۷۔ قوم نوح کو بلا حساب و کتاب آگ میں ڈالا گیا لیکن آل فرعون کو حساب و کتاب کے بعد شدید عذاب میں داخل کیا جائے گا۔ (المومن ۴۶)

۸۔ قوم نوح غرق کے بعد سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آگ میں جلتی بھنتی رہے گی لیکن آل فرعون غرق کے بعد سے حشر تک روزانہ صبح و شام صرف آگ کے سامنے پیش کئے جاتے رہیں گے۔ ملحوظ رہے کہ آگ میں جلتے بھنتے رہنا اور آگ کے سامنے پیش ہوتے رہنا دونوں کسی طرح بھی یکساں و برابر نہیں ہو سکتے۔ یہاں زیر بحث اللہ تعالیٰ کی قدرت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے جس کو اس نے اپنی کتاب میں بیان فرمادیا ہے۔

۹۔ "فَاُدْخِلُوْا" صیغہ ماضی ہونے کی بنا پر "پس آگ میں داخل کر دیئے گئے" کا مطلب لیا گیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن میں صیغہ ماضی کا استعمال مستقبل کی بات کو قطعی و یقینی بنانے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً "اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰہِ" (النحل آیت ۱) (آگیا اللہ کا فیصلہ) اَتٰی صیغہ ماضی ہونے کے باوجود تمام مفسرین مستقبل کا مفہوم لئے ہیں۔ چنانچہ کسی نے "بس آیا ہی چاہتا ہے" کسی نے "حکم کے وقوع کا وقت قریب آپہنچا" کسی نے "آ ہی گیا سمجھو" کسی نے "پہنچنے والا ہے" اور کسی نے "آیا ہی سمجھو" لکھا ہے۔ اسی طرح سورۂ ھود آیت ۸ میں لفظ "حَاقَ" صیغہ ماضی ہونے کی بنا پر اس کا ترجمہ "گھیر لیا" ہونا چاہئے تھا لیکن ہر ایک نے مستقبل "گھیر لے گا" کا مطلب لیا ہے۔

تدبر قرآن میں اس آیت زیر بحث کا مطلب "اور اس دنیا میں وہ پانی میں ڈوبے اور آخرت میں دوزخ کی آگ میں پڑیں گے" لکھا گیا ہے۔

مندرجہ بالا وضاحت کی روشنی میں فادخلوا کے معنی "داخل کر دیئے گئے" کی بجائے "داخل کر دیئے جائیں گے" لینا ہی صحیح و درست ہے۔ اس سے قرآن میں کوئی اشکال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ نتیجہ یہ حضرت نوح اور حضرت لوط علیہم السلام کی بیویوں نے ان کی خیانت کی (یعنی ان کی بات نہیں مانی) پس نوح اور لوط اللہ کی پکڑ سے انہیں کچھ نہ بچا سکے، اور انہیں حکم ہوا کہ اپنی دوزخ کے حق دار ہو، تم دونوں بھی جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

قارئین غور کریں کہ "الدّاخلین" کا ترجمہ اہل دوزخ کیا گیا ہے۔ اگر یہ عمداً کیا گیا ہے تو صریحاً مغالطہ دہی ہے اور اگر سہواً ہوا ہے تو یہ محض مورو ثی عقائد کا نتیجہ ہے۔ "الدّاخلین" کا ترجمہ داخل ہونے والے ہی ہو سکتا ہے۔

یہاں حشر کے فیصلہ کے بعد دوزخ میں داخل کئے جانے کے حکم کا صریحاً ذکر ہے۔ پھر اسکو برزخ کے عذاب کے ثبوت میں پیش کرنا کیا صحیح استدلال ہو سکتا ہے۔

عذابِ قبر کے ثبوت میں اس آیت کو پیش کرنا ہی تھا تو سب سے پہلے یہ بتایا جاتا کہ جن لوگوں کے ساتھ ان دونوں کو دوزخ میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا وہ برزخ میں عذاب بھگت رہے تھے۔ کس قدر ماتم کا مقام ہے کہ اپنے غلط عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے قرآنی آیات کے ساتھ من مانی سلوک کیا گیا ہے جو تفسیر بالرائے ہے۔ جس آیت میں عذابِ قبر کا اشارہ تک بھی نہیں اس کو عذابِ قبر کے ثبوت میں پیش کرنا مسلمانوں کی قرآن سے ناواقفیت سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہے اور ان کی غلط رہنمائی کرنا ہے۔

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۖ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾ سورہ یٰسین

(حکم ہوا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا کاش کسی طرح میری قوم کو معلوم ہو جاتا کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت والوں میں کیا ہے۔)

یہاں بھی قِیلَ اُدْخُلْ (حکم ہوا جنت میں داخل ہو جاؤ) صیغہ ماضی ہے جو مستقبل میں واقع ہونے والی بات کو قطعی و یقینی بتانے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ تعجب ہے کہ برزخ میں نعمتوں کی زندگی کے ثبوت میں وہ آیت پیش کی گئی ہے جس میں جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیا ان کو پھر جنت سے نکال کر میدانِ حشر میں لایا جائے گا؟ اگر ان کو جنت میں داخل کر دیئے جانے کا حکم دیدیا گیا تھا تو "اُدْخُلْ" کے بجائے "اُدْخِلْنَا" ہونا چاہیے تھا۔ اور یہی بات صحیح ہے کیونکہ "قِیلَ اُدْخُلْ" (حکم ہوا داخل ہو جاؤ) کے مفہوم کی بجائے "کہا جائے گا داخل ہو جاؤ" کا مفہوم لینے سے قرآن میں کوئی اشکال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ حشر کے دن فیصلہ کی بات سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

"سورہ واقعہ کے آخر میں بھی اس کی جانب اشارہ موجود ہے" لکھا گیا ہے لیکن آیات کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ قارئین کے لئے وہ آیتیں پیش ہیں۔

فَأَمَّا إِن كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٨٨﴾ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ نَعِيمٍ ﴿٨٩﴾ وَأَمَّا إِن كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿٩٠﴾ فَسَلَامٌ لَّكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ

وَأَمَّآ إِن كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّآلِّينَ ۝ ٩٢ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيمٍ ٩٣
وَتَصْلِيَةُ جَحِيمٍ ٩٤ سورۃ الواقعہ (پھر اگر وہ مقربین میں سے ہے تو اس کے لئے آرام و راحت
اور اس کے لئے نعمتوں کی جنت اور اگر وہ داہنے ہاتھ والوں میں سے ہوگا تو اس سے کہا جائے گا تیرے
لئے امن و سلامتی ہے کہ تو داہنے ہاتھ والوں میں ہے اور اگر وہ جھٹلانے والوں اور گمراہوں میں سے ہوگا تو
اس کی مہمانی کھولتے ہوئے پانی سے ہوگی۔ اور اسے دوزخ میں داخل ہونا پڑے گا۔)

یہ آیات اس سورہ کی ہیں جس کا نام الواقعہ ہے یعنی اس سورۃ میں قیامت کی تباہی اور حشر کے دن کے احوال بیان ہوئے ہیں۔ ملحوظ رہے کہ ان آیتوں میں حشر کے دن بندوں کے اعمال کے لحاظ سے ان کو جو جزا ملنے والی ہے اس کا ذکر ہے نہ کہ برزخ کا۔ جنت اور جہنم عالم برزخ کا نہیں بلکہ عالم آخرت کا ہی حصہ ہیں۔ اس لئے ان آیات کو عذاب اور نعمت برزخ کے ثبوت میں پیش کرنا صحیح طریقہ نہیں ہے۔

(۵) وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ٩٣ الانعام (اور اگر آپ دیکھیں جس وقت کہ ظالم موت کی سختی میں مبتلا ہوں اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں کہ اپنی جانیں نکالو آج تمہیں ذلت کے عذاب کا بدلہ ملے گا اس وجہ سے کہ تم اللہ پر جھوٹی باتیں کہتے تھے۔)

وَلَوْ تَرَىٰ تا أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ کے جملوں میں بالکلیہ موت کے وقت کی حالت کا بیان ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ عبارت عذاب برزخ کے لئے دلیل نہیں بن سکتی۔

اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ۔ لفظ "اَلْيَوْمَ" سے وفات کا دن مراد لے کر اس کو عذاب قبر کے ثبوت میں پیش کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ "اَلْيَوْمَ" کا لفظ قیامت و حشر کے لئے متعدد جگہ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً الحاقہ آیت ۳۵ المعارج ۴۳، ۴۴ مرسلات آیت ۱۳، ۱۴، ۳۵ اور ۳۸ سورۃ النبا آیت ۱۷، ۱۸، ۳۸، ۳۹، ۴۰ سورۃ عبس آیت ۳۴۔

الیوم سے وفات کا دن مراد لینے سے اللہ پر اس کے اپنے قانون کی خلاف ورزی کا الزام عائد ہوتا ہے یعنی حشر کے دن فیصلہ کے بعد عذاب دینے کے بجائے مرتے ہی عذاب دینے کی بات ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے "الیوم سے حشر کا دن مراد لینے میں کوئی اشکال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ جس کی تصدیق سورۃ واقعہ کی متذکرہ بالا آیتوں ۸۸ تا ۹۴ سے ہو جاتی ہے۔

عذاب الهون کے الفاظ سورۂ احقاف آیت ۲۰ میں دوزخ کے عذاب ہی کیلئے آئے ہیں۔ اس کے علاوہ عذاب الھون کے بجائے عذاب المھین کے الفاظ سورۃ النسار آیت ۱۴، سورۃ الجاثیہ آیت ۹ میں بھی آئے ہیں۔ جس سے صرف دوزخ کا عذاب ہی مراد ہے۔ البتہ سورہ حٰمٓ السجدہ کی آیت ۱۷ میں دنیا کے عذاب کے لئے "عذاب الھون" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ عذابِ قبر کے لئے کہیں بھی نہیں۔ اس لئے یہ آیت عذابِ قبر کے لئے دلیل نہیں بن سکتی۔

[۶] وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ غافر [اور آلِ فرعون پر بری طرح کا عذاب ٹوٹ پڑا۔ انہیں صبح و شام جہنم کا دیدار کرایا جاتا ہے اور قیامت کے روز حکم ہوگا۔ آلِ فرعون کو سخت سے سخت عذاب میں ڈال دو۔]

قارئین کی توجہ اس مغالطہ دہی کی طرف مبذول کرائی جاتی ہے جس سے یہاں کام لے کر اپنی بات کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ یہ کہ آیت ۴۵ کا پوری دینے کی بجائے صرف اس کا آخری جزو وہ بھی حوالہ حذف کر کے اس طرح دیا گیا ہے کہ وہ آیت ۴۶ ہی کا جز معلوم ہو۔ چنانچہ حوالہ میں صرف آیت ۴۶ ہی لکھا گیا ہے۔ آیت ۴۵ کا مفہوم یہ ہے کہ

"پس اللہ نے اس (مرد مومن) کو فرعونیوں کے مکر و فریب سے بچا لیا اور آلِ فرعون کو بُرے عذاب نے گھیر لیا۔"

لیکن مقالہ میں:

"بری طرح کا عذاب ٹوٹ پڑا۔"

لکھا گیا ہے۔ اَلنَّارُ سے عَشِيًّا تک کے الفاظ سے صاف ثابت ہے کہ آلِ فرعون صبح و شام حشر تک صرف آگ کے سامنے پیش کئے جاتے رہیں گے۔ واضح رہے کہ آگ کے سامنے پیش کیا جانا اور آگ میں ڈالا جانا یہ دونوں کسی طرح بھی مساوی و برابر نہیں ہو سکتے۔ آگ کے سامنے لائے جانے کا مطلب ہرگز آگ میں ڈالنا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ آگ دکھانا مراد ہے۔ جس کی تصدیق بخاری و مسلم کی احادیث سے ہو جاتی ہے۔ جو صفحہ ۱۵ پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

آگ پر صبح و شام پیش کرنے کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسے کہ ملزم معہ مال مسروقہ گرفتار ہو جائے تو اس کو سزا ملنے کا یقین ہو جاتا ہے۔ حالانکہ سزا تو فیصلہ کے بعد ہی ملے گی۔

آگ کے سامنے لائے جانے سے جسم کو جلنے کی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ پھر ایسی آیت کو عذاب قبر کے سلسلہ میں پیش کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

مقالہ میں عذاب قبر کی احادیث کے متعلق لکھا گیا ہے کہ:

"متواتر احادیث سے یہ ثابت ہے کہ موت کے بعد انسان جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس اس کے لئے مقرر کردہ فرشتے اس کے اعمال کا حساب لینے آتے ہیں۔ اگر وہ مومنین صالحین کے گروہ میں سے ہے، تو نعمت و سعادت کا سزاوار ہوتا ہے، اور اگر کافروں اور فساد برپا کرنے والے ظالموں میں سے ہے تو وہ وہاں دردناک عذاب سے دوچار ہوتا ہے۔ العیاذ باللہ۔"

قارئین غور کریں کہ مرنے والا جو اپنے نامۂ اعمال گواہ و ثبوت کے دنیا دارالامتحان سے نکل چکا ہوتا ہے تو پھر قبر میں میت کے اعمال کا حساب لینے فرشتے آنے کی بات کیسے صحیح ہو سکتی ہے ـــ تضاد بیانی ملاحظہ ہو جس کو خط کشیدہ رکھا گیا ہے۔ نعمت و سعادت کا سزاوار ہونے کے معنی تو مستحق ہونے کے ہی ہو سکتے ہیں نہ کہ ان سے استفادہ کرنے کے۔ لیکن کافروں کے لئے دردناک عذاب سے دوچار ہونا ہے لکھا گیا ہے۔ سزاوار ہونے کی بات عذاب قبر کے ثبوت میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ آگے لکھا گیا ہے:

"احادیث میں تمام مصلیان کو اپنی صلوات میں عذاب قبر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے، اس بارہ میں متعدد صحیح احادیث مروی ہیں، علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ جس نے اپنی صلوات میں عذاب قبر سے پناہ نہیں مانگی اس کی صلوات صحیح نہیں ـــ"

مکی زندگی کے تیرہ سال اور مدنی زندگی کے بھی پانچ، چھ سال تک اللہ کے رسولؐ اور صحابہؓ نے جو نمازیں پڑھیں وہ غیر صحیح قرار پاتی ہیں جبکہ اس زمانہ میں اللہ کے رسولؐ اور صحابہؓ عذاب قبر یا برزخ سے قطعی لاعلم و بے خبر تھے۔ علماء کی ایک جماعت کا خیال وہ بھی بلا دلیل دین میں کوئی سند نہیں ہو سکتی۔

تمام پیغمبروں کا بنیادی و اہم فرض آخرت کی ابدی زندگی کے متعلق بشارت و نذارت رہا ہے۔ قبر یا برزخ عالم غیب کی پہلی منزل ہے لیکن حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک کسی نے بھی عذاب قبر یا برزخ کی بات نہیں فرمائی ہے۔ عذاب قبر ہو یا برزخ جو بالکلیہ غیب کا معاملہ ہے۔ اس کا اشارۃً یا کنایۃً ہی قرآن میں ذکر ہونا لازمی و ضروری تھا کیونکہ قرآن کی حیثیت تبیاناً لکل شیء (النحل ۸۹) (تمام باتوں کو کھول کر بیان کرنے والی،

اَلکِتٰبَ مُفَصَّلاً الانعام ۱۱۴ (مفصل کتاب) **تَفْصِیْلَ الْکِتٰبِ** یونس ۳۷ (تفصیل کرنے والی کتاب) **وَ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ** الدخان ۲ (باتوں کو واضح بیان کرنے والی کتاب)۔

اللہ کے رسول کا کوئی قول اور کوئی فعل اللہ کی کتاب کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایک معصوم انسان کی روایت (قرآن) کے خلاف میں ہزاروں غیر معصوم انسانوں کی روایات (احادیث) کسی طرح بھی ایمان والوں کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ ملحوظ رہے کہ یہاں تمام احادیث کا انکار مقصود نہیں ہے بلکہ صرف ان ہی احادیث و آثار کا جو قرآن کے خلاف اور تجربہ و مشاہدہ میں غلط ثابت ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ بغیر صحیح احادیث و آثار کے قرآن کے کسی حکم پر بھی صحیح طور پر عمل کیا جانا ممکن نہیں۔

اللہ کے رسولؐ کو عذابِ قبر ہونے کا علم کیسے ہوا:

"مسند احمد میں ہے کہ ایک یہودیہ عورت حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی خدمت گذار تھی۔ حضرت عائشہ رضؓ جب کبھی اس کے ساتھ کچھ سلوک کرتیں تو وہ دعا دیتی اور کہتی کہ اللہ تعالیٰ تجھے عذاب قبر سے بچائے۔ ایک روز حضرت عائشہ رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا قیامت سے پہلے قبر میں عذاب ہوتا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: نہیں تو۔ یہ کس نے کہا؟ حضرت عائشہ رضؓ نے اس یہودی عورت کا واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا: "یہود جھوٹے ہیں اور وہ تو اس سے زیادہ جھوٹ اللہ پر باندھا کرتے ہیں۔ قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں۔"

کچھ ہی دن گذرے تھے کہ ایک مرتبہ ظہر کے وقت کپڑا لپیٹے ہوئے رسول اللہ تشریف لائے، آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور با آواز بلند فرما رہے تھے کہ "قبر مانند رات کی اندھیریوں کے ٹکڑوں کے ہے لوگو! تم وہ جانتے نہیں جو میں جانتا ہوں۔ اگر تم وہ جانتے تو بہت زیادہ روتے اور بہت کم ہنستے۔ لوگو! قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ یقین مانو کہ عذاب قبر حق ہے۔"

(کتابچہ عذاب قبر)

"مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کے پاس ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اس وقت ایک یہودیہ عورت حضرت عائشہ رضؓ کے پاس

بیٹھی تھی اس نے کہا آپ کو معلوم ہے کہ تم لوگ اپنی قبروں میں آزمائے جاؤ گے؟
اسے سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانپ گئے اور کہا یہودی آزمائے جاتے
ہیں "۔ پھر چند دنوں بعد آپ نے فرمایا! "لوگو! تم سب قبروں کے فتنے میں
ڈالے جاؤ گے"۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتنۂ قبر سے پناہ مانگا
کرتے تھے۔ ـــــ (کتابچہ عذابِ قبر)

اختلاف و تضاد بیانی نقص و عیب ہے۔ یہ عیب اللہ کے رسولؐ کے ارشادات میں
نہیں ہوسکتا اور نہ ہی آپؐ کا ارشاد قرآن کے خلاف ہوسکتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ
"جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کی ابدی قیامگاہ اسے صبح و شام
دکھائی جاتی ہے، خواہ وہ جنتی ہو یا دوزخی۔ اسے کہا جاتا ہے کہ یہ تمہاری
ہونے والی ابدی قیامگاہ ہے، جب تمہیں اللہ تعالیٰ حشر کے دن دوبارہ
اٹھائے گا"۔ ـــــ تفہیم البخاری حدیث نمبر ۱۲۸۹

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا ٹھکانہ صبح و شام اس کے سامنے کیا جاتا
ہے۔ اگر وہ جنتی ہے تو جنت دکھائی جاتی ہے اور اگر وہ دوزخی ہے تو
دوزخ دکھائی جاتی ہے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانہ ہے جہاں تو حشر
کے دن بھیجا جائے گا ـــــ (صحیح مسلم جلد ششم)

مندرجہ بالا دونوں ارشادات رسول سورہ مومن آیت ۴۶ کے عین مطابق ہیں جس میں
آلِ فرعون کو صبح و شام آگ کے سامنے لائے جانے کی بات فرمائی گئی ہے۔
اللہ و رسولؐ کے مندرجہ بالا ارشادات اور حشر کے دن فیصلہ کے بعد جزا دینے کا
قانونِ الٰہی کی روشنی میں ہر شخص فیصلہ کرسکتا ہے کہ عذابِ قبر کی بات صحیح ہے یا غلط۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ

التماس

"الحق" میں کوئی بات اگر غلط لکھی گئی ہو تو اس کی نشاندھی کی جائے، تاکہ ہماری
اصلاح ہو اور آپ کو بھی اجر ملے۔ رسالہ "الحق" دوسروں کو بھی بغرضِ مطالعہ
دیا کیجئے، یہ بھی دین ہی کی خدمت ہوگی ـــــ (ادارہ)

AL-HAQ Monthly Regd. No. H.H.D.154 Hyd.12 (AP.)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لقد انزلنا الیکم کتابا فیہ ذکرکم افلا تعقلون. الانبیاء ۱۰

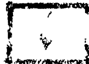
تحقیق ہم نے تمہاری طرف کتاب بھیجی ہے اس میں
تمہارا ہی ذکر ہے کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

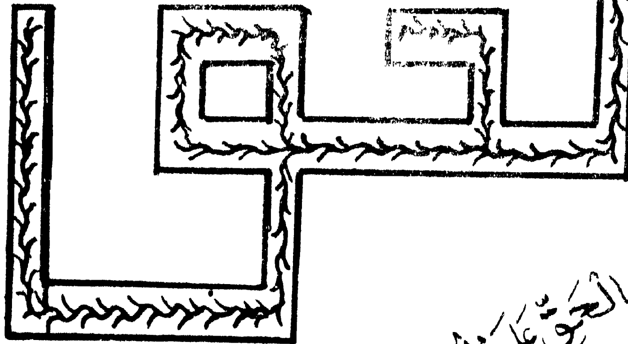


حیدرآباد

ماہنامہ







بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو زاھق ۰ الانبیاء ۱۸

ہم باطل کے سر پر حق کی ایسی ضرب لگاتے ہیں کہ اسکا دماغ پاش پاش ہوجاتا ہے پھر وہ سر نہیں اٹھا سکتا۔

فطرت انسانی کا تذکرہ

مؤسس:
مولوی صوۃ الرحمن صابر مرحوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اطاعتِ امیر کی اہمیت

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور صاحبِ امر (امیر) کی اطاعت کرو جو تم ہی میں سے ہو۔

[سورۃ النساء ۵۹]

اہلِ ایمان کو اللہ کا یہ حکم ہے کہ وہ اپنی زندگی امیر کے تحت بسر کریں۔ ہر لحاظ سے بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اہلِ ایمان کی اطاعت اسی وقت مکمل و پوری ہوگی جب کہ ان کی زندگیوں میں مذکورہ بالا تینوں اطاعتیں موجود ہوں۔

نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم دراصل اطاعتِ امیر کے جذبے کی پرورش اور اس کی عملی مشق ہے اللہ و رسول کے کسی بھی حکم کی اس طرح تعمیل کرنا کہ مقصدِ حکم فوت ہو جائے۔ اللہ و رسول کے حکم کا مذاق اڑانا ہے۔ غور کیجئے کہ اگر نماز باجماعت ادا نہ ہو تو صرف جماعت کے ثواب سے ہی محرومی رہے گی۔ لیکن بلا امیر کے زندگی بسر کرنا وہ نقص و خامی ہے جس کی تلافی جماعت کے ثواب سے نہیں ہو سکتی۔ اس صریح حکمِ الٰہی کی نافرمانی کے نتائجِ بد سے دوچار ہونے اور اجتماعی زندگی کے فوائد آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود ہماری آنکھیں نہیں کھلتیں۔

اجتماعی زندگی اپنانے کے بجائے پہلے اقتدار کی بحث اٹھانا قطعی غلط ہے کیونکہ بیعت اقتدار کا نتیجہ نہیں ہے اقتدار کا ذریعہ و سبب ہے۔

ہر دعویدارِ ایمان کو غور کرنا چاہیے کہ وہ اپنے دعوے ایمان و اطاعت میں کس حد تک سچا ہے۔ نماز باجماعت کی فکر سے پہلے ایک امیر کے تحت زندگی بسر کرنے کی فکر و کوشش کرنا لازمی و ضروری ہے۔ ورنہ خسرانِ آخرت سے بچنا ممکن نہیں۔

جلد ۴۶ شمارہ ۵۰۹ ، ۵۱۰ بابتہ رجب وشعبان ۱۴۰۹ھ مطابق مارچ واپریل ۱۹۸۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرزا طاہر محمود صاحب خلیفہ قادیانی کے چیلنج مباہلہ کا سید عبدالمنان صاحب میر مقیم تعلقہ یادگیر اسٹیٹ کرناٹک انڈیا نے جو جوابی چیلنج دیا ہے وہ ہدیۂ ناظرین ہے

خدا کے ناچیز بندے سید عبدالمنان میر کا کھلا خط مرزا طاہر محمود قادیانی کے نام !

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد۔ نمستے

جناب کی جانب سے ایک عدد کتابچہ بہ ضمن مباہلہ موصول ہوا۔ قابل صد احترام علمائے اسلام نے مرزا غلام احمد قادیانی پر جو جو الزامات عائد کئے ہیں ان کی صرف زبانی تردید بہ ایں الفاظ کی گئی ہے "میں بحیثیت سربراہ جماعت احمدیہ کہتا ہوں جو جھوٹ ہے"

کیا صرف الزامات جھوٹے ہیں کہہ کر تردید کرنا دنیا کی کسی عدالت میں قابل قبول ہوسکتا ہے معزز و محترم علمائے اسلام نے مرزا غلام احمد قادیانی پر جو بھی الزامات اس کی اپنی کتابوں کے حوالے سے باضابطہ صفحہ نمبر کے حوالے سے عائد کئے ہیں ، ثابت کیجئے کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی آیا تحریریں نہیں ہیں۔ دنیا کی کسی بھی عدالت میں مدعی کے بیان کو صحیح مان کر اس کے حق میں فیصلہ نہیں دیا جاتا بلکہ مدعی علیہ کو حق ملتا ہے کہ وہ مدعی کے بیان کو مدعی کے خلاف فیصلہ کرنے کے لئے استعمال کرسکتا ہے۔ لہذا حسب ذیل الزامات میں مرزا غلام احمد قادیانی کی ذات پر عائد کرتا ہوں جو اس کی اپنی تحریر سے ماخوذ ہیں۔ آپ کی سہولت کے لئے کتابوں کے نام صفحہ نمبر سب کے سب حاضر ہیں۔ اگر ہمت ہو تو ان الزامات کی تردید کریں۔

(1) پہلا الزام نمبر ۱ : "مرزا غلام احمد قادیانی شرابی تھے۔"

وضاحت : مرزا غلام احمد قادیانی کا خط بنام محمد حسین۔

"محبی اخویم حکیم محمد حسین صاحب ! اس وقت میاں یار محمد بھیجا جاتا ہے، آپ خود اشیائے خوردنی خرید دیں۔ اور ایک بوتل ٹانک وائن کی پلومر کی دوکان سے خرید دیں۔ مگر ٹانک وائن [WINE] چاہیئے اس کا لحاظ رہے۔"

(حوالہ خطوط امسام بنام غلام صفحہ ۵)

نوٹ: اُس زمانہ میں اِس شراب کی قیمت پانچ روپے آٹھ آنے سکہ کلدار تھی۔ کیا ایک شرابی نبی ہوسکتا ہے ایک سچا اور پکا مسلمان بھی شراب کو ہاتھ لگانا گناہِ عظیم سمجھتا ہے مگر آپ کے مرزا جی شراب کے رسیا ہیں۔ کیا یہ بھی نبی کی صفت ہے؟

(۲) الزام دوم :- "مرزا غلام احمد قادیانی عاشق مزاج انسان تھے"

ملاحظہ ہو، مرزا غلام احمد قادیانی کی پیشن گوئی محمدی بیگم کے تعلق سے کہ محمدی بیگم کا شوہر مرجائے گا اور محمدی بیگم مرزا کی زوجیت میں آئے گی۔ (شہادت القرآن ۸۰)

مرزا غلام احمد قادیانی کی یہ پیشن گوئی برائے نام بھی پوری نہ ہوئی۔ مرزا جی ایک شادی شدہ عورت پر عاشق ہے۔ لعنت ہے اس شخص پر جو شادی شدہ عورت پر عاشق ہوتا ہے۔ کیا کسی شادی شدہ عورت پر عاشق ہونا بھی نبی کی صفت ہے؟

(۳) الزام سوم :- "مرزا غلام احمد قادیانی کی تضاد بیانی"

(۱) اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کی یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں۔ یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں نبی سابق کی اُمت نہیں کہلاتے اور براہِ راست بغیر استفادہ کسی نبی کے خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔

(خط مسیح موعود ۱۷ اگست ۱۸۹۱ء مطبوعہ مباحثہ راولپنڈی ۱۴۵)

(۲) قرآن مجید میں ختم نبوت کا بکمال تصریح ذکر ہے اور پرانے یا نئے نبی کا تفریق کرنا یہ شرارت ہے۔ حدیث لا نبی بعدی میں نفی عام ہے۔"

(ایام الصلح ۱۴۶، مباحثہ راولپنڈی صفحہ ۱۴۷)

(۳) کیا تو نہیں جانتا کہ پروردگار عالم رحیم و صاحب فضل ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بغیر کسی استثناء کے خاتم النبیین رکھا۔ اور ہمارے نبی نے اہلِ طلب کے لئے اس کی تفسیر اپنے قول لا نبی بعدی میں واضح طور پر فرمادی اور اگر ہم اپنے نبی کے بعد کسی نبی کا ظہور جائز قرار دیں تو گویا ہم باب وحی بند ہوجانے کے بعد اس کا کھلنا جائز قرار دیں گے اور یہ صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ مسلمانوں پر ظاہر ہے اور ہمارے رسول کے بعد نبی کیوں کر آسکتا ہے درآنحالیکہ آپ کی وفات کے بعد

وحی منقطع ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر نبیوں کا خاتمہ فرما دیا۔"

(حمامۃ البشریٰ صفحہ ۳۴ از غلام احمد قادیانی)

(۴) "رسول کی حقیقت اور ماہیت میں یہ امر داخل ہے کہ نبی دینی علوم کو بذریعہ جبرئیل حاصل کرے اور ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ اب وحی رسالت تا قیامت منقطع ہے۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۶۱۴)

(۵) "ان تمام امور میں میرا وہی مذہب ہے جو دیگر اہل سنت الجماعت کا ہے۔ اب میں مفصلہ ذیل امور کا مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانۂ خدا (جامع مسجد دہلی) میں کرتا ہوں کہ جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔"

(مرزا غلام احمد قادیانی کا بیان تحریری جو بتاریخ ۲۳ اکتوبر ۱۸۹۱ء جامع مسجد دہلی کے جلسہ میں دیا گیا مندرجہ تبلیغ رسالت حصہ دوم صفحہ ۴۴)

(۶) "ہم بھی مدعیٔ نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے قائل ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔"

(اشتہار غلام احمد قادیانی مورخہ ۲۰ شعبان از تبلیغ رسالت صفحہ ۲)

(۷) "مجھے کب جائز ہے کہ میں نبوت کا دعویٰ کر کے اسلام سے خارج ہو جاؤں اور کافروں کی جماعت سے جا ملوں۔" (حمامۃ البشریٰ صفحہ ۹۶)

اب مرزا غلام احمد قادیانی کا دوسرا رُخ ملاحظہ ہو:

(۸) "میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اسی نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے۔" (تتمہ حقیقت الوحی صفحہ ۶۸)

(۹) "خدا تعالیٰ نے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کئے جائیں تو بھی ان سے نبوت ثابت ہو سکتی ہے لیکن پھر بھی جو لوگ انسانوں میں سے شیطان ہیں نہیں مانتے۔" (چشمہ معرفت صفحہ ۳۱۷)

(۱۰) "میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے اور اسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا اور اس نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشان ظاہر کئے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔" (تتمہ حقیقت الوحی صفحہ ۶۸)

(۱۱) "سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔" (دافع البلاء صفحہ ۱۱)

(۱۲) "میں خدا کی تئیس ۲۳ برس کی متواتر وحی کو کیسے رد کر سکتا ہوں۔ میں اس کی اس پاک وحی پر

ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیساکہ ان تمام وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں "
(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۰، صفحہ ۲۱۱۔ انجام آتھم صفحہ ۶۲)

مرزا غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت پر جو بیان دیا اس کو میں نے اوپر نمبر ۱ سے نمبر ۷ تک خود ان کی کتابوں سے نقل کیا ہوں۔ اس کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی نے پلٹا کھایا اور اپنی نبوت اور صاحب شریعت نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ جس کو میں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی اپنی تحریر کردہ کتابوں کے حوالے سے نمبر ۸ تا نمبر ۱۲ تک درج کیا ہے۔ اس کو کیا تضاد بیانی نہیں کہتے۔ اس کو اگر تضاد بیانی نہیں کہتے تو پھر تضاد بیانی آخر کسے کہتے ہیں۔ قادیانی خلیفہ ذرا سوچ سمجھ کر جواب دیں۔

کیا تضاد بیانی بھی صفت نبوّت ہے ؟

مرزا غلام احمد قادیانی اپنے آپ کو یہ انبیاء سابقین سے کس طرح افضل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اب میں اس کو درج کر رہا ہوں۔

(۴) الزام چہارم :۔ انبیاء سابقین سے اپنے آپ کو افضل بیان کرنا۔

(۱) "ابن مریم کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے"۔ (دافع البلاء صفحہ ۲۔ ختم نبوت صفحہ ۸)

(۲) "اگر مسیح ابن مریم میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کام جو میں کر سکتا ہوں وہ ہرگز نہ کر سکتا۔ اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں ہرگز نہ دکھلا سکتا"۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۵، صفحہ ۱۴۸)

(۳) "آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد تحفہ گولڑویہ صفحہ ۴۰ پر تین ہزار بتلائی ہے اور مرزا غلام احمد نے اپنے معجزات دس لاکھ بتائے ہیں۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۵۶)

(۴) "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چاند کے خسوف کا ظہور ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا۔ اب کیا تو انکار کرے گا"۔ (اعجاز احمدی صفحہ ۷۱)

کیا ایسے گستاخ اور چرب زبان انسان کو ایک اچھا اور سچا انسان بھی مانا جا سکتا ہے۔ کیا اس سے زیادہ اور کوئی ذلیل حرکت ہو سکتی ہے کہ ایک عاشق مزاج اور تلون مزاج انسان اپنے آپ کو انبیاء کرام سے بھی افضل قرار دے۔

کیا، گستاخ، بے ادب اور چرب زبان ہونا کبھی نبی کی صفت ہے ؟

(۵) الزام پنجم :۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی بدزبانی اور گالم گلوچ۔

مرزا غلام احمد قادیانی اپنے نہ ماننے والوں کو کس طرح گالیاں دیتا ہے اور مغلظات بکتا ہے اس کی ایک ہلکی سی جھلک ملاحظہ ہو۔

(۱) "کُل مسلمانوں نے مجھے قبول کرلیا ہے اور میری دعوت کی تصدیق کرلی ہے مگر کنجریوں اور بدکاروں کی اولاد نے مجھے نہیں مانا۔" [آئینہ کمالات ص۵۴۷]

(۲) "بلاشبہ ہمارے دشمن بیابانوں کے خنزیر ہوگئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بھی بڑھ گئیں۔" [نجم الہدیٰ ص۱۰، درثمین ص۲۹۴]

(۳) "جو شخص ہمارے فتح کا قائل نہ ہوگا تو صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو ولدالحرام بننے کا شوق ہے۔" [انوار اسلام ص۳۰]

کیا وہ شخص جو اپنے آپ کو نبی کہتا ہے ایسی لچر، لغو اور ذلیل بات ضبط تحریر میں لاسکتا ہے۔ ایک نبی کو چھوڑیئے کیا ایک نیک اور شریف انسان بھی کسی کے تعلق سے ایسی گالیاں دے سکتا ہے۔

خلیفہ جی، آپ پہلے اپنے نبی کو ایک اچھا شریف اور نیک انسان تو ثابت کریں پھر بعد میں دیکھا جائے گا کہ وہ کس درجہ میں فٹ ہوسکتا ہے۔ ہمارے نبی و آقا جن کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا حضرت احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول فیصل ہے:

"وہ منافق ہے جو نزاع و جھگڑا ہو تو گالی پر اتر آئے ـــــ"

کیا گالیاں دینا اور مغلظات بکنا بھی نبی کی صفت ہے؟ نبوت کسبی اعزاز نہیں ہے بلکہ عطیۂ خداوندی ہے اگر نبوت کسبی ہوتی تو ہر شخص اپنی محنت شاقہ سے اسے حاصل کرلیتا بڑا کٹھن مرحلہ ہے۔ بہت سوچ سمجھ کر جواب دینا۔

(۶) الزام ششم:۔ قادیانی مرزا غلام احمد کی افترا پردازی اور کذب بیانی۔

خدا کا ذکر قرآن مجید میں	مرزا غلام احمد قادیانی کے خدا کی صفات
(۱) اللہ وہ زندہ جاوید ہستی جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، وہ نہ سوتا ہے اور نہ اسے اونگھ لگتی ہے۔ [سورۃ البقرہ ـ ۲۵۵]	(۱) خدا نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے، سوتا ہے، جاگتا ہے۔ [البشریٰ، جلد دوم ص۷۹]
(۲) کہو وہ اللہ ہے یکتا، سب سے بے نیاز اور سب اسکے محتاج ہیں نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد۔ [سورۃ اخلاص ۱ـ۳]	(۲) خدا مجامعت کرتا ہے۔ [اسلامی قربانی: ص۳۴]

(۳) استفتاء کے صفحہ ۴۲ پر مرزا غلام احمد قادیانی نے بیان کیا ہے :
"میں ہی حقیقت میں حجرِ اسود ہوں جس کی طرف منہ کر کے زمین پر نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے جس کے لمس سے لوگ برکت حاصل کرتے ہیں ۔"
صادق و امین حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے کہ حجرِ اسود جنت کا پتھر ہے جس کو کعبۃ اللہ شریف میں نصب کیا گیا ہے ۔
اوپر ہم نے مرزا غلام احمد کے افتراء پردازی اور کذب بیانی کے واضح امثال بیان کر دی ہیں ۔
کیا افتراء پردازی اور کذب بیانی نبی کی صفت ہے ؟
نوٹ :- مرزا البشیر الدین محمود قادیانی جو آپ کے والد ہیں ، اُن کے تعلق سے بھی ذرا غور فرمائیے ۔ باتیں تو بہت ہیں لیکن صرف ایک واقعہ درج کرتا ہوں ۔
امتہ الرشید جو مرزا البشیر الدین محمود کی اپنی بیٹی ہے اور مرزا محمد حنیف قادیانی جو مرزا البشیر الدین محمود قادیانی کا اپنا بیٹا ہے یہ دونوں مع دیگر اٹھارہ گواہان کے الزام لگاتے ہیں کہ مرزا البشیر الدین محمود قادیانی زانی اور اغلام باز (فاعل اور مفعول) ہے ۔ اس کی تفصیل اور دیگر اٹھارہ گواہان کے نام جاننا چاہتے ہیں تو آپ کتاب "مرزائیت اور اسلام" کا مطالعہ فرمائیں جس کو علامہ احسان الٰہی ظہیر نے پاکستان میں طبع کروایا ہے ۔
آپ حضرات کو نہ صرف تمام عالم اسلام غیر مسلم قرار دیتا ہے بلکہ آفریقہ اور خود ہمارے سوبے کرناٹک کی ایک عدالت نے بھی آپ حضرات کے غیر مسلم ہونے کا فیصلہ صادر کر چکے ہیں ۔
آپ حضرات خواہ مخواہ بطورِ ضد اپنے آپ کو مسلم کہلوانے پر مُصر ہیں ، جبکہ مرزا غلام احمد قادیانی کا درج ذیل بیان اگر آپ لوگ ضد کرنا چھوڑ دیں تو آپ کے مقام کو متعین کرنے میں خاصا مددگار ہو سکتا ہے ۔

"ہم ہر معاملہ میں مسلمانوں سے اختلاف رکھتے ہیں ، اللہ میں ، رسول میں ، قرآن میں ، نماز میں ، روزہ میں ، حج میں اور زکوٰۃ میں ۔ ان سبھی معاملوں میں ہمارے درمیان لازمی اختلاف ہے ۔" [الفضل ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء]

بقولِ شاعر ؎ الزام ہمیں دیتے ہو قصور اپنا نکل آیا
یا پھر ؎ چاہتے ہیں سو آپ کرے ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

مندرجہ صدر الزامات کے بعد جناب کے مباہلے کے چیلنج کو قبول کرتا ہوں کہ آپ

یادگیر آئیں آپ مجھ سے جس طرح چاہیں مباہلہ کرسکتے ہیں۔ میں ہر طرح کے مباہلے کو تیار ہوں۔
ذرا سوچ سمجھ کر جواب دیں۔ ہم تمہارے ہر قسم کے چیلنج کو قبول کرتے ہیں، مگر پہلے تم خود اپنے اور اپنے باپ اور مرزا غلام احمد قادیانی کے نیک چلن ہونے کا ثبوت تو دیں۔

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ دل آزاریاں ہوتیں
نہ کھلتے رازِ سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

سید عبدالمنان میر ساکن یادگیر

نوٹ:

خلیفۂ قادیانی مرزا طاہر صاحب کے مباہلے کے جواب میں
عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی پاکستان
نے بتاریخ ۲۳ مارچ ۱۹۸۹ء بروز جمعرات بوقت ۲ بجے بعد از نماز ظہر مقام **مینار پاکستان لاہور** میں مباہلہ کرنے کے لئے خلیفۂ قادیانی کو چیلنج کیا ہے — جس کو **ادارۂ تنظیم المسلمین** تعلقہ یادگیر اسٹیٹ کرناٹک نے بھی شائع کیا ہے

انجمن اشاعتِ اسلام کیرالا نے بھی خلیفۂ قادیانی کو مباہلہ کیلئے چیلنج دیا ہے



"الحق" میں کوئی بات اگر غلط لکھی گئی ہے تو اس کی نشاندھی کی جائے تاکہ ہماری اصلاح ہو اور آپکو بھی اجر ملے — رسالہ "الحق" دوسروں کو بھی بغرضِ مطالعہ دیا کیجئے یہ بھی دین کی خدمت ہی ہوگی — (ادارہ)

کلمۂ حکمت

عن علی بن ابی طالب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انها ستكون بعدی رواة يروون عنی الحديث فاعرضوا حديثهم على القرآن فما وافق القرآن فخذوه وما لم يوافق القرآن فلا تأخذوا به ——— (سنن الدارقطنی ۴ / ۲۰۹)

ترجمہ: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد رواۃ ہوں گے جو مجھ سے حدیثیں روایت کریں گے۔ تم انہیں قرآن پر پیش کرنا جو قرآن کے موافق ہو اسے لینا اور جو موافق نہ ہو اسے رد کر دینا۔"

دارقطنی نے اس روایت کی تخریج درج ذیل سند سے کی ہے:

حدثنا عثمان بن احمد بن السماك نا حنبل بن اسحاق نا جبارة بن المغلس نا ابو بكر بن عياش عن عاصم بن ابی النجود عن زر بن حبيش عن علی بن ابی طالب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذكر الحديث۔

ہم سے عثمان بن احمد بن سماک نے، انہوں نے کہا ہم سے حنبل بن اسحاق نے، انہوں نے کہا ہم سے جبارۃ بن مغلس نے، انہوں نے کہا ہم سے ابوبکر بن عیاش نے حدیث بیان کی ہے —— وہ عاصم بن ابی نجود سے، وہ زر بن حبیش سے اور وہ علی بن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

آگے حدیث ذکر ہے اس کے بعد امام دارقطنی نے اس سلسلۂ سند پر ان الفاظ میں

ریمارک کیا ہے۔

هذا وهم والصواب عن عاصم عن زيد عن علي بن حسن مرسلاً عن النبي صلى الله عليه وسلم۔ یعنی سند مذکور میں وہم واقع ہوا ہے۔ صحیح عاصم عن زید عن علی بن حسن عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے گویا روایت مرسل و منقطع ہے۔

دوسری خرابی اس سلسلۂ سند میں یہ ہے کہ اس کے راویوں میں ایک شخص جبارۃ بن مغلس ہیں جنہیں ابن نمیر نے بذاتہ "صدوق" کہا ہے تاہم ان پر عدم اعتماد کا اظہار یہ کہہ کر کیا ہے۔ "یوضع له الحدیث فیرویه ولا یدری" یعنی انکے لئے حدیثیں وضع کی جاتی تھیں وہ ان کی روایت کرتے تھے اور انہیں ان کے موضوع ہونے کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔

ابن نمیر کے برخلاف امام بخاری نے "جبارۃ" کو مضطرب الحدیث کہا ہے اور ابو معین حسین بن حسن کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ ابن معین کو انہیں "کذاب" کہتے سنا ہے۔ ان دونوں جلیل القدر ائمہ کے اقوال کی روشنی میں سنداً یہ روایت موضوع ٹھہرتی ہے۔ اسی مفہوم کی ایک اور روایت طبرانی کبیر میں "وضین عن سالم عن ابن عمر" کے طریق سے مرفوعاً بایں الفاظ آئی ہے۔

سئلت اليهود عن موسىٰ فاكثروا فيه وزادوا فيه ونقصوا حتىٰ كفروا وسئلت النصارىٰ عن عيسىٰ فاكثروا فيه وزادوا ونقصوا حتىٰ كفروا وانه ستفشوا عن احاديث فاأتاكم من حديثي فاقرءوا كتاب الله واعتبروا فما وافق كتاب الله فانا قلته ومالم يوافق كتاب الله فلم اقله۔

ترجمہ: یہودیوں سے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے ان کے متعلق بہت سی باتیں کہیں اور اس طرح افراط و تفریط کے شکار ہوئے کہ کافر ہو گئے۔ اسی طرح نصاریٰ سے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے بھی ان کے متعلق بہت سی باتیں کہیں اور افراط و تفریط میں مبتلا ہوئے اور کفر کیا، عنقریب میری طرف بھی منسوب بعض روایتیں عام ہو میری کوئی حدیث تم کو پہنچے تو تم اللہ کی کتاب سامنے رکھنا اور دیکھنا اگر وہ اللہ کی کتاب کے موافق ہو تو سمجھ لینا کہ میں نے اسے کہا ہے اور اگر موافق نہ ہو تو جان لینا کہ میں نے اسے نہیں کہا ہے۔"

نوٹ: مندرجہ بالا احادیث راویوں کے لحاظ سے اگرچہ ضعیف ہیں مگر متن کے

لحاظ سے صحیح و قوی ہیں جس کی تصدیق قرآن سے ہوتی ہے۔ امت میں جس ذریعہ سے بگاڑ پیدا ہوتا ہے ان ان احادیث میں اس کی نشاندھی فرمائی گئی ہے۔

دین اسلام کا اوّلین و بنیادی ماخذ قرآن لکھی لکھائی شکل و صورت میں محفوظ ہونے کی بناء پر اس کو دین اسلام میں بگاڑ پیدا کرنے کا ذریعہ نہیں بنایا جا سکتا تھا اس لئے دشمنان اسلام دین اسلام میں بگاڑ پیدا کرنے کے لئے اس کے دوسرے ماخذ یعنی احادیث کے ذریعہ اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مسلمان اللہ کے رسولؐ سے جو محبت و عقیدت رکھتے تھے اس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر جب بھی اور جہاں بھی اپنی غلط سلط باتوں کو دلیل و ثبوت سے نہیں منوا سکتے تھے، وہاں انہوں نے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حربہ استعمال کرکے دین اسلام میں بگاڑ پیدا کرتے تھے جس سے لاکھوں جھوٹی احادیث مسلمانوں میں مشہور ہو گئیں۔ جس سے یہ خطرہ پیدا ہوا تھا رسولؐ کی تعلیمات بھی کہیں دوسری دیو مالا نہ بن جائے۔ اس لئے محدثین کرام نے اپنے اپنے زمانہ اور اپنے اپنے طور پر ان تمام احادیث کو جمع کیا ہے تو مسلمانوں میں مشہور تھیں چنانچہ امام بخاریؒ نے چھ لاکھ، امام مسلمؒ نے چار یا تین لاکھ اسی طرح دیگر محدثین نے بھی لاکھوں ہزاروں احادیث جمع کئے اور اپنے اپنے معیار کے مطابق راویوں کے لحاظ سے ان جمع کردہ احادیث میں سے صحیح احادیث کا انتخاب کئے۔ ان منتخب شدہ احادیث کی عصمت کا کسی بھی محدث نے دعویٰ نہیں کیا ہے۔ جس کی رو سے یہ سمجھنا کہ اس ذخیرہ کی ہر حدیث صحیح ہے، کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ ان احادیث کی جانچ درایت کی روشنی میں ہونا تو ابھی باقی ہے۔ بالخصوص قرآن کی روشنی میں۔

زیر بحث احادیث کے صحیح ہونے کا ثبوت اللہ کے وہ احکام ہیں جن کے ذریعہ اللہ نے اپنے رسولؐ کو وحی کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً (۱) اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ سورۃ الانعام ۱۰۶ (پیروی کر اس چیز کی کہ وحی کی گئی ہے طرف تیری رب تیرے سے۔) (۲) وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤى اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط سورہ الاحزاب ۲ (اور پیروی کر اس چیز کی کہ وحی کی جاتی ہے طرف تیری رب تیرے سے)۔ (۳) فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ ج الزخرف ۴۳ (پس محکم پکڑ اس چیز کو کہ وحی کی گئی ہے طرف تیری)۔ اس کے علاوہ رسولؐ کی زبان سے بھی اس حقیقت واقعہ کا اقرار اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ۔۔۔ الانعام ۵۰ (نہیں پیروی کرتا میں مگر اس چیز کی کہ وحی کی گئی ہے طرف میرے) یہی بات سورۃ الاعراف آیت ۲۰۳، سورۂ یونس آیت ۱۵، سورہ الاحقاف آیت ۹ میں بھی بیان ہوئی ہے۔

وحی الٰہی کی خلاف ورزی کے انجام بد سے آپؐ کا خوف کھانا اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ

ربی عذاب یوم عظیم یونس ۱۵ (تحقیق ڈرتا ہوں میں اگر نافرمانی کروں میں پروردگار اپنے کی عذاب دن بڑے کے سے) اور سورہ الانعام آیت ۱۵، سورۂ زمر آیت ۱۳ میں بھی بیان ہوا ہے۔ مزید بات بھی فرمادی ہے کہ وحی الٰہی کے خلاف رسول کوئی بات کہیں گے یا کوئی کام کریں گے تو آپ کو دنیا و آخرت میں دہرا عذاب دیا جائے گا۔ (بنی اسرائیل آیت ۷۴، ۷۵) اور سورہ الحاقہ آیت ۴۶ میں رگ جان کاٹ ڈالنے کی بات فرمائی گئی ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ مانے بغیر چارہ ہی نہیں کہ اللہ کے رسول کا کوئی قول و فعل اللہ کی کتاب کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ البتہ اور یقیناً آپ کا قول و فعل قرآن کی تشریح و وضاحت اور عملی نمونہ ہے کیونکہ آپ کی حیثیت لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (ابراہیم ۴۴) (تاکہ آپ لوگوں سے وہ باتیں کھول کر بیان کریں جو ان کی طرف اتارا گیا۔) اور أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ الانعام ۱۴ (مجھے حکم دیا گیا اس بات کا کہ میں سب سے پہلے مطیع و فرمانبردار ہو) کی ہے۔

امّت کو پچھلی امّتوں کی طرح گمراہی میں مبتلا ہونے سے بچنے کے لئے مندرجہ بالا ہدایات دیئے گئے ہیں کیونکہ پچھلی امّتیں اپنے پیغمبروں کے معاملہ میں غلو کیں اور اپنے غلط عقائد کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اللہ کی کتابوں ہی کو مسخ کر ڈالیں۔ اس طرح اللہ کی کتابیں اپنی اصلی شکل و صورت میں موجود نہ رہ سکیں۔ ا

امتِ محمدیہ حفاظت الٰہی کی بنا پر قرآن کو مسخ تو نہ کرسکی لیکن روایات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے قرآن کی من مانی تاویل و تعبیر کر ڈالی۔

احادیث زیر بحث کو قرآن کی آیات وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ج سورۃ الحشر ۷ (اور جو کچھ اللہ کے رسول تم کو دیں اس کو مضبوط پکڑے رہو اور اور جس سے منع کردیں اس سے بچے رہو) اور مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ النساء ۸۰ جس نے بھی رسول کی اطاعت کی پس یقیناً اللہ کی اطاعت کی، کے خلاف قرار دیکر غلط کہنا کسی طرح بھی قرین عقل نہیں۔ اگر ان احادیث میں قرآن کے خلاف تجربہ و مشاہدہ میں غلط ثابت ہونے والی باتیں ہوتیں تو ان کو غلط کہنا صحیح ہوتا حالانکہ ان میں کوئی ایسی بات ہی نہیں کہی گئی جس کو غلط ثابت کیا جاسکے۔ موجودہ ذخیرہ کی ہر حدیث بفرض محال صحیح ہو بھی تو مندرجہ بالا احادیث کو غلط کہنا کوئی تک کی بات نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام مخلوقات میں انسان کو سمجھ بوجھ کی بنا پر برتری حاصل ہے اس کی ہر حرکت وسکون کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے، زندگی جو ایک مسلسل کوشش وحرکت کا دوسرا نام ہے، اگر بے مقصد بسر کی جائے تو انسان اور جانور میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا ہے جیسا کہ فیصلہ الٰہی ہے اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ (سورۂ اعراف) آخرت کی ابدی زندگی سے جو غافل ہیں وہی در اصل چوپایہ ہیں بلکہ جانوروں سے بھی زیادہ بے وقوف ہیں۔ اس لئے ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو انسان سمجھتا ہے غور کرے کہ اس کا **مقصد حیات** کیا ہے

دنیا مسافر خانہ ہے زندگی ایک سفر اور انسان مسافر ہے تو منزل سفر کے اختتام پر ہی ہو سکتی ہے چنانچہ اھدنا الصراط المستقیم (چلا ہم کو سیدھا راستہ جس کی منزل مغفرت وجنت ہی) کی دعا کی جاتی ہے۔ دنیا امتحان گاہ ہے زندگی سراپا ایک امتحان اور انسان امتحان دینے والا ہے تو نتیجہ امتحان کے خاتمہ پر ہی نکلے گا۔ کسی ایسی چیز کو مقصدِ زندگی بنانا جو اسی دنیوی زندگی ہی میں حاصل ہو جائے وہ تو اور سب کچھ ہو سکتی ہے مگر مقصدِ زندگی ہرگز نہیں۔ جو انسان مقصد کا تعین کئے بغیر زندگی بسر کر رہا ہے کیا وہ انسان کہلانے کا مستحق ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو غور کیجئے کہ کیا آپ نے اپنے مقصدِ زندگی کا تعین کر لیا ہے۔ حصول مقصد کے لئے کوشش کرنا حتیٰ کہ جان ومال کی بازی لگانا عقل وفطرت کے وہ داعیات ہیں جن سے کوئی بھی محروم نہیں۔ چنانچہ دنیا کے تمام کاروبار اسی اصول پر انجام دیئے جا رہے ہیں۔ سب سے اہم سوال یہ ہے کہ انسان کا **مقصدِ حیات** کیا ہے؟

دنیا میں ہر انسان عقلاً وفطرتاً دکھ، تکلیف، رنج وغم اور موت سے بچنا چاہتا ہے اور آخرت میں اگر انسانی زندگی ہے اور یقیناً ہے تو لازماً وہاں بھی وہی چاہے گا جو وہ دنیا میں چاہتا ہے یعنی سکون وآرام، راحت وشادمانی کی ایک ایسی حیاتِ ابدی جس میں وہ اپنی من مانی زندگی بسر کر سکے اور یہی انسان کا **مقصدِ حیات** ہے، یعنی انسان کا **مقصدِ حیات "مغفرت وجنت"** ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دوزخ سے نجات پانیوالا فرقہ

(اہلِ سنّت وجماعت)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّسَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً قَالُوْا مَنْ هِیَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ ـــــــ (دار قطنی)

"فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور سب ناری ہوں گے، سوائے ایک فرقہ کے۔ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ وہ ایک فرقہ کون ہے؟ "وہ راہ جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں"۔

اس سے قطعی طور پر یہ ثابت ہے کہ دوزخ سے بچنے کے لئے اہل سنت والجماعت بننا لازمی و ضروری ہے۔ "مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ" کا فارسی ترجمہ اہل سنت والجماعت ہے یعنی جس کا عقیدۂ فکر و عمل اللہ کے رسول کی سنت و تعلیمات اور اسوۂ صحابہ کے مطابق ہوگا صرف وہی اہل سنت والجماعت کہلانے کا مستحق ہوگا اس لئے ہر وہ جو اہل سنت والجماعت بننا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوزخ سے بچنے کے لئے اسوۂ صحابہؓ کو معلوم کرے۔

حضرت معاویہؓ سے جو روایت ہے اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں وَهِیَ الْجَمَاعَة اور اسی سلسلہ میں محدثین علیہم الرحمہ نے بھی یہ روایت کی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالَةٍ وَّيَدُ اللّٰهِ عَلَی الْجَمَاعَةِ۔

یقیناً اللہ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا یعنی ایک فرقہ ضرور حق پر رہے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ مذکورہ ارشاد نبوی سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثریت میں عقیدہ و عمل کا وہ بگاڑ پیدا ہو جائیگا جس کا انجام آخرت جہنم ہے اور اللہ و رسول کے ارشاد سے ثابت ہے کہ "شرک و بدعت" یہی وہ بگاڑ ہے جس کا انجام آخرت جہنم ہے۔ ایسے دورِ ضلالت میں اہل حق وہی ہونگے جن کا عقیدہ و عمل حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و تعلیم اور اسوۂ صحابہ کرامؓ کے مطابق ہوگا اور یہ کہ تائیدِ الٰہی ان ہی کو حاصل ہوگی۔

ـــــــ عوام و خواص کو دعوتِ غور و فکر ـــــــ

ماہنامہ "الحق" حیدرآباد

MONTHLY

ALHAQ

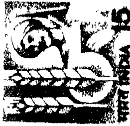
Regd. No. H.H.D. 154

Hyderabad (AP)

23 To
Director Salar Jung
Musium Hyderabad.

مقاصد الحق:

- باطل، غیر فطری افکار، افترائی ادیان کا ابطال اور عالم انسانیت کے لئے ایک ہی دین، دینِ حق "اسلام" (اللہ و رسول کی اطاعت) کا اثبات و تعارف۔
- اُخروی، ابدی زندگی سے غافل، اللہ تعالیٰ سے برگشتہ بندوں کو وابستہ کرنے کی، بے لاگ جد و جہد تاکہ اللہ تعالیٰ کے بندے حیات بعد الموت کی خیر و ابقی زندگی کے طالب و حریص بن کر دنیا میں امن و سلامتی کی زندگی بسر کریں۔
- مسلمانوں کو پوری زندگی میں علماً و عملاً اتباعِ کتاب و سنت اور باطل نظامِ زندگی کے خلاف علمی جہاد کی ترغیب۔



رسالہ الحق کا زرِ تعاون:

یہ کسی فرد کی نہ ذاتی ملکیت ہے اور نہ کسی کا ذریعہ معاش، بلکہ ادارۂ اہلِ سنت و جماعت کا ترجمان ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے مستحق جنت ہونے کی ایک اہم و لازمی شرط "جہاد" مقرر فرمائی ہے جس کو پورا کرنے کی ایک حقیر سی کوشش رسالہ "الحق" کی اشاعت ہے۔

ماھنامہ "الحق" حیدرآباد

مکان نمبر ۱۴-۱-۴۹۷ سیتارام پیٹ
روبرو گیان باغ۔ حیدرآباد ۱۲ (اے، پی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ کِتٰبًا فِیْہِ ذِکْرُکُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑩ الانبیا

تحقیق ہم نے تمہاری طرف کتاب بھیجی ہے اس میں تمہارا ہی ذکر ہے کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔



فطرتِ انسانی کا تذکرہ

مؤسس: مولوی صفوۃ الرحمن صابر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ الانبیاء

تحقیق بیچ اس (قرآن) کے البتہ مطلب کو پہنچا دیتا ہے واسطے قوم عبادت کرنے والی کے

مطلب: جن کو اپنی بشری کمزوریوں، لغزشوں، کوتاہیوں اور محتاجی کا احساس و ادراک رہتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کو ہر وقت آخرت کی ابدی زندگی کی فکر لگی رہتی ہے اور وہ جب اللہ کی کتاب میں مغفرت اور جنت کی نعمتوں سے بھرپور لازوال عیش و عشرت کی من مانی ابدی زندگی کی باتیں پڑھتے اور سنتے ہیں جو عقل و فطرت کی پکار ہے تو ان کا مستحق بننے کی ان میں تڑپ پیدا ہو جاتی ہے چونکہ ان کا مستحق بننے کا واحد طریقہ اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ بتا دیا ہے۔ اس لئے وہ اللہ کے رسول کی پیروی اور فرمانبرداری کرنے میں دنیا کا ہر نقصان و تکلیف بخوشی گوارا کرتے ہیں اگر احیاناً کوئی چوک یا غلطی ہو جاتی ہے تو فوری اعترافِ قصور کر کے معافی و بخشش کی التجا کرنے لگتے ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ الانبیاء

اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو مگر رحمت واسطے قیامت تک کے تمام انسانوں کے لئے۔

مطلب: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بے حد محبت رکھتا ہے چنانچہ اس کی رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ اسی رحمت کے تحت بندوں کو دوزخ سے بچنے کا طریقہ اپنے کتب و رسل کے ذریعہ بتاتا رہا ہے جن میں مستحق رحمت الٰہی بننے کا ایک ہی قانون رہا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول کی پیروی اور فرمانبرداری کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب القرآن کی حفاظت کا وعدہ فرما کر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے۔ اس لئے اے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے ذریعہ جو تعلیم و تربیت انسانوں تک پہنچا دی گئی ہے۔ صرف وہی تعلیم و تربیت قیامت تک پیدا ہونے والے ہر دور کے تمام انسانوں کیلئے مستحق رحمتِ الٰہی بننے کا واحد طریقہ [illegible] آپ کے بعد کسی نبی و رسول کی ضرورت ہی نہیں اسی لئے آپ کی حیثیت "خاتم النبیین" کی ہے چونکہ مستحق رحمتِ الٰہی بننے کا واحد ذریعہ و طریقہ آپکی پیروی و اطاعت ہے اس لئے آپ کا لقب رحمۃ للعالمین ہے جس کی رو سے ہر دعویدار نبوت چاہے وہ ظلی ہو یا بروزی کذاب، دجال، فریبی، و عدو للعالمین ہے۔

جلد (۴۶) شمارہ ۵۰۶ تا ۵۰۸ ماہ ربیع الثانی تا جمادی الثانی ۱۴۰۹ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۸ء تا فروری ۱۹۸۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیان و تفصیل ملکیت صفحہ ۸ پر ملاحظہ کیجئے۔

جناب مرزا طاہر احمد صاحب

السلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

(سلامتی اس کیلئے ہے جو ہدایت کی پیروی کرے۔)

آپ کی طرف سے جاری کردہ مباہلہ والا کتابچہ وصول ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "قرآن" کی سورۃ آل عمران آیت ۶۱ میں مباہلہ کرنے کی جو ہدایت دی ہے وہ عیسائیوں کے مقابلہ میں ہے یعنی مباہلہ صرف ان ہی سے کیا جاسکتا ہے جو کسی نہ کسی درجہ میں عذاب الٰہی سے ڈرنے والے اور حشر و نشر جزا و عذاب، مغفرت و نجات کو ماننے والے ہوں۔ اس لئے ایسے لوگوں سے مباہلہ نہیں کیا جاسکتا جو جان بوجھ کر انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ فریب و جھوٹ کے ذریعہ مسلمانوں کے اتفاق و اتحاد کو ڈائنمٹ کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

قرآن حدیث اور اسوۂ صحابہ کی رو سے ہر مسلمان قرآن کو اللہ کی آخری کتاب (قیامت تک کے پیدا ہونے والے تمام انسانوں کے لئے کتاب ہدایت) اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین اور آخری رسول (قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کے لئے اللہ کی بندگی کا کامل نمونہ) مانتا ہے، جس سے خود بخود ثابت ہے کہ اب کسی قسم کے (ظلی و بروزی) نبی کی قطعاً کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ سرے سے جب کسی نبی و رسول کی ضرورت ہی نہیں تو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر دعویدار نبوت لازماً و قطعاً جھوٹا، فریبی و دجال ہے۔ اور جھوٹے نبی کو ماننے والوں کا بھی جھوٹے، فریبی اور فسادی ہونا ایک بدیہی بات ہے اس لئے ایسوں سے مباہلہ کرنا اپنے ہی مسلمات کے غلط و جھوٹ ہونے پر خود ہی مہر تصدیق ثبت کرنا ہے۔

کتابچہ کے ذریعہ اور اس میں لعنۃ اللہ علی الکٰذبین کی تکرار سے ذہن کو اصل مسئلہ سے ہٹانے اور اپنی سچائی کا تاثر دینے کے لئے آپ نے جو چال چلی ہے وہ شیطان کو بھی مات کردیتی ہے۔ مگر خوب یاد رکھئے کہ سچوں کو جھوٹا کہنے والے خود ہی اللہ کی لعنت میں گرفتار ہوجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی لعنت کا خوف صرف ان ہی کو ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر صحیح معنوں میں

ایمان رکھتے ہیں۔

آپ کے پیر و مرشد بانی جماعت احمدیہ مرزا غلام احمد صاحب کا برسرِ باطل، کذاب و دجال ہونا خود انکی اپنی دعا و طلب کے مطابق ثابت ہو چکا ہے جو ایک تاریخی حقیقت بن چکی ہے ...... (جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔) اس کے باوجود آپ کا چیلنج مباہلہ دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی کے جھوٹے ہونے کے کھلے و ٹھوس ثبوت موجود ہونے کے باوجود اس کا اپنی سچائی کے ثبوت میں مباہلہ کا چیلنج دینا ہے۔

آپ کے پیر و مرشد غلام احمد صاحب نے ۲۵ / اپریل ۱۹۰۷ء کو حسبِ ذیل "اشتہار" جناب ثناء اللہ صاحب امرتسری کو بھیجتے ہوئے اس کی اشاعت کے لئے بھی کہا تھا:

اشتہار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

یَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب ــ السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

مدت سے آپ کے پرچہ "اہل حدیث" میں میری تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمیشہ مجھے آپ اپنے اس پرچہ میں مردود، کذاب، دجال، مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور کذاب اور دجال ہے اور اس شخص کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا سراسر افتری ہے۔ میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا۔ مگر چونکہ میں حق کے پھیلانے کے لئے مامور ہوں اور آپ بہت سے افترا میرے پر کر کے دنیا کو میری طرف آنے سے روکتے ہیں۔ اور مجھے ان گالیوں اور ان تہمتوں اور ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں جن سے بڑھ کر کوئی لفظ سخت نہیں ہو سکتا۔ اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی ہی میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی

بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمن کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے تاکہ خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے۔ اور اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں۔ اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں، بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی ہی میں وارد نہ ہوئی تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیشگوئی نہیں۔ بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے۔ اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک، بصیر و قدیر، جو علیم و خبیر ہے، جو میرے دل کی حالت سے واقف ہے۔ اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں، اور دن رات افترا کرنا میرا کام ہے، تو اے میرے پیارے مالک! میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر۔ اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے۔ مگر اے میرے کامل اور صادق خدا: اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ان کو نابود کر مگر نہ انسانی ہاتھوں سے، بلکہ طاعون و ہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ ــ بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے کھلے طور پر میرے روبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے۔ جن کو وہ فرض منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھے دکھ دیتا ہے، آمین یا رب العالمین ــــ میں ان کے ہاتھ سے بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا۔ مگر اب دیکھتا ہوں کہ ان کی بدزبانی حد سے گذر گئی۔ وہ مجھے ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں۔ جن کا وجود دنیا کے لئے سخت نقصان رساں ہوتا ہے اور انھوں نے ان تہمتوں اور بدزبانیوں میں آیت لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ پر بھی عمل نہیں کیا اور تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا اور دور دور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا ہے کہ یہ شخص

درحقیقت مفسد اور ٹھگ اور دکاندار اور کذّاب اور مفتری اور نہایت درجہ کا بد آدمی ہے۔ سو اگر ایسے کلمات حق کے طالبوں پر بد اثر نہ ڈالتے تو میں ان تہمتوں پر صبر کرتا۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ ان ہی تہمتوں کے ذریعہ سے میرے سلسلہ کو نابود کرنا چاہتا ہے اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے اے میرے آقا اور میرے بھیجنے والے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ اس لئے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما۔ اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذّاب ہے اُس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اُٹھا لے یا کسی اور سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر۔ اے میرے پیارے مالک تو ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین ۔۔۔

ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین۔ آمین۔

بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ اس تمام مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں۔ اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں ۔۔۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

الراقم: عبداللہ الصمد مرزا غلام احمد مسیح موعود عافاہ اللہ واید

مرقومہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء یکم ربیع الاول ۱۳۲۵ھ "

آپ کے پیر و مُرشد کی کذب بیانی و غلا بازی ملاحظہ ہو۔ چنانچہ صریح الفاظ (خط کشیدہ) میں اس اشتہار کو محض اپنی طرف سے دُعا قرار دیا ہے لیکن دس دن بعد ہی یعنی ۲۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو قادیانی اخبار "بدر" میں یہ بیان دیا کہ "یہ اشتہاری دُعا ان کی طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔"

خود اشتہار سے ثابت ہے کہ آپ کے پیر و مرشد کی اشتہاری دُعا مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے مقابلہ میں "ایک تحریری یک طرفہ مُباہلہ" تھا۔ جس کے نتیجہ میں اس اشتہار کی اشاعت کے تیرہ مہینے بارہ دن بعد ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا صاحب اپنے ہی نامزد کردہ (درج اشتہار) ایک بیماری ہیضہ (اسہال) سے انتقال کر گئے۔ جس کی تفصیل خود اُن کی بیوی نے بیان کی ہے۔ جس کو اُن کے صاحبزادے نے روایت کیا ہے۔۔۔ (سیرۃ المہدی ص ۱۰۹، ملاحظہ فرمائیے:

"پہلے ایک پاخانہ آیا اور اتنے میں آپ کو ایک اور دست آیا مگر اب اس قدر ضعف تھا کہ آپ پاخانہ نہ جا سکتے تھے اس لئے چارپائی کے پاس ہی بیٹھ کر فارغ ہو گئے، پھر اٹھ کر لیٹ گئے اور میں پاؤں دباتی رہی مگر ضعف بہت ہو گیا اور اس کے بعد ایک اور دست آیا پھر آپ کو ایک اور قئے آئی جب آپ قئے سے فارغ ہو کر لیٹنے لگے تو اتنا ضعف تھا کہ آپ پشت کے بل چارپائی پر گر پڑے اور آپ کا سر چارپائی کی لکڑی سے ٹکرایا اور حالت دیگرگوں ہو گئی ــــــــ"

اس کے علاوہ قادیانی اخبار "الحکم" ۲۸ مئی ۱۹۰۸ء کے ضمیمہ میں جو تفصیل شائع ہوئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

"۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کی شام کو مرزا صاحب پر ان کی قدیم بیماری اسہال کا دورہ ہوا، گیارہ بجے رات میں ایک زوردار دست آنے پر از حد کمزوری آگئی، دو اور تین بجے کے درمیان ایک اور زبردست دست آنے پر نبض بالکل بند ہو گئی۔ طبیبوں اور ڈاکٹروں نے حالت معمول پر لانے کی سر توڑ کوشش کی لیکن مرزا صاحب مسلسل گیارہ گھنٹے تک موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہ کر ۲۶ مئی کو سوا دس بجے فوت ہو گئے۔"

لیکن ثناء اللہ صاحب امرتسری مرزا صاحب کے انتقال کے بعد ۴۰ برس تک زندہ رہے۔ اسطرح مرزا صاحب کا خود ان کی دعا طلب، کے مطابق بر سر باطل، کذاب و دجال ہونا ایک ایسا حقیقت واقعہ بن چکا ہے، جس کا انکار ممکن نہیں۔ جب پیر و مرشد ہی بر سر باطل کذاب و دجال تھے تو پھر ان کے متبعین کیسے برحق ہو سکتے ہیں۔ آپ کے مباہلہ کو قابل اعتنا سمجھنا "آزمودہ را آزمودن جہل است" ہی نہیں بلکہ گمراہی ہے ــــ آپ کا چیلنج مباہلہ ــــ "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" کے مترادف ہے۔

آپ مرزا صاحب کے اگر واقعی جانشین ہیں تو اپنے پیر و مرشد کی سنت کی پیروی کیجئے، یعنی مرزا صاحب اور جماعت احمدیہ کے خلاف کتابیں لکھنے والوں کا نام لے لے کر مرزا صاحب کی جیسی دعائیں شائع کیجئے اور نتیجہ کا انتظار کیجئے۔

مرزا صاحب کو دجال و کذاب جو کہا گیا ہے وہ کوئی ہوائی باتیں نہیں ہیں، بلکہ خود ان کی اپنی تحریرات کو پیش کر کے ہی ان کے دجل و کذب کو ثابت کیا گیا ہے۔

اس لیے آپ کے لیے صحیح طریقہ کار تو یہ ہے کہ جن تحریرات کی بنا پر مرزا صاحب کو کذاب و دجال و مفتری قرار دیا گیا ہے۔ ان کا مرزا صاحب کی تحریرات نہ ہونا ثابت کریں یا آپ مسلمانوں کے خلاف عدالتوں میں ازالہ حیثیت عرفی کے دعوے دائر کریں۔

قلوب میں وسوسہ پیدا کرنے کے بعد انی اخاف اللہ رب العلمین کہنا شیطان ہی کا کام ہے۔ بالکل اسی طرح آپ کا یہ مباہلہ کا چیلنج بھی ہے۔

قیامت تک قرآن کی حفاظت کا جب وعدہ الٰہی موجود ہے تو جماعت احمدیہ پر حزب الشیطان ہی کا اطلاق ہوتا ہے، کیونکہ امت محمدیہ میں پھوٹ ڈالنا شیطان ہی کی کارستانی ہے۔

بہرحال و بہر کیف موت یقینی و اٹل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے مطابق حق و باطل کا فیصلہ فرمادے گا۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلنا والیہ انبنا والیہ المصیر۔

بیان تفصیل ملکیت رسالہ "الحق"

(۱) مقام اشاعت: سیتارام پیٹھ روبرو گیان باغ مکان نمبر ۴۹۷-۱-۱۴ حیدرآباد ۱۲

(۲) وقفہ برائے اشاعت: ماہانہ

(۳) نام طابع: میر مشتاق علی صاحب

(۴) قومیت: ہندوستانی

(۵) پتہ: نیشنل فائن پرنٹنگ پریس چارکمان حیدرآباد

(۶) نام ناشر: سید عبدالجلیل

(۷) قومیت: ہندوستانی

(۸) پتہ: سیتارام پیٹھ روبرو گیان باغ مکان نمبر ۴۹۷-۱-۱۴ حیدرآباد ۱۲ (اے۔پی)

(۹) ایڈیٹر: سید عبدالجلیل (۱۰) قومیت: ہندوستانی (۱۱) پتہ: سیتارام پیٹھ ۴۹۷-۱-۱۴ حیدرآباد ۱۲

(۱۲) ان افراد کے نام جو رسالہ کے مالک اور شرکاء ہیں۔ مجلس شوریٰ و مجلس انتظامی

(۱۳) پتہ: مکان نمبر ۴۹۷-۱-۱۴ سیتارام پیٹھ روبرو گیان باغ حیدرآباد ۱۲ (اے۔پی)

میں سید عبدالجلیل ذریعہ ہذا اقرار کرتا ہوں کہ میرے یقین کی حد تک مندرجہ بالا تفصیلات صحیح ہیں، تحت دفعہ ۸ رجسٹریشن آف نیوز پیپرز رول سنٹرل ۱۹۵۶ء ——— سید عبدالجلیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ماخوذ از کتاب "عمر عائشہؓ" مولفہ حافظ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی)

حضرت خدیجہؓ کی عمر —— (ماخوذ)

امّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے بارہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ نبی کریمؐ سے نکاح ہوا تو ان کی عمر ۴۰ سال تھی یہ ایک تاریخی روایت تھی جس کا حقیقت پر مبنی ہونا کوئی ضروری نہ تھا لیکن اس کا پروپیگنڈہ اس حد تک کیا گیا کہ اس نے ایک مذہبی حیثیت اختیار کرلی۔ حتیٰ کہ اس واقعہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ نبی کریمؐ نے اپنا دورِ شباب ایک بوڑھی عورت کے ساتھ گزار دیا اور اس بڑھاپے میں ان سے نبی کریمؐ کی چار صاحبزادیاں زینبؓ، رقیہؓ، امّ کلثومؓ، فاطمہؓ اور تین صاحبزادے قاسم، طیب اور طاہر پیدا ہوئے اور بقول چار صاحبزادے پیدا ہوئے جن میں ایک صاحبزادے کا نام عبداللہ تھا۔ اور بعض حضرات کا قول ہے کہ عبداللہ ہی کو طیب اور طاہر کہا جاتا ہے۔

حضرت خدیجہؓ کے دو نکاح پہلے ہوچکے تھے۔ ایک ابوہالہ ہند بن نباش بن زرارہ تمیمی سے ہوا ان سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے۔ لڑکے کا نام ہند تھا اور لڑکی کا نام ہالہ تھا۔ ابوہالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن عائذ مخزومی کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام بھی ہند تھا۔ اسی باعث حضرت خدیجہؓ کی کنیت امّ ہند تھی۔ حضرت خدیجہؓ کے لڑکے ہند نے اسلام قبول کیا تھا ان سے حضور (نبی کریمؐ) کا حلیہ مبارک شمائل ترمذی میں مروی ہے۔ —— [سیرۃ النبی، جلد ۲، صفحہ ۴۰۲]

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے یہاں جوانی میں چار اولادیں ہوئیں لیکن بڑھاپے میں ۷ یا ۸ بچے پیدا ہوئے جو قطعاً خلاف عقل ہے اس لئے کہ از روئے حکمت عموماً ۴۵ سال کے بعد عورت بچے جننے کے قابل نہیں رہتی۔ چہ جائے کہ ۴۰ سال کی عمر کے بعد ۷ یا ۸ بچے پیدا ہونا مستشرقین اور اسلام دشمنوں کا تمام زور اس پر ہوتا ہے کہ یہ صورت حال خلافِ عقل ہے اور وہ اس واقعہ کو پیش کرکے اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں اور ہمارے علماء اسے ایک اچھا خاصہ معجزہ تصور کرتے ہیں بلکہ اسے نبی کریمؐ کے فضائل میں شمار کرتے ہیں کہ آپؐ نے ایک بوڑھی عورت سے جوانی میں شادی فرمائی۔

دوسری جانب سبائی اس صورت حال کو پیش کرکے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ چونکہ بڑھاپے میں اتنی اولاد ہونا ممکن نہیں لہذا (زینبؓ، رقیہؓ اور ام کلثومؓ) آپ کی صاحبزادیاں نہیں۔ آپ کے صرف دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئی۔

ساتھ ساتھ وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کی عمر شادی کے وقت ۴۰ سال تھی، اگرچہ وہ عمروں کا کھیل کھیلنے میں ماہر ہیں لیکن غلطی سے یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ نبوت کے پانچ ۵ سال بعد پیدا ہوئیں۔ گویا جب حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئیں تو حضرت خدیجہؓ کی عمر ساٹھ ۶۰ سال ہوئی اس لحاظ سے اگر حضرت زینبؓ اور حضرت رقیہؓ اور ام کلثومؓ کا حضرت خدیجہؓ کی اولاد ہونا ممکن نہیں تو حضرت فاطمہؓ کا ان کی اولاد ہونا قطعاً محال ہوا۔ انہیں اولاً یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ ساٹھ ۶۰ سال کی عمر میں اولاد ہو بھی سکتی ہے یا نہیں۔ اور جب اس کا ثبوت ہم پہنچا دیں تو پھر یہ ثابت کریں کہ فاطمہؓ حضرت خدیجہؓ کی اولاد ہیں، ملت سبائیہ جب یہ دونوں امور ثابت کردیں گی تو ہم یہ ثابت کر دیں گے کہ یہ چاروں صاحبزادیاں نبی کریمؐ کی حضرت خدیجہؓ سے پیدا ہوئی ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی عمر میں اختلاف ہے۔ اور اس معاملہ میں مورخین کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ چالیس ۴۰ سال کی عمر تھی۔ ایک قول ۳۵ سال کا۔ ایک قول ۳۰ سال کا۔ ایک قول ۲۷ سال کا اور ایک قول یہ ہے کہ صرف ۲۵ سال عمر تھی۔ سبائی مورخین نے یہ کارنامہ انجام دیا کہ صرف چالیس ۴۰ سال کا قول نقل کیا اور بقایا اقوال نقل نہیں کئے اور چالیس ۴۰ سال کی عمر کے قول کو اتنی شہرت دی کہ دیگر اقوال کالعدم ہوگئے۔ حتیٰ ایں کہ ہمارے علماء اور بعد کے تمام مورخین اس قول کو قطعی تصور کر بیٹھے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

ونقل البیھقی عن الحاکم انه کان عمر رسول الله صلی الله علیه وسلم حین تزوج خدیجة خمسا و عشرین سنة وکان عمرھا اذذاك خمسا وثلاثین وقیل خمسا وعشرین سنة	بیہقی نے حاکم سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہؓ سے نکاح فرمایا تو آپ کی عمر ۲۵ سال تھی۔ اور حضرت خدیجہؓ کی عمر ۳۵ سال تھی اور ایک قول یہ ہے کہ ۲۵ سال تھی

(البدایہ والنہایہ ـ جلد: ۲۔ صفحہ: ۲۹۵)

یعنی بیہقی حاکم کا قول یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی عمر اس وقت ۳۵ سال تھی۔ ساتھ ساتھ یہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ ۲۵ سال عمر تھی۔

دوسرے مقام پر حافظ ابن کثیر حضرت خدیجہؓ کی وفات کے وقت کُل عمر بیان کرتے ہوئے

ہوئے لکھتے ہیں :

وبلغت خدیجة خمسا و ستين و يقال خمسين و هو اصح — حضرت خدیجہؓ کی عمر پینسٹھ ۶۵ سال ہوئی۔ ایک قول ہے کہ پچاس ۵۰ سال ہوئی اور یہی صحیح ہے۔

(البدایة والنهایة جلد ۲ صفحہ ۲۹۴)

اس پر تمام محدثین و مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت خدیجہؓ نبی کریمؐ کے نکاح میں ۲۵ سال رہیں اور نبوت کے دسویں سال ان کا انتقال ہوا۔ حافظ ابن کثیر نے یہ کہہ کر کہ صحیح یہ ہے کہ ان کی عمر پچاس سال ہوئی۔ یہ ثابت کر دیا کہ نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر صرف ۲۵ سال تھی اور حافظ ابن کثیر نے ایک لفظ میں یہ بھی ثابت کر دیا کہ بقیہ اقوال غلط ہیں اتنی صریح وضاحت کے باوجود ہم صرف ایک سنی سنائی گپ پر (روایت کو درایت کی روشنی میں جانچے بغیر محض راوی پر بھروسہ کرکے) ایمان لاتے رہے اور اتفاق سے اس مرض لا علاج میں ہم خود بھی مبتلا تھے۔ لیکن جب حافظ ابن کثیر کی "البدایة والنهایة" کا مطالعہ کیا تو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

(اللہ تعالیٰ معاف فرمائے کہ ہم کتنی بڑی غلط فہمی کا شکار تھے اللہ تعالیٰ ہم سب کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے ——— آمین یارب العالمین۔

آخری اطلاع

قارئین رسالہ "الحق" کی ترسیل کو اگر جاری رکھنا چاہتے ہوں تو بذریعہ پوسٹ کارڈ مطلع فرمائیں۔

بصورتِ دیگر رسالہ کی ترسیل مسدود کردی جائے گی۔

"مدیر"

آخری التماس

(۱) "الحق" میں کوئی بات اگر غلط لکھی گئی ہے تو اس کی نشاندہی فرمائی جائے تاکہ ہماری اصلاح ہو اور آپ کو اجر ملے۔

(۲) رسالہ "الحق" دوسروں کو بھی بغرض مطالعہ دیا کیجئے یہ بھی دین کی خدمت ہی ہوگی ———

مدیر "الحق"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بوقتِ نکاح حضرت عائشہؓ کی عمر

پیدائش حضرت عائشہؓ: حضرت ابوبکر صدیقؓ زمانۂ جاہلیت میں قتیلہ سے نکاح کیا جن کے بطن سے ایک لڑکا عبداللہؓ اور ایک لڑکی اسماءؓ پیدا ہوئے اور اسی زمانہ جاہلیت میں حضرت ابوبکرؓ نے امّ رومان بنت عامرؓ سے دوسرا نکاح کیا ان کے بطن سے بھی ایک لڑکا عبدالرحمٰنؓ اور ایک لڑکی حضرت عائشہؓ پیدا ہوئے۔ آپ کی یہ سب اولاد زمانۂ جاہلیت ہی میں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے سے پہلے پیدا ہو چکی تھیں۔ (تاریخ طبری اردو صفحہ ۲۷۱ جلد ۲)

حضرت عائشہؓ خود فرماتی ہیں کہ

"میں نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے والدین کو دینِ حق کے موافق عبادت کرتے ہوئے پایا۔ اور کوئی دن ایسا نہ گذرتا تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صبح اور شام ہمارے گھر تشریف نہ لاتے ہوں۔" (صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۶۷ ... ۶۸)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

"سورۃ القمر کی آیت بلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ (۴۶) (بلکہ قیامت ہے وعدہ گاہ ان کا اور قیامت بہت سخت ہے اور بہت کڑوی ہے) مکہ میں اس وقت نازل ہوئی جبکہ میں۔ وَإِنِّي لَجَارِيَةٌ أَلْعَبُ۔ (اور میں اس وقت ایک لڑکی تھی اور کھیلتی پھرتی تھی۔) (تفسیر سورۃ القمر۔ بخاری)

سورۃ القمر کا نزول نبوت کے چوتھے سال مکہ ہی میں ہونا مسلمہ ہے جس سے آپ کی پیدائش زمانۂ جاہلیت میں ہونے کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ ملحوظ رہے کہ آیت اور شانِ نزول کو یاد رکھنا ایک کمسن لڑکی سے ہرگز متوقع نہیں ہو سکتا۔ اس لئے آپ کی عمر اس وقت ۸ یا ۹ سال ہونا ہی صحیح و درست معلوم ہوتا ہے۔

روایت اور تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت عائشہؓ ابتداً جبیر بن معطم سے منسوب تھیں جو آپ کے والدین کے ایمان لانے سے ٹوٹ گئی۔ واضح رہے کہ عربوں میں بچپن کی شادی کا رواج نہ تھا چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی بڑی لڑکی حضرت اسماءؓ کا نکاح ۲۶ سال کی عمر میں کرتے ہیں اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہیکہ حضرت عائشہؓ جبیر بن معطم سے

کس عمر میں منسوب کی گئی تھیں۔

—— علامہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ

"حضرت اسماءؓ کی وفات ۷۳ھ میں ہوئی اور بوقت وفات آپ سو سال سے زیادہ عمر کی تھیں وھی اکبر من اختھا عائشۃ بعشر سنین۔ اور وہ اپنی چھوٹی بہن (حضرت) عائشہ سے دس برس بڑی تھیں،، (البدایہ والنہایہ صفحہ ۳۴۶ جلد ۸)

—— مشکوٰۃ المصابیح کے مولف شیخ ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیبؒ لکھتے ہیں کہ

"حضرت اسماءؓ بنت ابوبکر صدیقؓ حضرت عائشہؓ سے دس برس بڑی تھیں اور وہ اپنے لڑکے عبد اللہ بن زبیرؓ کے قتل کے دس یا بیس دن کے بعد ان کا انتقال ہوا اس وقت ان کی عمر سو سال تھی اور یہ ۷۳ھ کا واقعہ ہے" (اکمال فی اسماء الرجال مع مشکوٰۃ صفحہ ۷۸۱)

حضرت اسماءؓ کا سو سال سے زیادہ عمر ۷۳ھ میں وفات پانا متفقہ امر ہے اس لحاظ سے آپ کی عمر سو سال میں سے سنہ ہجری کے ۷۳ سال منہا کر دیے جائیں تو حضرت اسماءؓ کی عمر ہجرت نبوی کے وقت ۲۷ سال قرار پاتی ہے اور اس وقت آپ کی چھوٹی بہن حضرت عائشہؓ کی عمر (اپنی بڑی بہن حضرت اسماءؓ سے دس سال چھوٹی ہونے کی بنا پر) ۱۷ سال ہونا ثابت ہوتا ہے۔ آپ کی اس عمر یعنی ۱۷ سال میں سے مکی دور یعنی بعثت نبوی کے ۱۳ سال نکال دیئے جائیں تو بعثت نبوی کے وقت آپ کی عمر ۴ سال اور سورہ القمر کے نزول کے وقت (نبوت کے چوتھے سال) ۸ سال سے زیادہ قرار پاتی ہے۔

روایات سے ثابت ہے کہ ۱۴ سال سے کم عمر لڑکوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں شریک نہیں فرماتے تھے (صحیح بخاری کتاب المغازی صفحہ ۵۹۷) جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۴ سال سے زیادہ عمر والی لڑکیاں ہی جنگ میں شریک ہو سکتی تھیں۔ لیکن جنگ بدر کے وقت روایات کی رو سے حضرت عائشہؓ کی عمر زیادہ سے زیادہ گیارہ سال قرار پاتی ہے۔ یعنی رخصتی کے وقت کی عمر ۹ سال میں ہجرت کے ۲ سال جمع کرنے سے گیارہ سال ہوتے ہیں۔

الف

۱ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریمؐ نے مجھ سے جب نکاح کیا میں ۶ سال کی تھی اور جب مجھ سے خلوت کی میری عمر ۹ سال تھی ہشام کہتے ہیں مجھ سے کسی نے بیان کیا کہ عائشہؓ ۹ برس آنحضرتؐ کے نکاح میں رہیں۔ (بخاری جلد سوم کتاب النکاح حدیث ۱۲۳ مترجم مرزا حیرت دہلوی) (یعنی نبی کریمؐ کی وفات کے وقت حضرت عائشہؓ ۱۸ سال کی تھیں۔)

ب عروہ روایت کرتے ہیں جب حضرتؐ نے عائشہؓ سے نکاح کیا ان کی ۶ برس کی عمر تھی۔ اور ۹ برس کی عمر میں خلوت کی اور (کل) نو برس آپکے نکاح میں تھیں —— (ایضاً حدیث نمبر ۱۴۵)

ج ترجمہ: (جناب عائشہؓ ارشاد فرماتی ہیں کہ نکاح کیا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور میں چھ برس کی تھی اور زفاف کیا

حاشیہ بقیہ صفحہ ۱۴ پر

اگر آپ واقعی ۱۱ سال کی تھیں تو نبی کریمؐ آپ کو کیسے شریکِ جنگ فرماتے۔ کیونکہ اپنے ہی مقرر کردہ اصول کے خلاف عمل کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حمیدہ سے بعید ہے۔ حضرت عائشہؓ کا جنگِ بدر میں شریک ہونا نہ صرف تاریخ سے بلکہ روایات سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ جنگِ بدر میں آپ ہی کی اوڑھنی سے علم بنایا گیا اور دیگر ازواجِ مطہرات کے مقابلہ میں آپ کو زیادہ وظیفہ اسی لئے مقرر کیا گیا کہ آپ جنگِ بدر میں شریک تھیں اس لئے ماننا پڑے گا کہ اس وقت آپ کی عمر ۱۴ سال سے کئی سال زیادہ تھی۔

جنگِ بدر ۲ھ میں ہوئی ہے اس جنگ کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ھجرت کی عمر کے وقت کی عمر ۱۷ سال میں ھجرت کے دو سال جمع کر دیئے جائیں تو ۱۹ سال سے زیادہ قرار پاتی ہے۔

روایات میں ہے کہ حضرت اسامہ بن زید بن حارثؓ کے بچپن میں ان کا منہ پونچھنے اور دھونے کی نبی کریمؐ، حضرت عائشہؓ کو ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ ملحوظ رہے کہ یہی وہ حضرت اُسامہؓ ہیں جن کی سرکردگی میں نبی کریمؐ نے مقام موتہ کی مہم کے لئے لشکر روانہ کرنے کا اہتمام فرمایا تھا۔ لیکن آپؐ کی علالت کی بناء پر اس لشکر کی روانگی ملتوی کر دی گئی لیکن آپؐ کے وصال کے بعد خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سب سے پہلے اس لشکر کو مقررہ مہم سر کرنے کے لئے روانہ فرمایا ــــ روایات میں ہے کہ نبی کریمؐ کی وفات کے وقت حضرت اسامہؓ کی عمر ۱۹ یا ۲۰ سال کی ہونا سب کا مسلّمہ ہے۔ لیکن غور کیجئے کہ حضرت اُسامہؓ کا منہ پونچھنے اور دھونے والی شخصیت یعنی حضرت عائشہؓ کا نبی کریمؐ کی وفات کے وقت ۱۸ سال کا ہونا روایات میں بیان ہے (نوٹ ۵ ملاحظہ ہو)۔ روایت پرستی کا برا ہو کہ جس نے عقل کو ماؤف کر کے ایسی صریح متضاد باتوں کو مشہور کروایا ہے۔

نبی کریمؐ کی تاریخِ وفات عام طور پر ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ روز دوشنبہ بیان ہوئی ہے اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ھجرت کے وقت کی عمر ۱۷ سال میں ھجرت کے بعد کے ۱۱ سال جمع کر لئے جائیں تو ۲۸ سال یا کم از کم ۲۷ سال سے زیادہ ثابت ہوتی ہے یا جنگِ بدر کے وقت کی عمر ۱۹ سال میں ہجرت کے باقی ۹ سال جمع کر لئے جائیں تو ہر دو صورتوں میں حضرت عائشہؓ کی عمر ۲۸ سال سے زیادہ ثابت ہوتی ہے۔ لیکن روایات میں نبی کریمؐ کی وفات کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۸ سال بیان ہوئی ہے جو صریحاً جھوٹ ہے۔

مجھ سے اور میں ۹ برس کی تھی۔ (صحیح مسلم مترجم مع شرح نووی جلد چہارم کتاب النکاح)

۴ ترجمہ: جناب حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھ سے عقد کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب میں چھ برس کی تھی اور مجھ سے ہمبستر ہوئے جب میں ۹ برس کی تھی۔ (ایضاً)

۵ ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ عقد کیا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ۷ (سات) برس کی تھی اور ہمبستر ہوئے جب میں ۹ برس کی تھی اور گڑیاں ان کے ساتھ تھیں اور نبی کریمؐ کی وفات ہوئی جبکہ وہ ۱۸ برس کی تھیں۔ (ایضاً)

وفات حضرت عائشہ رضؓ: حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کے زمانہ میں بتاریخ ۱۷ رمضان ۵۸ھ میں حضرت عائشہؓ کی وفات ہوئی ہے لیکن بعض نے ۵۶ھ اور بعض نے ۵۷ھ کو آپ کا سنہ وفات قرار دیا ہے۔ بہرحال آپ کی سنہ وفات ۵۸ھ یا ۵۷ھ یا ۵۶ھ میں ہجرت کے وقت آپ کی عمر یعنی ۱۷ سال جمع کرلئے جائیں تو زیادہ سے زیادہ ۷۵ اور کم سے کم ۷۳ سال کی عمر میں آپ کا وفات ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن آپ کی عمر بوقت وفات ۶۶ سال بیان ہوئی ہے جو غلط ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں وہ تمام روایات وتاریخ جن میں ۵ سال یا ۶ سال یا ۷ سال کی عمر میں نبی کریمؐ سے آپ کا نکاح ہونا اور ۹ یا ۱۰ کی عمر میں آپ کی رخصتی ہونا اور بوقت وفات نبی کریمؐ آپ کی عمر ۱۸ یا ۲۰ سال ہونا بیان ہوا ہے جھوٹ ثابت ہوتی ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہیکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شخصیتوں کو بدنام کرنے کی کیسی سر توڑ کوشش کی گئی ہے —

تفصیل کے لئے کتاب "عمر عائشہؓ" از حافظ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی، شائع کردہ انجمن اسوۂ حسنہ پاکستان ملاحظہ کی جاسکتی ہے ——— ○

انتباہ

اپنے آپ کو اہل سنت وجماعت (سنی) سمجھنے والوں کی غالب اکثریت اپنے عقائد واعمال کے لحاظ سے سنت رسولؐ اور اسوۂ صحابہؓ سے بہت دور ہوگئی ہے اور حسب ذیل فرقے تو حق سے بہت دور تھے اور ہیں۔ (۱) جبری (۲) قدری (۳) خارجی (۴) مہدوی (۵) شیعہ (۶) اہل قرآن (۷) قادیانی، صدیق دیندار یا اسی قبیل کے دوسرے فرقے تو اسلام ہی سے خارج ہیں۔

جو مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ دین اسلام اور دیگر مذاہب برابر ہیں، اسلام کے سوا کسی اور مذہب میں بھی نجات ہے تو وہ اللہ کے پاس اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اللہ کے پاس قابل قبول دین صرف اسلام (فرمانبرداری) ہے۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۔ آل عمران آیت ۱۹ ۔ (یقیناً اللہ تعالیٰ کے پاس دین صرف اسلام (اطاعت وفرمانبرداری) ہی ہے۔ اسلئے اطاعت وفرمانبرداری کے سوا جو بھی دین اختیار کریگا اس کیلئے نقصان آخرت یقینی ہے۔ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ آل عمران (اور جو کوئی اسلام (فرمانبرداری) کے سوا کوئی اور دین کو اختیار کرے گا تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا —)

MONTHLY

Regd. No. H. HD. 154

ALHAQ

Hyderabad (A.P)

ماہنامہ "الحق" حیدرآباد

مقاصدِ الحق:

○ باطل غیر فطری افکار، افتراقی ادیان کا ابطال اور عالم انسانیت کیلئے ایک الٰہی دین 'دینِ حق' اسلام (اللہ و رسول کی اطاعت) کا اثبات و تعارف۔

○ اُخروی، ابدی زندگی سے غافل، اللہ تعالیٰ سے برگشتہ بندوں کو وابستہ کرنے کی بے لاگ جدوجہد تاکہ اللہ تعالیٰ کے بندے حیات بعد الموت خیر و ابقیٰ زندگی کے طالب و حریص بن کر دنیا میں امن و سلامتی کی زندگی بسر کریں۔

○ مسلمانوں کی پوری زندگی میں علماً و عملاً اتباعِ کتاب و سنّت اور باطل نظامِ زندگی کے خلاف علمی جہاد کی ترغیب۔

رسالۂ "الحق" کا زرِ تعاون:

یہ کسی فرد کی نہ ذاتی ملکیت ہے اور نہ کسی کا ذریعہ معاش، بلکہ ادارۂ اہلِ سنّت و جماعت کا ترجمان ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مستحقِ جنّت ہونے کی ایک اہم و لازمی شرط جہاد مقرر فرمائی ہے جس کو پیدا کرنے کی ایک حقیر سی کوشش رسالۂ 'الحق' کی اشاعت ہے۔

ماہنامہ "الحق" حیدرآباد

مکان نمبر: ۱۴-۱-۴۹۷ سیتارام پیٹ
روبرو گیان باغ۔ حیدرآباد-۱۲ (اے پی)



ملاحظہ ہو

قرآن، سنت، روشِ صحابہؓ اور
عقلی و فطری دلائل کس طرح باطل عقائد
پر کاری ضرب لگاتے ہیں، جن سے باطل
کا دماغ پاش پاش ہو جاتا ہے!!

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

مسلمانوں کی مشکلات کا واحد حل

حضرت معلم کتاب وحکمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-
وَمَنْ مَّاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَّاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً ○
(رواہ مسلم)

جو کوئی اس حالت میں مرے گا کہ اسکی گردن میں کسی امیر سے بیعت کی رسی نہ ہوگی وہ جاہلیت کی موت مرے گا (ایسی اُمّت کو تائیدِ الٰہی حاصل نہ ہوگی) یعنے دین ودنیا میں اس کو فلاح نصیب نہ ہوگی اس کی زندگی جاہلوں کی سی ہوگی۔

اقبال مرحوم نے شائد اس شعر میں اسی ارشاد نبوی کی تشریح کی ہے

ز کارِ بے نظام او چہ می گویم
تو می دانی کہ امت بے امام است

یعنی اُمّت کے تمام کام اسی لئے ابتر ہیں کہ اس کا کوئی ایسا امام برحق نہیں ہے جو اسکے عقائد واعمال کی اصلاح کتاب وسنت کی روشنی میں کرے جس سے اُمّت میں دنیا پرستی کی بجائے فکرِ آخرت پیدا ہو۔ پس اُمّت کا اولیں فریضہ ہے کہ وہ ایک امام برحق کا انتخاب کرکے اسی ایک مرکزِ ہدایت سے وابستہ ہو جائے۔ تاکہ جہالت کے انجام بد سے دنیا و آخرت میں محفوظ رہ سکے۔ یہی اُمّت کی مشکلات کا واحد حل ہے

نماز پنجگانہ کی طرح ایک امیر کے تحت زندگی بسر کرنا بھی ضروری ولازمی ہے بغیر امیر کے زندگی بسر کرنا دین کا وہ خلاء ہے جسکی تلافی کوئی نیکی نہیں کرسکتی۔

الحق

مدیر:- سید عبد الجلیل

جلد (۴) رجب سنہ ۱۴۰۱ھ م جون سنہ ۱۹۸۱ء شمارہ (۲۰۷)

اسوۂ حسنہ :- حضرت مولانا صفوۃ الرحمٰن صابر ۱ تا ۱۶

مطالبِ قرآن :- 〃 〃 〃 ۱۷ تا ۲۳

پاکستانی حضرات مندرجہ ذیل پتہ پر مراسلت کریں

۱- جناب انور حسن صاحب نعمانی مکان نمبر 4 33/17 انکولی سوسائٹی فیڈرل بی ایریا کراچی پاکستان

۲- احسن لائبریری A220 BLOCK North Nazimabad - کراچی پاکستان

مالک :- امۃ الرحمٰن صابر

ایڈیٹر پرنٹر پبلشر - سید عبد الجلیل نے نیشنل فائن پرنٹنگ پریس چارکمان حیدرآباد میں طبع کرا کر سیتارام پیٹھ حیدرآباد سے شائع کیا

اسوۂ حسنہ (بسلسلہ گذشتہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلے کے لوگ یعنی بنی ہاشم اور آپؐ کے چچا عباس اور چچیرے بھائی عقیل بھی بدرجۂ مجبوری اس فوج میں شریک تھے تقریباً پوری فوج جنگ آزمودہ تھی اور فنون سپہ گری کی ماہر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی چڑھائی کی خبر ملی تو آپ نے تمام صحابہؓ کو جمع کر کے مشورہ فرمایا مہاجرین نے قابل اطمینان جواب دیا آپ نے دوبارہ مشورہ کیا مہاجرین نے اسی طرح اطمینان بخش جواب دیا سہ بارہ مشورہ فرمایا اب انصار نے سمجھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جواب کے منتظر ہیں سعد بن عبادہؓ نے عرض کی کہ شاید آپ نے یہ سمجھا ہے کہ انصار اپنے شہر سے باہر نکل کر آپؐ کی اعانت اپنا فرض نہیں سمجھتے ہیں، انصار کی طرف سے میں یہ عرض کرتا ہوں کہ ہر حال میں حضور کے ساتھ ہیں۔ کسی سے معاہدہ فرمائیے یا کسی سے معاہدہ فسخ کیجئے ہمارے زر و مال سے جس قدر منشاء مبارک ہو لیجئے اور جتنا چاہیے ہمارے لئے چھوڑ دیجئے اس زر و مال کا جتنا زیادہ حصہ آپ ہم سے لینگے وہ ہمکو اس مال سے زیادہ پسند ہوگا جو آپ ہمارے لئے چھوڑ دیں گے۔ سمندر میں کود جانے کا حکم دیجئے تو تعمیل کیلئے حاضر ہیں غرض جو حکم دیں گے بسر و چشم تعمیل کریں گے۔ حضرت مقداد بن عمروؓ نے کہا کہ ہم قوم موسیٰ کی طرح نہیں جو یہ کہدیں کہ آپ اور آپؐ کا رب جا کر لڑیئے اور ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔ ہم تو آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے لڑنے کے لئے حاضر ہیں۔ بالآخر مشورہ کے بعد یہ طے پایا کہ مدینہ سے باہر نکل کر دشمنوں کی مدافعت کی جائے

اب تک جنگ کی اجازت نہ تھی، لیکن جب دشمن آمادۂ قتال ہی ہو گئے تو اذنِ قتال نازل ہوا اصل آیت درج ذیل ہے

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ :: جن سے جنگ چھیڑی جا رہی ہے ان کو جنگ کرنے اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ الَّذِينَ أُخْرِجُوا :: کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم ہوا اور اللہ ان کی مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ﴿٤٠﴾ مدد پر بے شک قادر ہے یہ لوگ اپنے وطن سے صرف (الحج ۴۰) اس لئے نکالے گئے کہ انہوں نے اللہ کو اپنا رب مان لیا ہے

نوٹ: — دین اسلام میں جدال و قتال کے جو احکام ہیں اس پر مخالفین نے بڑے بڑے اعتراض کئے ہیں اور مفکرین اسلام نے ان کا دندان شکن جواب بھی دیا ہے۔ لیکن ان میں ایک کمزور پہلو بھی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلامی جدال و قتال کے احکام متعلق یہ ثابت کرنے کا

کوشش کی ہے کہ یہ صرف مدافعانہ جنگ ہے جارحانہ نہیں ۔ اس تفریق کی ضرورت ہی نہ تھی ۔
بلکہ عقل و فطرت کی روشنی میں صرف یہ ثابت کرنا چاہیئے تھا کہ فتنہ اور فساد کے استیصال اور قیام امن کے لئے اہل فتن و اہلِ فساد سے جنگ ناگزیر ہے ۔ بنی آدم کے عروج و زوال کی تاریخ کی کوئی کتاب ، جدال و قتال کے باب سے خالی نہیں ۔ ہر قوم اپنے جنگی سورماؤں کے حالات اور اپنے جنگی کارناموں کو فخر و ناز سے بیان کرتی ہے ۔ جاہل و نادان انسان اپنی عقل و تدبیر سے جو نظام زندگی بھی بناتا ہے اور اسکو نافذ اور قائم کرنا چاہتا ہے تو جدال و قتال کے بغیر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ نظام حق کو برپا کرنے اور قائم رکھنے کیلئے مخالفین حق سے جدال و قتال نہ کیا جائے ۔ نیز حق کیلئے کیوں جدال و قتال کو قابل اعتراض قرار دیا جائے ۔ جبکہ اہل باطل اپنے باطل و غیر فطری افکار و اعمال کی بقاء و اشاعت کے لئے اپنے غلبہ و تفوق کو قائم رکھنے کے لئے سراپا فولاد میں ڈوب جائیں ، کروڑہا روپیہ آلات حرب کی تیاری میں صرف کریں ۔ چشم زدن میں بڑی بڑی آبادیوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے جوہری توانائیاں ایجاد کریں ۔ جسکی زد سے ضعیف ، معذور ، عورتیں اور بچے بھی نہیں بچ سکتے اور قیام امن کے نام سے بنی آدم کو ہلاک کرنے کی یہ تمام تدبیریں بالکل جائز ، بلکہ سیاست کے لئے بے حد ضروری سمجھی جائیں ۔

علاوہ ازیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جدال و قتال سے زیادہ بنی آدم کے لئے جو چیزیں ضرر رساں ہے وہ فتنہ و فساد ہے ۔ جیسا کہ کلام کلام الٰہی سے ظاہر ہے ۔

وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (سورہ بقرہ)

مطلب یہ ہے کہ فتنہ و فساد کے دفعیہ کے لئے جو جدال و قتال کیا جاتا ہے ، خود فتنہ و فساد اس سے کہیں زیادہ ضرر رساں ہے ۔ پس دین حق ، الٰہی تعلیم میں اہل فتن و اہل فساد سے جدال و قتال کی جو اجازت ہے اور جس کا مقصد یہ ہے کہ ان کا زور ٹوٹ جائے اور ان کا غلبہ باقی نہ رہے وہ عین عقل و فطرت کے مطابق ہے نادان معترضین سے سوال یہ ہے کہ ؎

انصاف سے غرض ہے تو زیبا ہے کیا ثبات
حق کو ہے محاسبۂ باطل سے درگزر

باطل اور غیر فطری افکار جو دراصل " کلھم واحدۃ " (سب ایک) ہو سکتے ہیں جو لیس

میں ٹکرا جاتے ہیں تو پھر حق و باطل جو ایک دوسرے کی بالکل ضد ہیں ان میں ٹکراؤ اور تصادم ایک لازمی بات ہے۔ اور باطل کو مغلوب رکھنے کے لئے حتی المقدور اسبابِ ظاہری سے آراستہ و پیراستہ رہنا الٰہی تعلیم کا لاینفک جزو ہے۔ افسوس کہ دینی تعلیم کے اس اہم جزو کو مسلمانوں نے بھلا دیا۔

کلامِ الٰہی سے ظاہر ہے کہ اجازتِ قتال کے بعد جب قتال فی سبیل اللہ کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تو بعض اصحاب پر (جو شاید نئے نئے داخلِ اسلام ہوئے تھے) یہ حکم گراں گزرا۔

ملاحظہ ہو سورۂ نساء رکوع گیارہ

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ
مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ
أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ
كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا
إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۚ (۷۷)

پس جب ان پر قتال فرض کر دیا گیا تو ان میں سے بعض
اصحاب، لوگوں (مخالفوں) سے ایسا ڈرنے لگے جیسے کوئی
اللہ سے ڈرتا ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ اور یوں کہنے
لگے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہم پر ابھی قتال
کیوں فرض فرما دیا ہم کو کاش تھوڑی اور مہلت دے دی ہوتی

قلوب میں یہ کمزوری پیدا ہوتے ہی وحی نازل ہوئی

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ ۝

ترجمہ: آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ متاعِ دنیا چند روزہ ہے اور آخرت بہتر ہے اسکے لئے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا ادنیٰ یعنی ناقابلِ التفات ہے اصلی چیز آخرت کی زندگی ہے۔ متقین کو چاہیئے کہ اسی کو مقصود بنائیں، دنیا تو بہرحال گزر ہی جائے گی، دنیا کی محبت میں ابدی خیر و ابقیٰ زندگی کا نقصان ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔

نوٹ ۲۔ قتال و خونریزی کے خیال سے جو کمزوری مسلمانوں میں پیدا ہوئی تھی اللہ تعالیٰ نے آخرت کی خیر و ابقیٰ زندگی کو سامنے رکھ کر اسکو دور فرما دیا۔ کلامِ الٰہی سے واضح ہے کہ جب کبھی اہلِ ایمان کے قلوب میں ایسی کمزوری نمایاں ہوئی یا دنیا کی طرف میلان پیدا ہوا یا دنیا پرستی یا تنگی دنیاوی خوشحالی پر ... پیدا ہوا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کی اسی طرح تربیت فرمائی کہ دنیا کی طرف سے ان کی توجہ آخرت کی خیر و ابقیٰ زندگی کی طرف پھیر دی۔ (اس زمانہ کے مصلحین کے لئے اس میں کافی سبق ہے)

غرض علمی و لسانی جہاد کے ساتھ ساتھ جہاد بالسیف کا بھی آغاز ہو گیا اور بارہ رمضان سنہ ۲ھ کو

مدینہ میں مستورات کی حفاظت اور دیگر انتظامات کے لئے ابولبابہ بن عبد المنذرؓ کو اپنا جانشین مقرر کرکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین سو تیرہ (۳۱۳) جاں نثاروں کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور بدر جو مدینہ سے اسّی میل پر ایک گاؤں کا نام ہے اس کی طرف بڑھے کیونکہ اُدھر ہی سے قریشی فوج کی آمد کی خبر تھی۔ دو جاسوس آگے روانہ کر دیئے تاکہ قریش کی نقل و حرکت کی خبر لائیں۔ سترہ ۱۷ رمضان کو آپ مقام بدر پہنچے۔ خبر رسانوں نے اطلاع دی کہ قریش وادی کے دوسرے سرے تک آگئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کی فوج کے ساتھ یہیں رک گئے۔ اور یہیں پڑاؤ کیا۔ اس فوج میں ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے یہ مقام بالکل ریتیلا تھا اونٹوں کے پاؤں ریت میں دھنس دھنس جاتے تھے۔ حباب بن منذرؓ نے حضور سے عرض کی۔ کیا یہ مقام وحی الٰہی کی بنا پر منتخب کیا گیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ نہیں۔ حضرت حبابؓ نے کہا تو بہتر ہوگا کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کر لیا جائے اور آس پاس کے کنوئیں بے کار کر دیئے جائیں۔ آپؐ نے یہ رائے پسند فرمائی اور اسی پر عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس وقت مینہ برسا دیا۔ جس سے ریتیلی زمین جم گئی اور جا بجا پانی کو روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنا لئے گئے کہ وضوء اور غسل کے کام آئیں۔ دشمنوں کو بھی پانی لینے کی عام اجازت تھی۔ اب رات ہو گئی تھی اور یہ معلوم تھا کہ صبح دشمن سے مقابلہ ہونا ہے جان کی بازی کھیلنا ہے۔ پھر بھی صحابہؓ رات بھر آرام سے سوتے رہے۔ دراصل یہ اللہ تعالیٰ کا ایک اور فضل و احسان تھا کہ مجاہدین کو رات بھر اطمینان سے سلا دیا چنانچہ پانی برسانے اور اطمینان سے سلا دینے کا ذکر سورۃ الانفال میں ہے

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَ ÷ جبکہ (اللہ تعالیٰ) تم پر اونگھ کو طاری فرما رہا تھا اپنی طرف
يُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً ÷ سے چین دینے کے لئے اور اس سے پہلے تم پر آسمان سے پانی
لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ (الی الآیۃ) (۱۱) ÷ برسا رہا تھا تاکہ اس پانی کے ذریعہ سے تم کو حدث اصغر واکبر سے پاک کر دے

ایک صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح تک بیدار اور مصروف دعا رہے صبح ہوئی تو نماز [illegible] اذان دی گئی اور بعد نماز آپ نے جہاد پر وعظ فرمایا آپ کے لئے میدان کے کنارے ایک چھپر سا بنا تیار کر دیا گیا تھا کہ آپ اس میں تشریف رکھیں۔ اور ایک صحابی دروازہ پر تیغ بکف نگرانی کے لئے مقرر ہوئے اصول جنگ کے مطابق آپ نے فوجیں ترتیب کیں۔ مہاجرین اور اوس و خزرج کے تین دستے [illegible] کئے۔ مہاجرین کا علم مصعب بن عمیرؓ کو عنایت فرمایا۔ اوس کا علمبردار سعد بن معاذ اور خزرج کا علمبردار [illegible]

حباب بن منذرؓ مقرر ہوئے۔ صبح ہوتے ہوتے آپ نے صف آرائی شروع کی۔ دست مبارک میں ایک تیر تھا جس کے اشارہ سے صفیں قائم کرتے تھے کہ کوئی شخص تل بھر آگے یا پیچھے نہ ہٹنے پائے اور یہ بھی تاکید بھی کردی تھی کہ بالکل خاموش کھڑے رہیں اور کسی کی منھ سے آواز تک نہ نکلے۔ اہل حق اور اہل باطل کا یہ پہلا معرکہ تھا۔ اسلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کے متعلق خاص خاص ہدایتیں نازل ہوئیں۔ چنانچہ ایک حکم تو یہ دیا گیا کہ جب تم میدان قتال میں پہنچ کر دشمن کے مقابل صف آرا ہو جاؤ اور مقابلہ شروع ہو جائے تو پھر مارنے اور مرنے کے سوا دوسرا خیال تمھارے ذہن میں بھی نہ آئے یعنی دشمنوں کے دباؤ سے مرعوب ہو کر یا اپنی جان کے خوف سے پیٹھ پھیر کر کوئی نہ بھاگے۔ کیونکہ یہ وہ جرم ہے جس کے ارتکاب سے تمام نیکیاں بے کار ہو جاتی ہیں۔ اور اس جرم کے مجرم پر خدا کا غضب ہوتا ہے اور وہ دوزخ کا مستحق قرار پاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ	٭ اے ایمان والو جب تمہارا [illegible] (جہاد میں) مقابلہ
كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ۝	٭ ہو جاؤ تو ان سے پشت [illegible] اور جو شخص ان سے
وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ	٭ [illegible]
إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ	٭ [illegible] بجز اسکے جو لڑائی کیلئے پینترا بدلتا ہو یا جو اپنی
فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ	٭ جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو [illegible]
وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٦﴾ سورہ الانفال	٭ [illegible] جو کوئی ایسا کریگا وہ اللہ کے غضب میں آجائیگا
	٭ [illegible] دوزخ ہوگا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے

دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ عموماً جنگ کے موقع پر [illegible] شان و شوکت لوگوں کو دکھلاتے ہوئے [illegible] بالکل محترز رہیں کیونکہ ایسی باتیں [illegible]

ولا تکونوا کالذین خرجوا من دیارھم [illegible] بطراً ورئاء الناس الی الآیۃ (سورہ انفال) [illegible]

تیسرا حکم یہ دیا گیا کہ جب تم دشمنوں کے روبرو ہو [illegible] قلت یا کثرت یا اپنے سامان حرب پر مطلق بھروسہ نہ رکھو بلکہ [illegible] اللہ ہی کی طرف رہے دل میں اللہ ہی سے تائید و نصرت کی [illegible] کامیابی [illegible]

کا بھی اصلی راز ہے

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَٱثْبُتُواْ وَٱذْكُرُواْ ٱللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝٤٥ سورہ انفال

: اے ایمان والو! جب تم (دشمن کی) جماعت سے مقابل ہو جاؤ تو (پوری طرح) ثابت قدم رہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرو امید ہے کہ تم کامیاب ہو۔

چوتھا حکم یہ دیا گیا کہ اللہ نے جو احکام دئیے ہیں اس کی پوری پوری پابندی کرو اور لڑائی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی ہدایت دیں بلا چوں و چرا اس کی تعمیل کرو اور کسی بات کو نزاعی نہ بناؤ ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے۔ تم میں پراگندگی پیدا ہو جائے گی اور جدال و قتال میں جو تکلیف بھی پہنچے اسکو برداشت کرو کیونکہ سنت الٰہی یہ ہے کہ حق تعالیٰ انہیں لوگوں کی مدد کرتے ہیں جو دین الٰہی کی بقاء و اشاعت میں ہر قسم کی تکلیف کو برداشت کرتے ہیں

وَأَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَا تَنَٰزَعُواْ فَتَفْشَلُواْ وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَٱصْبِرُوٓاْ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ ۝٤٦ سورہ انفال

: اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اختلاف مت کرو (اپنے فوجی افسروں سے بھی) ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی اور صبر کرو اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(**نوٹ**:۔ مناسب معلوم ہوتا ہے اس موقع پر اس آیت کریمہ کو بھی پیش کر دوں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فنون حرب و سپہ گری سے واقف ہونا اور ہر زمانہ کے آلات حرب سے مسلح رہنا اور اس غرض کیلئے زر و مال کو خرچ کرنا الٰہی تعلیم کا لاینفک جزو ہے)

وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا ٱسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ ٱلْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِۦ عَدُوَّ ٱللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَءَاخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ ٱللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنفِقُواْ مِن شَىْءٍ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۝ (الانفال)

: اور ان کافروں سے مقابلہ کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے ہتھیار درست رکھو اس کے ذریعے تم ان لوگوں پر جو اللہ کے اور تمہارے دشمن ہیں رعب جمائے رکھو اور ان دشمنوں پر بھی جو ان کے علاوہ ہیں جنکو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتے ہیں اور اللہ کی راہ میں جو بھی خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدل تم کو دیدیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی نہ ہوگی۔

اس ربانی تعلیم سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے فوجی اور غیر فوجی کی تفریق ہی مٹا دیا۔ بلکہ دنیا کے اسلام کا ہر فرد فوجی ہے جان نثار بندہ ہے۔ مرد مجاہد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ

جو اسلام کے پورے پورے مزاج شناس تھے انہوں نے اپنے زمانہ حکومت میں یہ قاعدہ مقرر کردیا تھا کہ جس مسلمان کے گھر بچہ پیدا ہو اس کے نام فوجی وظیفہ جاری کردیتے۔ افسوس صدیاں گزر گئیں کہ مسلمان دین کی اس اہم تعلیم کو بھلا بیٹھے اور حرب وضرب سے اتنے نا آشنائے محض ہوگئے کہ ایک شاعر (اقبال) کو یہ کہنا پڑا ؎

تیغ و تفنگ دست مسلماں میں ہیں کہاں ٭ ہو بھی تو دل ہے موت کی لذت سے بے خبر
کافر کی موت سے بھی لرزتا ہے جس کا دل ٭ کہتا ہے کون اس کو مسلماں کی موت مر

دین و ایمان کی تجدید اور اس کا احیاء یہی ہے کہ مسلمانوں کو مغفرت وجنت و درجاتِ جنت کا طالب و حریص بنا کر اُن میں عملی جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کی قابلیت پیدا ہونے کی کوشش کی جائے اگر یہ نہ ہو تو پھر "دین بندۂ مومن کے لئے موت ہے یا خواب" یا "بت کدۂ تصورات"

علاوہ ازیں ان مجاہدینِ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ نکتہ بھی سمجھا دیا تھا کہ اصلی قوت صبر وایمان کی قوت ہے۔ ظاہری اسباب یعنی تعداد اور سامان حرب کتنا ہی کم ہو، صبر وایمان کی توانائیاں اگر حاصل ہیں اور دشمن کے پاس ان سے دس گنی زیادہ قوت ہو تو بھی اہلِ ایمان ہی کو غلبہ حاصل ہوگا۔ یہ ایمان افروز اور جرأت آفریں تعلیم پا کر صحابۂ کرامؓ سیلابِ باطل کے مقابلہ میں کوہِ آہن کی طرح ڈٹ گئے

اس موقعہ پر جبکہ دشمن کی تقریباً سہ گنی تعداد مقابل تھی۔ مسلمانوں کے پاس ایک دو آدمیوں کا اضافہ ہوجاتا بھی بسا غنیمت تھا۔ ایسی ایک صورت پیش بھی آئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ کیونکہ یہ عمل اسلامی اخلاق کے خلاف تھا۔ واقعہ یہ ہوا کہ الحذیفہ بن الیمانؓ اور ابو حسیلؓ یہ دو صحابی کہیں سے آرہے تھے۔ راہ میں کفار نے ان کو اس شبہ میں روک لیا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لئے جارہے ہیں۔ ان حضرات نے انکار کیا اور عدمِ شرکت کا وعدہ کیا۔ کفار نے ان کو چھوڑ دیا۔ وہ سیدھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورت حال عرض کی۔ آپؐ نے فرمایا ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے

اب دو فوجیں آمنے سامنے ایک دوسرے کے مقابل تھیں، حق و باطل، نور وظلمت، کفر واسلام کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور دعا فرماتے تھے کہ یا اللہ تو نے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کر۔ محویت و اضطراب کے عالم میں کبھی سجدہ میں گر جاتے اور دعا کرتے کہ الٰہی یہ چند نفوس ہیں ان کی مدد فرما۔

قریش کی فوجیں اب بالکل قریب آگئیں تاہم آپ نے صحابہؓ کو آگے بڑھنے سے روکا اور فرمایا۔ جب دشمن پاس آجائیں تو اپنے تیروں سے روکو۔ لڑائی کا آغاز یوں ہوا کہ عتبہ بن ربیعہ جو سردار لشکر تھا وہ اپنے بھائی شیبہ اور بیٹے ولید کو لے کر میدان میں نکلا اور مبارز طلبی کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے حضرت عوفؓ۔ معاذؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ مقابلہ کو نکلے۔ عتبہ نے نام و نسب پوچھا اور جب یہ معلوم ہوا کہ یہ انصار ہیں تو اس نے کہا ہم تم سے لڑنے نہیں آئے ہیں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکار کر کہا کہ محمد! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں۔ ہم قریشی ہیں۔ ہمارے مقابلہ کیلئے قریشیوں کو بھیجو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو واپس بلالیا اور حضرت حمزہؓ، علیؓ، وعبیدہؓ کو میدان میں بھیجا۔ عتبہ حضرت حمزہؓ سے اور ولید حضرت علیؓ سے مقابل ہوا۔ ان حضرات کے ہاتھوں یہ دونوں واصل بہ جہنم ہوئے۔ حضرت عبیدہؓ اس مقابلہ کو دیکھ رہے تھے شیبہ نے بے خبری میں آپ پر حملہ کر دیا اور آپ بری طرح زخمی ہو گئے۔ سیدنا علیؓ نے بڑھکر شیبہ کو ایک ہی وار میں ختم کر دیا۔ اور حضرت عبیدہؓ کو کندھے پر اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضرت عبیدہؓ نے آپؐ سے پوچھا کیا میں دولت شہادت سے محروم رہا؟ آپؐ نے فرمایا نہیں تم نے شہادت پائی۔ اس کے بعد حضرت عبیدہؓ کی وفات ہو گئی اس کے بعد عام حملہ شروع ہو گیا۔ مشرکین اپنے بل بوتے پر لڑ رہے تھے اور صحابۂ کرامؓ اللہ کے بھروسہ پر مصروف پیکار تھے اور ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سربسجود محو دعا۔

تائید الٰہی تھی کہ صحابۂ کرام کے کچے زنگ آلود تیر دشمنوں کے زرہ بکتر کو توڑ کر ان کے سینوں کے پار ہو رہے تھے اور دشمنوں کی فولادی آب دار تیر صحابہؓ کے جسموں کو لگ کر پیچھے گرتے جا رہے تھے۔ ادھر کفار اپنی کامیابی کے لئے پوری قوت صرف کر رہے تھے۔ ادھر مجاہدین جانبازی کے جوہر دکھا رہے تھے اہل باطل کے صف سے ایک بڑا جنگجو پہلوان ابوکرش نکلا للکار کہا کہ کون میرا مقابلہ کرتا ہے۔ اہل حق کی صف سے سیدنا زبیر [illegible] کے مقابلے کے لئے نکلے ابوکرش سر سے پاؤں تک فولاد میں [illegible] تھا صرف آنکھیں نظر آتی تھیں سیدنا زبیرؓ نے تاک کر آنکھوں میں برچھی ماری [illegible] پھوڑ کر اس پار نکل آئی وہ زمین پر گرا اور مر گیا۔ برچھی اس طرح پیوست ہو گئی تھی کہ سیدنا زبیرؓ نے اس کی لاش پر پاؤں رکھ کر کھینچی تو بڑی مشکل سے نکلی۔ لیکن اس کا سر خم ہو گیا تھا۔ سیدنا حمزہؓ، سیدنا علیؓ اور سیدنا [illegible] دشمنوں کی صفیں

تہ و بالا کر دیتے۔ ابوجہل اپنی فوج کو بڑھ بڑھ کر ابھار کر لڑا رہا تھا۔ چونکہ اس کی دشمنی کا چرچا عام تھا اس بنا پر انصار میں سے دو نوجوان معوذؓ و معاذؓ جو بھائی بھائی تھے نے بہت لگا کر ابوجہل کی طرف باز کی طرح جھپٹے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس پر ایسے وار کئے کہ ابوجہل خاک و خون میں لوٹنے لگا۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے معاذؓ کے بائیں شانے پر تلوار ماری جس سے اُن کا بازو کٹ گیا۔ لیکن لٹکا رہا۔ باقی معاذؓ لڑتے رہے۔ لیکن ہاتھ کے لٹکنے سے زحمت ہوتی تھی اس لئے ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچا کہ تسمہ بھی الگ ہوگیا۔ پھر وہ بلا دقت مصروف پیکار رہے۔ اسی طرح کئی کفار تیروں اور نیزوں کا نشانہ بن گئے اور آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا۔ مگر ابھی تک جنگ کا فیصلہ کن صورت پیدا نہیں ہوئی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ رب العزت سے فتح کا مژدہ لے کر برآمد ہوئے۔ آپؐ کا رخ انور نظر آتے ہی صحابہؓ کرام کے حوصلے اور بڑھ گئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی جانب نظر ڈالی اور ایک مٹھی ریت اٹھا کر ان کی طرف پھینکی اس کے ساتھ ہی آندھی کا ایک تند و تیز جھونکا آیا اور کفار کی آنکھیں اور چہرے ریت و کنکروں سے جھلس گئے۔ اور فوج میں ایک ابتری پیدا ہوگئی ادھر صحابہؓ کرام ایک دم سے ان پر ٹوٹ پڑے اہل باطل کی ہمت ٹوٹ گئی۔ انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔ صحابہؓ کرام نے ان کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوجہل کی تلاش تھی۔ آپؐ نے حکم دیا کہ کوئی جاکر ابوجہل کی خبر لائے عبداللہؓ بن مسعود نے جا کر لاشوں میں دیکھا تو زخمی پڑا ہوا دم توڑ رہا تھا وہ اس کا سر کاٹ لائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دیا

یہ اس جنگ کا انجام ہے جس میں ایک فریق کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی جس میں تین سو سوار تھے اور تقریباً ہر سپاہی تمام ہتھیاروں سے مسلح اور پوشیدہ زرہ پوش تھا اور دوسرے فریق کے پاس صرف تین سو تیرہ (۳۱۳) سپاہی تھے ان میں صرف دو سو سوار تھے اور بہت کم لوگوں کے پاس پورے ہتھیار تھے [illegible] کے پاس تلواریں تھیں اور نہ کسی کے پاس صرف نیزے اور کسی کے پاس صرف تیر کمان [illegible] خاتمۂ جنگ پر معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں صرف چودہ (۱۴) حضرات نے شہادت کا شرف پایا [illegible] چھ مہاجر اور باقی انصار تھے لیکن اہل باطل کی [illegible] سپہ سالار تھے [illegible] ابوجہل [illegible]

ہشام، امیہ بن خلف، عبیدہ جو کہ قریش کو قریش کے سرتاج تھے۔ تقریباً ستر (۷۰) آدمی قتل اور اسی قدر گرفتار ہوئے اسیرانِ جنگ میں عقبہ اور نضر بن حارث قتل کر دیئے گئے اور باقی...... مدینہ لائے گئے۔ ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رض اور آپ کے داماد ابو العاص رض بھی تھے،

اگرچہ اس زمانے میں دشمنوں کی لاشوں کو دفن کرنے کا طریقہ نہ تھا۔ مگر مقتول مشرکین کی تمام لاشوں کو کسی بے حرمتی کے بغیر ایک کنوئیں میں ڈال دیا گیا اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنوئیں کے دہانے پر کھڑے ہو کر فرمایا۔ هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا (تمہارے پروردگار نے تم سے جو وعدہ کیا تھا کیا تم نے اس کو سچ پایا) سیدنا عمر رض نے عرض کیا۔ کیا آپ ان کو مخاطب کرتے ہیں جن کے جسد بے جان ہیں روایت ہے کہ آپ نے سیدنا عمر رض کو جواب دیا۔

ما انتم باسمع منهم ولكن لا يجيبون — تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔

مطلب یہ تھا کہ تمہاری طرح وہ بھی سنتے ہیں

(نوٹ) اسی روایت کی بناء پر سمع موتیٰ ثابت کیا جاتا ہے کہ گویا بلا اختلاف یہ طے شدہ مسئلہ ہے حالانکہ جب سیدنا عائشہ رض سے یہ روایت بیان کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کہا بلکہ یہ ارشاد فرمایا

انهم ليعلمون الآن ان ما كنت اقول لهم حق :- وہ اس وقت بالیقین جانتے ہیں کہ میں جو کہتا تھا وہ سچ ہے (یعنی عذاب نار کو وہ اب دیکھ رہے ہیں)۔

اس کے بعد پھر سیدنا عائشہ رض نے فرمایا کہ یہ الفاظ روایت (یعنی مردوں کے سننے کی روایت) آیت کریمہ :- إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ (تو مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے) کے خلاف ہے اس لئے قابل قبول نہیں تمام محدثین نے سیدنا عائشہ رض کے استدلال کو مان لیا ایسی صورت میں نفع دنیا کی خاطر استعانت بالاولیاء کا جواز اس روایت سے ثابت کرنا محض تاویل الباطلین ہے۔

مدینہ واپس آنے کے بعد اسیرانِ جنگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے گئے اس موقعہ پر حضرت سودہؓ آپ کی اہلیہ محترمہ بھی تشریف رکھتی تھیں ان قیدیوں میں ان کے ایک عزیز سہیل بن عمرو بھی تھے جب ان پر نگاہ پڑی تو بے ساختہ بول اٹھیں کہ، "تم نے عورتوں کی طرح بیڑیاں پہن لیں یہ نہ ہو سکا کہ لڑ کر مر جاتے" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار ہوئی آپ نے کسی قدر برہمی کے ساتھ فرمایا کہ اللہ اور رسول کے دشمنوں کی حمایت کرتی ہو اور ان کو غیرت دلاتی ہو۔ حضرت سودہؓ نے ادباً معافی مانگتے ہوئے فرمایا۔ یا رسول اللہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اسلام لانے کے بعد دشمنانِ حق سے اتنا لگاؤ بھی مرضیٔ رب کے خلاف ہے

(نوٹ :۔ آج کل کے مسلمان اہلِ علم ہی کیوں نہ ہوں (الا ماشاء اللہ) شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تنبیہ کو "شدت" سے تعبیر کریں۔ مگر یہ نبوت کا عمل ہے ہر ایسے موقعہ پر آپ شدت ہی برتتے تھے۔ بسا اوقات ایسے مواقع پر اتنے برہم ہو جاتے کہ چہرۂ مبارک سرخ ہو جاتا کیونکہ اس قسم کی رجحانات کا اگر اسی وقت سدِّ باب نہ کر دیا جائے تو یہ وہ روزن ہیں جن کے اندر سے کفر و شرک کے جراثیم غیر شعوری طور سے داخل ہو جاتے ہیں نبوت کی باریک بین نگاہ ان احتمالات کو محسوس کر لیتی ہے۔ اور پوری قوت کے ساتھ ان کی روک تھام کر دی جاتی ہے۔ امت کے رہنماؤں میں جب سے بصیرتِ محمدیہ کا فقدان ہوتا گیا شرک و کفر کے جراثیم افرادِ امت کے قلوب میں غیر شعوری طور سے داخل ہوتے گئے رفتہ رفتہ اب یہ حال ہو گیا ہے کہ شرک و کفر کے بیشتر عناصر دین و ایمان کے اجزاء بنے ہوئے ہیں۔)

جنگی قیدیوں کے ساتھ سلوک

اسیرانِ جنگ دو دو چار چار صحابہؓ کو تقسیم کر دیئے گئے۔ اور ارشاد ہوا کہ آرام کے ساتھ رکھے جائیں صحابۂ کرامؓ نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ ان کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجور پر اکتفا کر لیتے۔ ان قیدیوں میں مصعب بن عمیرؓ کے بھائی ابو عزیز بھی تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جن انصاریوں نے مجھکو اپنے گھر میں قید رکھا تھا جب وہ صبح و شام کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور کھجور اٹھا لیتے۔ مجھ کو شرم آتی اور میں روٹی ان کے ہاتھوں سے

دینا لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور بھی کو واپس کر دیتے - یہ اس بنا پر تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کر دی تھی کہ قیدیوں سے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے قیدیوں میں ایک شخص نہایت فصیح اللسان تھا اور عام مجمعوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا سیدنا عمرؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ اس کے نچلے دو دانت اکھڑوا دیجئے تاکہ گفتگو صاف نہ کر سکے آپ نے فرمایا کہ میں اس کے کسی عضو کو بگاڑ دوں گا تو گو میں نبی ہوں لیکن اللہ تعالیٰ اس کی جزا میں میرے اعضاء بگاڑ دے گا

اسیرانِ جنگ کے متعلق مشورہ کیا گیا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جاوے - سیدنا صدیقؓ نے عرض کیا فدیہ لے کر چھوڑ دیئے جائیں - اس کے برخلاف سیدنا عمرؓ کی رائے تھی کہ سب قتل کر دیئے جائیں اور اسطرح کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے اپنے عزیز کو قتل کرے - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیقؓ کی رائے پسند فرمائی اور سب نے اسی پر اتفاق کیا فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیا گیا - امراء سے فدیہ زیادہ لیا گیا اور جو بالکل نادار تھے بلا فدیہ چھوڑ دیئے گئے - البتہ ان ناداروں میں جو لکھنا جانتے تھے ان کو حکم دیا گیا کہ وہ دس دس لوگوں کو لکھنا سکھا دیں تو چھوڑ دیئے جائیں گے - یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ سیدنا عباس سے دولت مند ہونے کی وجہ سے فدیہ کی رقم زیادہ لی گئی - انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کمی رقم کی درخواست کی آپ نے نامنظور کر دیا - کیونکہ ایسے موقعوں پر اسلام میں قریب و بعید عزیز و بیگانہ عوام و خواص کی تفریق مٹ چکی تھی (لیکن ایک طرف تو ادائے فرض میں یہ مساوات تھی اور دوسری طرف فطری محبت کا یہ تقاضا تھا کہ رات حضرت عباس کے کراہنے کی آواز سن کر آپ سو نہ سکے - جب ان کی مشکیں کھول دی گئیں تب آپ کو نیند آئی - لیکن یہاں بھی مساوات کا اصول ٹوٹا نہیں اور تمام قیدیوں کی مشکیں حضرت عباس کے ساتھ کھول دی گئیں -

سورہ انفال کے رکوع (۹) سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیدیوں کو قتل کر دینے کے بجائے فدیہ لے کر چھوڑ دینا اللہ کو پسند نہ آیا - کیونکہ فدیہ لینے میں دنیا کے زر و مال کی طرف میلان معلوم ہوتا تھا اس لئے عتاب آمیز لہجہ میں یہ تنبیہ نازل ہوئی -

تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

(تم دنیا کا مال واسباب چاہتے ہو اور اللہ آخرت کی بھلائی کو چاہتا ہے اور اللہ بڑا زبردست بڑی حکمت والا ہے اگر خدا تعالیٰ کا ایک نوشتہ مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جو امر تم نے اختیار کیا ہے اسکے بارہ میں تم پر کوئی بڑی سزا واقع ہوتی)

(نوٹ: جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ نزول قرآن کا زمانہ صحابہ کرام کی تعلیم و تربیت تزکیہ و اصلاح کا زمانہ تھا۔ اسلئے ایسے واقعات نہ قابل تعجب ہیں اور نہ قابل اعتراض اور نہ اس سے صحابہ کرام کی بلند شان پر کوئی اثر پڑتا ہے۔ ہم کو چاہیئے کہ اصلاح و تزکیہ کے لئے بالخصوص قرآن کی ایسی ہدایتوں کو ہر وقت پیش نظر رکھیں۔)

بدر کے نتائج

بدر کے معرکہ نے مذہبی اور ملکی حالت پر گوناگوں اثرات پیدا کئے حقیقت میں اسلام کی ترقی کا یہ قدم اولین تھا قریش کے بڑے بڑے رؤساء جن میں ہر ایک اسلام کی راہ میں سد آہنی تھا۔ اکثر مارے گئے جس سے قریش کا اصلی زور گھٹ گیا۔

مدینہ میں اب تک عبد اللہ بن ابی بن سلول علانیہ کافر تھا۔ بدر کے فتح کے بعد اس نے بظاہر اسلام قبول کر لیا مگر تمام عمر منافق رہا۔ اور اسی حالت میں جان دی۔

دیگر قبائل عرب جو واقعات کا رخ دیکھ رہے تھے وہ بھی اپنی جگہ سہم گئے یہود سے معاہدہ تھا کہ وہ غیر جانبدار رہیں گے لیکن اس فتح سے ان میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور وہ معاہدہ پر قائم نہ رہ سکے۔

فتح بدر کے بعد مکہ میں گھر گھر ماتم تھا اور انتقام کے لئے مکہ کا بچہ بچہ منتظر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش

عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ جو اسلام کے سخت مخالف تھے اور جن کے باپ اور بھائی جنگ بدر میں مارے گئے تھے۔ ایک جگہ بیٹھے ہوئے مقتولین بدر کا ماتم کر رہے تھے صفوان

نے کہا اب جینے میں مزہ نہیں رہا۔ عمیر نے کہا سچ کہتے ہو اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں مدینہ جاتا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر آتا۔ صفوان نے کہا تم قرض اور بچوں کی فکر نہ کرو ان کا میں ذمہ دار ہوں، عمیر قتل کے لئے آمادہ ہو گیا گھر آ کر تلوار کو زہر آلود کیا اور مدینہ پہونچا، مسجد نبوی کے سامنے سیدنا عمرؓ نے اسکو دیکھا اور اس کے تیور سے سمجھ گئے کہ یہ شیطان ضرور کسی بُرے ارادہ سے آیا ہے۔ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ عمیر مسلح چلا آ رہا ہے آپ نے فرمایا آنے دو۔ سیدنا عمرؓ اس کی تلوار پر قبضہ کئے ہوئے اس کو خدمت اقدس میں لائے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا بھائی کیسے آنا ہوا۔ عمیر نے کہا میرا بیٹا جو آپ کا قیدی بدر میں ہے اسکی خبر لینے آیا ہوں۔ آپ نے مکرر پوچھا سچ کہو عمیر نے وہی جواب دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سازش کی خبر مل گئی تھی۔ آپؐ نے پوچھا کیا تم نے اور صفوان نے ایک جگہ بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی؟ عمیر یہ سن کر سناٹے میں آ گیا اور بے اختیار بول اٹھا۔ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک تم پیغمبر ہو۔ بخدا میرے اور صفوان کے سوا کسی کو اس معاملہ کی خبر نہ تھی یہ کہہ کر اس نے فوراً اسلام قبول کر لیا کفار قریش، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی خبر سننے کے منتظر تھے انہوں نے عمیر کے مسلمان ہونے کی خبر سنی۔

عمیرؓ مجاہدانہ شان سے مکہ واپس ہوئے جہاں کا ہر ذرہ اس وقت مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا عمیر کو اسلام کے دوستوں سے جس شدت کے ساتھ مخالفت تھی اب اسی شدت سے وہ دشمنانِ اسلام کے دشمن تھے انہوں نے ضرر جان و مال سے بے خوف ہو کر مکہ میں دعوتِ حق کو پھیلانا شروع کیا۔ اور ان کے ذریعہ بہت سے لوگ مشرف با اسلام ہوئے

مسلمانوں کی تعلیم کا آغاز

اسیران بدر میں جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا فدیہ یہ مقرر کر دیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ قرآنی تعلیم کا

بھی انتظام فرمایا۔ جس کی تفصیل آئندہ ۱۵ اوراق میں ملاحظہ ہو۔

سنہ ۲ ہجری تحویلِ قبلہ

جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے کعبہ میں مقام ابراہیمؑ کے سامنے اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ آپ کا رخ کعبۃ اللہ اور بیت المقدس دونوں کی طرف رہتا تھا۔ مدینہ میں ہجرت کر کے آنے کے بعد تقریباً سولہ مہینے تک باذن الٰہی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ لیکن آپ کی دلی تمنا تھی کہ کعبۃ اللہ قبلۂ نماز قرار دیا جائے۔ کیونکہ یہی اصلی قبلۂ ابراہیمی تھا۔ چنانچہ سورہ بقرہ کے رکوع ۱۷ میں آپؐ کی دلی تمنا کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ؛ ہم آپ کا منہ بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے
فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ؛ تھے پس ہم آپ کے پسندیدہ قبلہ کی طرف آپ کا رخ کر دیا

مطلب یہ ہے کہ آپؐ تبدیلِ قبلہ کے لئے وحی الٰہی کے منتظر تھے کہ تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؛ پس اپنا منہ نماز میں مسجد حرام (کعبہ) کی طرف کیجئے تم اہل ایمان بھی جہاں کہیں ہوں اپنا منہ (نماز میں) مسجد حرام کی طرف کیا کریں۔

اس تحویلِ قبلہ نے یہودیوں کو سخت برہم کر دیا۔ ان کو مشرکین مدینہ کے مقابلہ میں مذہبی تفوق کا دعویٰ تھا۔ اور جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ مشرکین بھی ان کے مذہبی امتیاز کے معترف تھے دینِ حق کی اشاعت سے یہودیوں کے مذہبی امتیاز کو صدمہ پہنچ ہی رہا تھا تاہم چونکہ اسلام کا قبلہ ہنوز بیت المقدس ہی تھا اس لئے وہ ایک گونہ ضبط و سکون سے کام لے رہے تھے (اگرچہ پس پردہ دینِ حق کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے) تحویلِ قبلہ کے بعد ان کی ناراضی اور برہمی کا پیمانہ بالکل لبریز ہو گیا۔ انہوں نے یہ غلط بات کہہ کر مسلمانوں کو متزلزل کرنا چاہا کہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے محض ہماری مخالفت میں قبلہ بدل دیا ہے۔ ورنہ اصل قبلۂ ابراہیمی کعبہ نہیں تھا بیت المقدس ہی تھا۔ نیز جو لوگ بالکل ہی نوواردانِ اسلام تھے ان کے لئے بھی قبلہ کی تبدیلی موجب خلش ہو گئی تھی کہ قبلہ بدلنے کی چیز نہیں ہے اس بناء قبلہ کی اصلیت واضح کرنے اور یہودیوں کی

شرارت کا پردہ چاک کرنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ چند آیتیں نازل ہوئیں۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا — [illegible] لوگ [illegible]
وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا — [illegible] مقدس [illegible] پہلے [illegible]
قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ — [illegible]
يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ — [illegible] جسکو چاہے [illegible]

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا — [illegible] قبلہ [illegible]
إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ — [illegible] معلوم [illegible]
يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ — [illegible]
وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ — [illegible]
أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ — [illegible]
وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ — [illegible] بعض [illegible]
وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ — [illegible]

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ — [illegible]
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ — کی طرف [illegible] نیکی [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (سورہ بقرہ ٢٢٤) — [illegible] یوم آخرت [illegible]

[illegible] سب سے پہلے حقیقت [illegible]

[illegible] اللہ کے پاس سب برابر ہیں۔ اور [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] جسکو چاہے [illegible]

[illegible] ایک [illegible] بہت [illegible]

[illegible] دیا گیا [illegible] منافق [illegible] اور [illegible]

[illegible] (صلی اللہ علیہ وسلم) [illegible]

[illegible] تھے۔ [illegible] مسلمان [illegible] آپ کی اتباع [illegible]

[illegible] شرارت بیان فرمائی [illegible]

[illegible] اللہ [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی [illegible]

[illegible] مسلمانوں کو یہ بات [illegible]

اور نہ بے وجہ سزا دیجائیگی ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مطالب قرآن (بہ سلسلۂ گذشتہ)

(آیت المؤمنون ۶۳ تا ۶۴)

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿٦٣﴾

ترجمہ:- بلکہ دل ان کے بیچ غفلت کے ہیں اس سے اور واسطے ان کے عمل ہیں سوائے اس کے کہ وہ اس کو کرنے والے ہیں ۔)

مطلب:- بلکہ ان کے دل ابدی زندگی سے غفلت میں ہیں جس کی وجہ سے ان کے اعمال اللہ کے مقرر کردہ اعمال کے خلاف ہیں۔ مگر وہ ہیں کہ برابر اپنے خود ساختہ اعمال ہی کئے چلے جا رہے ہیں ۔

نوٹ:- جب انسان ابدی زندگی کی اہمیت سے غافل ہو جاتا ہے تو لامحالہ دنیا کی زندگی اور اس کے مسائل اس کے پاس بہت اہم بن جاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں یہی مسائل زندگی اس کی سعی و عمل کا مرکز و محور بن جاتے ہیں۔ اور معیار زندگی کو برقرار رکھنے یا بلند کرنے کے لئے ہر جائز و ناجائز طریقے اختیار کرنے لگتا ہے۔ اور بعنوان عبادت چند رسومات مثلاً پوجا پاٹ روزہ نماز وغیرہ یا مروجہ ذکر و یاد اور ثواب کے مقبول عام چند طریقے اختیار کر کے ابدی زندگی کے تعلق سے اپنے آپ کو مطمئن کر لیتا ہے۔ اور رہنما مے رقت ہیں کہ مشرکانہ عقاید کی صحت اور بدعتی اعمال کے جواز پر الٹے سیدھے دلائل بیان کر کے عوام کو اس خواب غفلت سے نکلنے نہیں دیتے۔ حالانکہ [illegible] وہ [illegible] اختیار کیا جاتا ہے جو [illegible] اللہ کے رسول نے عمل کر کے دکھایا ہے۔

حَتّٰىٓ اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿٦٤﴾

ترجمہ:- یہاں تک کہ جب پکڑا ہم نے دولتمندوں ان کے کو ساتھ عذاب کے ناگہاں وہ زاری کرتے ہیں ۔)

مطلب :- یہ اپنے اس خواب غفلت سے اسی وقت چونکتے ہیں جبکہ عذاب الٰہی یکایک
ان کو آگھیر لیتا ہے۔ اس وقت ان کے وہ رہنما بھی جو کل تک شرک و بدعات کی
تلقین کرتے تھے اللہ ہی کے سامنے بلبلانے لگتے ہیں۔

لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ ۖ إِنَّكُم مِّنَّا لَا تُنصَرُونَ ۝

ترجمہ :- (مت زاری کرو آج تحقیق تم ہم سے نہیں مدد دیئے جاؤ گے۔)

مطلب :- توبہ کا موقع تو عذاب آنے کے پہلے تک تھا۔ عذاب میں گھر جانے کے بعد توبہ قبول
نہیں کیجاتی اسلئے اب تم لاکھ چلاؤ یا گڑگڑاؤ ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہیں ہوگی۔

قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ ۝

ترجمہ :- (تحقیق تھیں آیتیں میری کہ پڑھی جاتی تھیں اوپر تمہارے پس تھے تم اوپر ایڑیوں
اپنی کے پھر جاتے)

مطلب :- اب آہ وزاری کرنے سے کیا فائدہ کیونکہ جس وقت تم کو اس انجام سے
باخبر کیا جارہا تھا تو تم اس کو سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے اور جیسے ہی یہ باتیں سنائی
جاتیں تو تم پیٹھ پھیر کر چلے جایا کرتے تھے۔

مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ سَامِرًا تَهْجُرُونَ ۝

ترجمہ :- (تکبر کرتے ہوئے ساتھ اس کے افسانہ گوئی کرتے ہوئے بیہودہ بکتے تھے۔)

مطلب :- آبائی دین وخود ساختہ ومروجہ عقائد کی بناء پر اخروی زندگی کے تعلق سے
مطمئن تھے۔ اور اسی گھمنڈ میں الٰہی تعلیمات سے لاپرواہی برتتے تھے۔ اور اپنی
رات کی مجلسوں میں حیات اخروی کی باتوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور
بیہودہ بکواس کیا کرتے تھے۔

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُم مَّا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ۝ ۶۸

ترجمہ (کیا پس نہیں فکر کی انھوں نے بات میں یا آیا ہے انکے پاس جو کچھ کہ نہ آیا تھا
باپوں ان کے پہلوں کے پاس۔)

مطلب :- پس وہ کیا اسلیے انکار کیے جا رہے ہیں کہ دعوت حق کو سمجھنے کا انھیں کوئی موقع نہیں ملا اور اس پر کبھی کوئی غور و فکر نہیں کیا یا یہ کہ ان کے پاس ایک ایسی عجیب بات آئی ہے جو ان کے باپ دادا کے پاس اس سے پہلے کبھی بھی نہ آئی تھی -

أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ﴿۶۹﴾

ترجمہ :- (یا انہیں پہچانا انھوں نے پیغمبر اپنے کو پس وہ واسطے اسکے انکار کرنے والے ہیں)

مطلب :- یا ان کے رسول کی شخصیت ان کیلئے بالکل اجنبی ہے جسکی بنا پر وہ انکار کر رہے ہیں -

أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ﴿۷۰﴾

ترجمہ :- (یا کہتے ہیں کہ اسکو جنون ہے بلکہ لایا ہے ان کے پاس حق اور اکثر ان کے حق کو ناخوش رکھنے والے ہیں)

مطلب :- یا ان کے انکار کی وجہ یہ ہیکہ وہ رسول کو مجنون سمجھتے ہیں لیکن حقیقت واقعہ یہ ہیکہ ان کے پاس اللہ کا رسول اُس حقیقت ہی لیکر آیا ہے - چونکہ انکی اکثریت حق بات سے کراہیت کرتی ہے اسلئے وہ انکار کیے جا رہے ہیں -

---

نوٹ :- کسی بات کا انکار کرنیکے لیئے معقول وجوہ یہی ہو سکتے ہیں کہ اس بات پر غور و فکر کرنیکا موقع نہ ملا ہو - یا وہ بات ناقابل فہم زبان میں ہو یا اس کا مضمون و موضوع عقل انسانی سے بالاتر ہو یا بات کہنے والے کی شخصیت بالکل اجنبی ہو یا بات کہنے والا مجنون ہو - یا اپنی ذاتی منفعت کیلئے اُٹھے جسکو قیمت سے ہمیں بیان کیا گیا ہے جب ان میں سے کوئی وجہ وجہ انکار نہ ہو تو لازماً وجہ انکار محض ہٹ دھرمی جہالت و لاپرواہی و غفلت اور کراہیت ہی ہو سکتی ہے - یہ آیات عقل سے کام لینے کی رہنمائی کرتی ہیں اور حیوانی عقل کیلئے انکی تنبیہ - اور جو سوچ سمجھ کر ایمان والے بننے کی کوشش کرتے ہیں ان کے لیئے طمانیت و خوشخبری بھی -

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ ۚ بَلْ

أَتَيْنَٰهُم بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَن ذِكْرِهِم مُّعْرِضُونَ ﴿٧١﴾

ترجمہ:- (اور اگر پیروی کرے حق خواہشوں انکی کی البتہ بگڑ جاویں آسمان اور زمین اور جو کوئی بیچ ان کے ہے بلکہ لائے ہیں ہم ان کے پاس ذکر ان کا پس وہ ذکر اپنے سے منہ پھیرنے والے ہیں۔)

مطلب:- اگر حق ان کے خیالات، خواہشات و مطالبات کی پیروی کرے تو لازماً آسمانوں اور زمین اور ان میں جو کچھ ہے وہ سب خراب ہو جاتے یعنی اس کائنات کا پورا انتظام درہم برہم ہو جاتا۔ بلکہ حقیقت واقعہ تو یہ ہے کہ ہم ان کی عارضی و ابدی نقصان سے بچنے اور دنیا میں امن و سلامتی اور موت کے بعد کی ابدی زندگی میں لازوال عیش و راحت کی ضمانت والی زندگی کے حصول کی باتیں بتاتے ہیں مگر یہ ہیں کہ اپنی اصلی و حقیقی صلاح و فلاح ہی کو اپنے لیے نقصان وہ سمجھ کر اس سے منہ موڑے جا رہے ہیں اور جو فکر و عمل ان کیلئے ہر لحاظ سے تباہ کن ہے اسی کو اپنے لئے نفع بخش سمجھ رہے ہیں۔

نوٹ:- نظم کائنات کے قطعی و اٹل قوانین قدرت اور انسانوں اور قوموں سے متعلق سنت الٰہی کو دیکھنے اور ماننے کے باوجود اپنی زندگی میں ضابطہ و قانون الٰہی کی پابندی کی بجائے اپنی خواہشات اور ماحول کی پیروی کیجاتی ہے۔
حالانکہ خواہشات انسانی زمان و مکان کے لحاظ سے ادلتی بدلتی رہتی ہیں۔
اور یہ آپس میں مختلف و متصادم بھی ہوتی ہیں جس کا لازمی نتیجہ فساد ہوتا ہے۔
مثلاً کسی گھر کا ہر فرد اپنی من مانی کرنا چاہے تو گھر کا وجود باقی نہیں رہ سکتا اسقدر کھلی و اٹل حقیقت کے باوجود انسان کا کائنات کا ایک حقیر جزو ہوتے ہوئے یہ چاہنا کہ قوانین قدرت بھی اس کے خیالات و خواہشات کے مطابق ہو جائیں یعنی وہ جس کو صحیح سمجھتا ہے وہی صحیح ہو یا وہ جو چاہتا ہے ویسا ہی ہو تو یہ بڑی بیوقوفی ہے۔

اَفَلَوْ اَعْجَمُہٗ :- بعض کا خیال تھا کہ اور آج بھی ہے کہ زندگی صرف دنیا کی زندگی ہے کیونکہ
موت کے بعد جسم کا گل سڑ کر مٹی میں مل جانا تجربہ و مشاہدہ میں ہے اسلئے اس جسم کے
ساتھ دوبارہ زندگی ناممکن ہے اگر واقعی زندگی ہے تو ہمارے باپ دادا کو زندہ
کرکے بتلاؤ۔ اس جسم کے ساتھ دوبارہ زندگی ممکن نہیں تو قیامت، حشر، حساب و کتاب
جنت و دوزخ سب پرانے زمانے کی کہانیاں ہیں۔ بعض یہ سمجھتے ہیں کہ موت کے بعد
صرف روحانی زندگی ہے انسانی زندگی نہیں۔ موت کے بعد آتما کا پرماتما میں مل
جائیگا۔ عقیدہ.... تھا اور ہے۔ بعض دنیا ہی میں جنت و دوزخ کو مانتے تھے اور
مانتے ہیں بعض کا خیال یہ تھا اور آج بھی ہے کہ بندوں کی ہدایت کیلئے کتاب
نازل کرنا اور رسول کو مبعوث کرنا اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے انسان کو عقل
دیدی گئی ہے جس سے کام لیکر ہم اپنی زندگی بسر کرلے سکتے ہیں بعض کا خیال تھا اور
ہے کہ ہر قوم و ملک کیلئے انکے اپنی زبان میں الگ الگ کتاب اور انکی قوم میں رسول
ہونا چاہیئے بالفاظ دیگر ایک ہی کتاب اور ایک ہی رسول تمام دنیا کے انسانوں کیلئے
کافی نہیں ہے۔ بعض کا خیال تھا کہ ان ہی کی طرح کا ایک بشر اللہ کا رسول نہیں
ہوسکتا بلکہ اللہ کے رسول کا غیر معمولی اختیارات و قوتوں کا مالک ہونا لازمی و ضروری
ہے چنانچہ آج بھی مسلمانوں کی اکثریت اللہ کے رسول کو صرف نوری، مافوق البشر
سمجھتی ہے بلکہ بشر سمجھے کو سوء اعتقاد قرار دیتی ہے۔ بعض کا خیال تھا کہ دنیا میں جو
خوشحال ہے وہی موت کے بعد والی زندگی میں بھی خوشحال رہیگا کیونکہ دنیا کی
خوشحالی اس بات کی علامت ہے کہ اللہ اسکے فکر و عمل سے راضی و خوش ہے
بعض کا خیال تھا کہ قوم و ملک کی کوئی اہم و بڑی شخصیت پر کتاب نازل
ہونا چاہیئے یہ عقیدہ تھا کہ تنہا اللہ اس نظام کو نہیں چلا سکتا اسلئے اللہ
کیلئے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کئے اور اکثریت کا خیال ہے کہ بندوں کی اطاعت
و فرمانبرداری سے خوش ہوکر ان کو بھی اس نظم کائنات میں اللہ اپنے ساتھ
شریک و دخیل بنالیا ہے اسطرح مقربان بارگاہ الٰہی جو فانی فی اللہ، باقی اللہ،

عین اللہ ہیں مطلق، مجازی طور پر عالم الغیب، فریاد رس، حاجت روا اور مشکل کشا ہیں۔ ان کو پکارنا اللہ ہی کو پکارنا ہے۔ بزرگان دین کی بے اختیاری، بے خبری اور بے فیضی کو کسی بھی قیمت پر ماننے تیار نہ تھے اور آج بھی مسلمانوں کی اکثریت ان ہی باطل عقائد میں مبتلا ہے چنانچہ ان مقربان بارگاہ الٰہی کی محبت و عقیدت کے اظہار کے عنوان سے ان کیلئے فاتحہ پڑھی جاتی ہے نذر و نیاز کیجاتی ہے اور منت و مراد مانگے جاتے ہیں تاکہ دنیا میں فیض و برکت حاصل ہو اور موت کے بعد ان ہی کی سعی و سفارش کی بنا پر عذاب الٰہی سے بچاؤ یا چھٹکارہ مل جائیگا مختصر یہ کہ مغفرت و نجات خاندان، نسبت، عقیدت و محبت کی بنیاد پر ہو جائیگی یا گناہ کی سزا کے بعد بہر حال نجات یقینی ہے یعنی موروثی دین و عبادت و ثواب ذکر و یاد کے عنوان سے چند رسوم و طریقے اختیار کر لینا کافی سمجھتے تھے اور سمجھتے ہیں۔

بذکرِ عظیم :۔ انسان کسی طرح بھی اپنے طور پر یہ معلوم نہیں کر سکتا کہ موت کے بعد کیا ہونے والا ہے کیونکہ مرا ہوا کوئی فرد بھی پھر اس دنیا میں واپس نہ آسکا ہے اسلئے کائنات کے خالق و رب نے بندوں کیلئے اپنی کتاب اور رسول کے ذریعہ یہ علم عطا فرمایا ہے کہ دنیا کی زندگی محض چند روزہ اور آزمائش کی زندگی ہے دنیا رہنے کی جگہ نہیں بلکہ مسافر خانہ ہے جو انسان کا مشاہدہ و مسلمہ ہے اور حقیقی و اصل زندگی موت کے بعد کی ہے کیونکہ وہ ابدی زندگی ہے چنانچہ آدم علیہ السلام سے آج تک گیا ہوا کوئی فرد پھر واپس اس دنیا میں نہیں آیا ابدی زندگی میں جنت [illegible] و راحت کس فکر و عمل کے بدلہ ہیں اور دہکتی آگ کونسے فکر و عمل کی پاداش میں ملے گی کتنے واضح الفاظ میں اور عملی نمونوں کے ساتھ بتا دیا گیا ہے اسلئے وہ باتیں جن سے ابدی زندگی ملیگی [illegible] انسان کیلئے دنیا و مافیہا سے زیادہ اہم و قیمتی [illegible] ہیں۔

اگر انسان ایسی باتوں سے متاثر نہ رہے تو یہ وہ حماقت [illegible] جسکا خمیازہ موت کے بعد کی زندگی میں ہمیشہ ہمیشہ بھگتتے رہنا پڑیگا۔

أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۷۲﴾

ترجمہ:۔ کیا مانگتا ہے تو ان سے مال سو مال تیرے رب کا بہتر ہے اور وہ بہتر ہے رزق دینے والا

مطلب:۔ اے نبیؐ کیا تم ان سے کوئی معاوضہ مانگ رہے ہو جس کی بنا پر وہ اعراض انکار اور مخالفت کیئے جا رہے ہیں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کے مال و دولت کے مقابلہ میں آپ کے رب کا دیا بہت ہی بہتر ہے اور حقیقت میں پروردگار ہی بہترین رزق دینے والا ہے۔

نوٹ:۔ داعی کی خود غرضی و شخصی مفاد دعوت سے اعراض کی ایک وجہ ہو سکتی ہے چنانچہ سرداران قوم نے حضرت نوحؑ سے اور فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے عوام کو بدگمان کرنے کے لیئے یہی الزام لگایا جس کا نوحؑ نے فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُم مِّنْ أَجْرٍ ﴿۷۲﴾ یونس (پھر بھی اگر تم اعراض ہی کیئے جاؤ تو میں نے تم سے کوئی معاوضہ تو نہیں مانگا۔) کے ذریعہ حقیقت کا اظہار کرکے ابطال کیا۔ بہرحال ہر نبی و ہر رسول نے دعوت کے متعلق سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر کرنے کے لیئے مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ کے ذریعہ اپنی بے غرضی اور انسانی ہمدردی کو بیان کیا ہے

وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۷۳﴾

ترجمہ:۔ اور تحقیق تو بلاتا ہے ان کو طرف راہ سیدھی کے۔

مطلب:۔ اور اے نبیؐ آپ یقیناً ان کو سیدھی راہ کی طرف بلا رہے ہیں

صراط مستقیم:۔ سیدھا راستہ وہ طریقہ زندگی ہے جس کا ہر معاملہ اللہ و رسول کے احکام و ہدایات کے [illegible] انجام دیا جائے۔ چنانچہ سورۃ انعام کی آیات ۱۵۲ تا ۱۵۳ میں سیدھے [illegible] کی وضاحت کردی گئی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝ آل عمران۔

ترجمہ:۔ [illegible] بندگی کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

(پارہ ۱۸ المؤمنون)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دوزخ سے نجات پانے والا فرقہ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّ سَبْعِیْنَ
مِلَّۃً کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّۃً وَّاحِدَۃً
قَالُوْا مَنْ ھِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ مَا
اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ۔

(ترمذی و احمد ابو داؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی
سب ناری ہوں گے سوائے ایک فرقے کے
صحابہ کرامؓ نے پوچھا یا رسول اللہ وہ
فرقہ کون ہے، فرمایا جس راہ پر میں
ہوں اور میرے صحابہؓ ہیں۔

حضرت معاویہؓ سے جو روایت [illegible]
الجماعۃ اور اسی سلسلہ میں [illegible]
اِنَّ اللّٰہَ لَا یَجْمَعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالَۃٍ [illegible] الجماعۃ
یقیناً اللہ میری امت کو گمراہی پر جمع [illegible]
رہے گا) اور اللہ کا ہاتھ جماعت [illegible]
مذکورہ ارشاد نبوی سے ثابت ہوتا ہے [illegible]
عمل کا بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔ [illegible]
جس کا انجام آخرت جہنم ہے [illegible]
کہ وہ شرک و بدعت ہے اور ایسے [illegible]
جس کا عقیدہ و عمل حضرت [illegible]
اور روشن صحابہؓ کے مطابق [illegible]
حق پر الجماعت کا اطلاق ہوگا اور [illegible]
[illegible]

الحق ALHAQ

HYDERABAD.(A.P) Regd.No. 154

مقاصد الحق

- باطل غیر فطری افکار، انسانیت کی ادیان کا ابطال اور عالم انسانیت کے لیے ایک ہی دین حق کا اثبات و تعارف۔
- اخروی ابدی زندگی سے غافل اللہ تعالیٰ سے گذشتہ بندوں [illegible] اللہ تعالیٰ سے [illegible] کی بے لاگ جدوجہد تاکہ اللہ تعالیٰ کے [illegible] ہدایت [illegible] ابدی زندگی [illegible] عذاب و حزن سے [illegible] سلامتی کی زندگی [illegible]۔
- مسلمانوں کی پوری زندگی میں علم و عمل [illegible] کتاب و سنت اور [illegible] کے مطابق علمی و لسانی جہاد کی ترغیب۔

رسالۂ الحق کا زرِ تعاون

[illegible] اشاعت حق کے اغراض میں صرف ہوتا ہے۔ [illegible]
[illegible] وقف [illegible] کے لئے ذریعہ آخرت ہوگا۔



مکان نمبر 14-1-497 سیتارام پیٹ
[illegible] باغ جہاں آباد، حیدرآباد، آندھرا پردیش (انڈیا)